مقالاتِ حافظ محمود شیرانی

جلد سوم

اردو کے کلاسیکی ادب پر پانچ اہم مقالے

مرتبہ
مظہر محمود شیرانی

مجلسِ ترقیِ ادب
کلب روڈ لاہور

مقالاتِ حافظ محمود شیرانی

جلد سوم

اردو کے کلاسیکی ادب پر پانچ اہم مقالے

مرتبہ

مظہر محمود شیرانی

مجلسِ ترقیِ ادب

کلب ــــ روڈ ــــ لاہور

طبع اول : جولائی ۱۹۶۹ع
تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : سید امتیاز علی تاج ، ستارۂ امتیاز
ناظم مجلس ترقیِ ادب ، لاہور

مطبع : شفیق پریس ، لاہور
مہتمم : ایس - ایم - شفیق

فہرست

نمبرشمار		صفحہ
۱-	میر قدرت اللہ خان قاسم اور ان کی تالیف "مجموعۂ نغز"	۱
۲-	تنقید برآب حیات	۲۷
۳-	شمس العلما مولانا محمد حسین آزاد اور دیوان ذوق	۱۱۷
۴-	مرزا غالب کا کلام اردو و فارسی	۳۰۷
۵-	حالی اور مسدس حالی	۳۱۷

میر قدرت‌اللہ خان قاسم اور آن کی تالیف 'مجموعۂ نغز'

[حافظ صاحب کی مرتّبہ حکیم قدرت‌اللہ قاسم کی کتاب 'مجموعۂ نغز' پنجاب یونیورسٹی کے سلسلۂ نشریات میں ۱۹۳۳ع میں شائع ہوئی تھی - زیر نظر مضمون اس کے آغاز میں بہ عنوان 'مصنف کے حالات' دیا ہوا ہے - لیکن اس میں حالات مصنف کے ساتھ ساتھ کتاب کا مختصر تعارف بھی شامل ہے - علاوہ ازیں 'مجموعۂ نغز' پر 'آب حیات' کا ماخذ ہونے کے لحاظ سے بھی روشنی ڈالی گئی ہے - (مرتب)]

ان کی کنیت ابوالقاسم عرف میر قدرت‌اللہ قادری اور قاسم تخلص ہے - اکثر تذکرہ نگار 'خان' کا لفظ ان کے نام کے ساتھ اضافہ کرتے ہیں - حضرت امام رضاؓ کی اولاد سے ہیں - ان کے سربرآوردہ بزرگوں میں ایک تو سید اسماعیل غوربندی ہیں ، دوسرے سید فاضل گجراتی ہیں جو قصبۂ گجرات شاہ دولہ پنجاب سے تعلق رکھتے ہیں - ان کا مکان گجرات میں لوہاروں کے محلے میں تھا اور قبر بھی وہیں ہے جو زیارت گاہ خلائق ہے - مصنف کا بیان ہے کہ ''بزار و یتبرک بہ ـ'' (صفحہ ۹۳ ، جلد دوم ، 'مجموعۂ نغز') -

سید فاضل کے متعلق بختاور خاں اپنی تالیف 'مرآۃ العالم' میں یوں لکھتے ہیں : ''سید فاضل گجراتی بہ ورع و تقویٰ موصوفست و بہ نہی منکر و امر معروف مقید ، مکرر بدرگاہ خلافت پناہ رسیدہ بصنوف عنایات خلیفۃالرحمانی ممتاز گردید و الحال در گجرات خورد سکونت دارد و تخم نصیحت در قلوب اہل ارادت میکارد'' - ہرگوبند عرف عبدالباری منافق و مرتد قانون گوے گجرات اپنی تصنیف 'صدق نامہ' میں انھیں

سید میران محتسب فاضل کے نام سے یاد کرتا ہے - سید فاضل کا زمانہ عہد عالمگیری ہے -

حکیم صاحب نے اپنے خاندانی حالات کا مطلق ذکر نہیں کیا ہے - صرف اسی قدر کہا ہے کہ اب صرف فتح علی خان حسینی جو ایک شیخ با کمال ہیں اور جن کا ذکر اس تصنیف کے علاوہ 'کرامات پیران پیر' میں بھی آتا ہے ، ان کے بزرگوں کے جاننے والوں میں باقی رہ گئے ہیں - چنانچہ 'کرامات پیران پیر' میں ہے :

بزرگوں سے واقف مرے اے اجل نہیں کوئی اس کے سوا آج کل
نہیں کوئی باقی رہا دوسرا شناسا بڑوں کا اب اس کے سوا
حسب اور نسب کا مری دوستاں وہی آج آگاہ ہے بے گماں

اس اشارے سے ہم اس قدر اخذ کرتے ہیں کہ وہ ایک شریف اور ممتاز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ، جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے - تذکرہ نگار ان کے نام کے ساتھ 'خان' کا لفظ بھی ضم کرتے ہیں - اس سے ظاہر ہے کہ سرکار شاہی سے یہ خطاب ان کے بزرگوں کو عطا ہوا ہے اور وراثتاً ان تک پہنچا ہے - یہ امر بھی ان کی شرافت خاندانی کی دلیل ہے - ان کا آبائی پیشہ درس و تدریس و تعلیم و تعلم کے علاوہ درویشی اور پیری مریدی تھا - شیخ عبدالقادر جیلانی سے ان کے خاندان کو خاص ارادت تھی اور ان کے والد کی بھی انہیں یہی نصیحت تھی کہ وہ ہمیشہ قادری رہیں - چنانچہ حکیم صاحب اپنی مثنوی 'کرامات پیران پیر' میں فرماتے ہیں :

ہمیشہ اسے والد نامدار کہ بادا برو رحمت کردگار
یہ کرتا نصیحت بہ دل دوستو جو بعد اُس کے تو اے نیک خو
دل و جان سے جان ، جان پدر شہنشاہ بغداد کو راہ بر
سدا بوجھ سب کا انہیں پیشوا کہ ہیں تیرھویں وہ امام ہدیٰ

حکیم صاحب اس نصیحت پر مدت العمر عامل رہے اور ہر بارھویں تاریخ کو بڑے پیر کی فاتحہ دلواتے رہے - مصنف نے اپنے والد کے ذکر کے متعلق بھی خاموشی سے کام لیا ہے - صرف اسی قدر کہا ہے کہ

میری عمر کے آٹھویں سال میں ان کا انتقال ہوتا ہے - چنانچہ :

گیا جب جہاں سے وہ ناصح کریم　　ہؤا اور برس آٹھویں یہ یتیم

والد کی رحلت سے تین سال بعد میر فتح علی خان حسینی ان کو لے جا کر مولانا فخرالدین کے مدرسے میں داخل کرا دیتے ہیں - چنانچہ 'کرامات پیران پیر' میں ہے :

مجھے لے گیا وہ جواں مرد پیر　　جہاں تھے وہ صد فخر قطب کبیر
جب اس مدرسے میں بصد انکسار　　مری آمد و شد ہوئی گرم یار

حکیم صاحب چونکہ ابھی کم سن تھے ، ان کی عمر مشکل سے گیارہ سال ہو گی ، اس لیے مولانا فخرالدین نے انھیں سید احمد ابا حسن کے حوالے کر دیا تھا جو اسی مدرسے میں ایک مدرس اور مولانا کے مرید و جانشین تھے - کرامات پیران پیر :

وہ استاد جن کے کیا تھا سپرد　　مجھے حضرت شیخ نے جان خورد
وہ تھا سید پاک و عالی تبار　　نہایت بزرگ و بزرگی شعار
وہ رکھتے تھے از بسکہ خلق حسن　　بہ کنیت تھے کہتے انھیں با حسن
فنا شیخ میں تھے ہوئے مو بمو　　گویا حضرت فخر تھے ہو بہو
پس از رحلت شیخ قربت دثار　　خلافت ہوئی ان کو صدیق وار
بہ اجماع یاران وہ پاکیزہ دیں　　محب نبی کے ہوئے جانشیں

اس عہد کے طلبا کی سادہ زندگی کا ہم اس ایک امر سے اندازہ لگا سکتے ہیں جو مصنف نے اپنی اسی نظم میں اتفاقیہ ذکر کر دیا ہے - وہ کہتا ہے کہ میں صبح سے لے کر شام تک ایک لمحے کے لیے بھی کتاب کو اپنی آنکھ سے اوجھل نہیں ہونے دیتا تھا - علی الصباح آٹھا ، آٹا گوندھا ، اس کا ایک پیڑا بنایا اور جا کر تنور پر لگوا لیا اور کھا پی کر دن بھر پڑھنے میں مصروف رہا :

نہ چھٹتی تھی مجھ سے کتاب ایک پل　　کہ کرنا تھا مشکل مسائل کو حل
غرض شام سے صبح تک میں بہ کد　　مطالعہ کناں تھا اے اہل خرد
لے اک ساتھ آٹے کا پیڑا میں خام　　علی الصبح پڑھنے کو جاتا مدام

پکا اوس کو تنور سے اور کھا — میں تا شام پڑھتا پڑھاتا سدا
مجھے بس کہ مقصود میاں علم تھا — میں تھا پیچھے باندھ اس کے آنا پڑا
کبھو ہی میں ناغہ نہ کرتا سبق — بلا ناغہ پڑھتا ورق دو ورق

ان ایام میں حکیم صاحب اپنا اکثر وقت اپنے استاد اور مولانا فخرالدین کی معیت میں گزارتے۔ جب یہ بزرگ زیارات کے لیے جاتے، یہ اپنے سبقوں میں ناغہ ہو جانے کے ڈر سے ساتھ ساتھ رہتے۔ زیارتیں بھی کرتے اور موقع پا کر سبق بھی پڑھ لیتے :

تو جوں سایہ ہمراہ شیخ اے جواں — زیارت کو پیروں کی پھرتے دواں
سمجھ اپنی تحصیل میں یہ فتور — سدا ساتھ رہتا میں با صد سرور
جہاں وقت فرصت کا ملتا مجھے — میں لیتا سبق پڑھ وہیں لطف سے
زیارات تھے مجھ کو مفت اے پسر — میسر بہم تھے یہ شیر و شکر

اسی زمانے میں حکیم صاحب کے نانا کو امیرالامرا نجیب الدولہ بہادر کی سرکار سے توسل تھا۔ نانا کی کوئی جاگیر تو تھی نہیں مگر امیرالامرا ان کے ساتھ مروت سے پیش آتے اور سلوک کرتے رہتے تھے اور ایام طالب علمی میں یہی نانا ہمارے مصنف کے کفیل معاش تھے :

نجیب زماں تھا وہ خان زماں — کہ تھی دولت و جاہ کی اس کے شاں
وہ تھا دیندار اس قدر اے عزیز — کہ عہد اس کے میں با ہزاراں تمیز
ہوئے لاکھ ہا حافظ با وقار — ہزاروں ہی فاضل ہوئے نامدار
یہ قاسم بھی میاں اس کے ہی جود سے — ہوا ہے کچھ آگاہ شد بود سے
کہ نانا سے اس کے وہ صاحب کرم — مروت سے کرتا تھا کچھ بیش و کم
عوض اس کی جاگیر کے یہ امیر — کرے تھا تواضع قلیل و کثیر
یہ تھا حال پر اس کے حد مہرباں — وہ تھا اس کے الطاف سے کامراں
میں سدّ رمق کھا کے نانا کے ہاتھ — شب و روز مشغول تھا علم ساتھ

نجیب الدولہ کے متعلق ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ وہ علی محمد خاں کے زمانے میں روہیلکھنڈ پہنچے۔ کچھ عرصے بعد وہاں سے قطع تعلق کر کے وزیر غازی الدین کی وساطت سے دہلی آ گئے۔ جب نواب صفدر جنگ نے دربار دہلی سے مخالفت کی، ۱۱۶۵ھ میں نجیب الدولہ نے صفدر جنگ پر

حملہ کرکے اس کو دریائے گنگا عبور کرنے پر مجبور کیا ۔ اس معرکے میں نجیب الدولہ خود بھی زخمی ہوئے تھے ۔ احمد شاہ بہادر نے اس حسن خدمت کے صلے میں ان کو نجیب الدولہ کا خطاب دیا ۔ عالمگیر ثانی کے دور میں احمد شاہ ابدالی نے انہیں بادشاہ دہلی کا امیرالامرا مقرر کیا ۔ لیکن شاہ موصوف کی واپسی قندھار پر جو ۱۱۷۰ھ میں ہوئی ، غازی الدین خاں وزیر نے یہ منصب آن سے لے کر احمد خان بنگش والی فرخ آباد کو تفویض کر دیا ۔ نجیب الدولہ ۱۱۷۴ھ کی جنگ پانی پت میں بھی شریک تھے ۔ اس جنگ کے اختتام پر احمد شاہ ابدالی نے بوقت واپسی دوبارہ ان کو امیرالامرا بنا دیا اور شہر دہلی اور شاہی خاندان کی حفاظت ان کے سپرد کر دی ۔ نجیب الدولہ نے اپنے زمانۂ امیرالامرائی میں دہلی اور آن بقیہ اضلاع کا جو آس وقت شاہان دہلی کے قبضے میں تھے ، بوجہ احسن انتظام کیا اور رجب ۱۱۸۳ھ میں اس دار فانی سے رحلت کی ۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ نجیب الدولہ ۱۱۷۴ھ سے دہلی میں رہنے لگے ہیں اور اپنی وفات کے سال ۱۱۸۳ھ تک یہیں رہے ۔ یہی زمانہ ہے جب ہمارا مصنف شہر دہلی میں اپنی طالب علمی کا زمانہ مولانا محمد فخرالدین کے مدرسے میں گزار رہا ہے ۔ جب ان ایام میں وہ طالب علم ہے اور ۱۲۳۶ھ میں انتقال کرتا ہے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایک بڑی عمر کا ، جو تقریباً اسّی سال ہوگی ، مالک تھا ۔

معقول و منقول میں حکیم صاحب مولانا فخرالدین اور خواجہ احمد خاں کے شاگرد ہیں ۔ مولوی محمدی ملقب بہ میاں صاحب بسمل تخلص سے 'مختصر وقایہ' ، 'مختصر معانی' ، 'مطول' و 'شرح عقاید نسفی' پڑھی ہیں ('مجموعۂ نغز' صفحہ ۲۰۰ ، جلد ۱) ۔ فن طب میں رئیس الحکما و شریف الاطبا حکیم محمد شریف خاں کے اور فن شعر میں ہدایت اللہ خاں ہدایت کے تلمیذ ہیں ۔

حکیم صاحب کسی کے ملازم نہیں تھے اور طبابت ذریعۂ معاش تھی ۔ مولوی کریم الدین تاریخ شعرائے اردو میں لکھتے ہیں : ''علم طب خوب ان کو آتا تھا ، علاج بیماروں کا کیا کرتے تھے ۔'' (صفحہ ۳۱۹)

صاحب گلستان سخن ان کو ''حکیم کامل اور طبیب فاضل'' کے معزز الفاظ سے یاد کرتے ہیں (صفحہ ۳۰۳) ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت اچھے طبیب تھے ۔

ان کی زندگی ایک بے انقلاب زندگی معلوم ہوتی ہے جو طبابت اور شعر کی خدمت میں خاموشی کے ساتھ بسر ہو گئی ۔ ابتدائے شعور سے انھیں شعر گوئی کا شوق تھا ۔ مشاعروں میں ضرور حاضر رہتے ۔ امیرالامرا نجیب الدولہ کے عہد میں میر مہدی شرف کے ہاں محفل مشاعرہ منعقد ہوا کرتی تھی ۔ حکیم صاحب ان ایام میں محض مبتدی فن تھے لیکن مشاعرے میں ضرور شامل ہوا کرتے ۔ فرماتے ہیں :

''در ایام دولت نواب معلی القاب نجیب الدولہ بہادر عفی اللہ عنہ طرح مراختۂ بخانہ خود می انداخت ۔ قاسم ہیچمدان سراپا نقصان کہ دران اوان مبتدی این فن بود ، بمجلس وے حاضر می شد ۔''

(صفحہ ۳۴۰ ، جلد ۱)

اسی زمانے میں میاں مصحفی دہلی میں مقیم تھے اور اپنے گھر مشاعرے کراتے تھے ۔ حکیم صاحب ان مشاعروں میں بھی شریک ہوا کرتے تھے ۔ چناں چہ کہتے ہیں :

''در زمانے کہ وارد حضرت دہلی بود ، یک چند طرح مراختہ بخانۂ خود انداختہ با قاسم ہیچمدان سراپا نقصان کہ اکثر بمشاعرہ اش می رفت ، بسیار باہلیت و آدمیت پیش می آمد ۔''

(صفحہ ۱۸۹ ، جلد ۲)

معلوم ہوتا ہے کہ اسی عہد میں استاد ہدایت کی شاگردی اختیار کی ہے ۔ ہدایت کے ذکر میں کہتے ہیں :

''قاسم ہیچمدان سراپا نقصان باوصف صحبت مستوفی در عرض چہل سال تخمیناً گاہے ندیدہ کہ از وے کسے رنجیدہ ۔''

(صفحہ ۳۱۷ ، جلد ۲)

اس میں چالیس سال کے زمانے کی طرف جو اشارہ ہے ، وہ تذکرۂ ہذا کی تحریر کے وقت یعنی ۱۲۲۱ھ میں کیا ہے ۔ اب ظاہر ہے کہ

(۱۲۲۱—۴۰=۱۱۸۱) ۱۱۸۱ھ میں حکیم صاحب استاد ہدایت سے تعلق میں آئے ہیں اور غالباً اسی زمانے میں وہ ان کے شاگرد بنتے ہیں۔

نوعمری سے جو زلف سخن کے سنوارنے کا لپکا پڑا ہے، مرتے دم تک نہیں چھوٹا۔ مشاعروں میں ان کی حاضر باشی ضروری تھی۔ کثرت مشق سے آستادوں میں شمار ہونے لگے اور فن شعر کے ماہر تسلیم کر لیے گئے۔ انھی مشاعروں کی بدولت میر انشاء اللہ خان انشا سے ان کا اور عظیم بیگ کا بگاڑ ہو جاتا ہے۔ حکیم صاحب کی سلیم الطبعی اور ملاست مزاج سے توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ خود کسی معاملے میں پہل کرتے، البتہ انشا کی شوخ اور ہنگامہ زا طبیعت ادھر مرزا کی خود بینی اور بد دماغی زیادہ تر اس ادبی معرکے کی ذمہ دار ہے۔ حکیم صاحب براہ راست کوئی فریق نہیں تھے لیکن مرزا عظیم کی رفاقت کی بنا پر انھیں اس جنگ میں حصہ لینا پڑا۔ یہ شعری رزم جس میں انشا کی طرف سے بعض ناجائز امور کی حد تک اقدام ہوا ہے، مرزا مینڈھو کے مشاعرے میں قطعات و غزلیات فخریہ سے گزر کر باقاعدہ میدان جنگ کی صورت اختیار کرنے والی تھی۔ جب حکیم صاحب کے سامنے شمع لائی گئی، انھوں نے انشا سے خطاب کرکے کہا:

''عمزاد! آپ کی سرکار سے ہمیں مسیلمۂ کذاب کا خطاب عنایت ہوا ہے۔ بہت اچھا! اب ذرا ہمارے 'الفیل[۱] ماالفیل' پر بھی کان دھریے۔''

صاحب مشاعرہ کو گمان گزرا کہ اب کوئی رکیک ہجو پڑھی جانے والی ہے۔ ادھر سے یہ اور آدھر سے محب علی محب آٹھے اور کوشش کرکے فریقین میں صلح کرا دی۔ دونوں طرف شرفا تھے، مان گئے۔ معاملہ بخیر و خوبی گزر گیا اور کشت و خون تک نوبت نہیں آنے پائی۔ اس پرخاش شاعرانہ کی یادگار مرزا عظیم بیگ کا وہ مشہور مخمس ہے

---

۱ - یہاں ایک عبارت کی طرف تلمیح ہے جو کہا جاتا ہے کہ مسیلمۂ کذاب نے قرآن حکیم کے مقابلے میں پیش کی تھی۔ یہ سورہ القارعة کے انداز میں 'سورۃالفیل' کے نام سے اس نے بنائی تھی۔ اس کا آغاز ہے:

''الفیل و ماالفیل و ما ادرک ماالفیل، جسمہ عظیم، و عینہ قلیل و اذنہ عریض و خرطومہ طویل۔'' (مرتب)

جس کے شعر ذیل نے ہماری زبان میں ضرب المثل کی عزت حاصل کر لی ہے :

شہ زور اپنے زور میں گرتا ہے مثل برق
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تذکرۂ انشا ، صفحہ ۸۲-۸۶ ، جلد ۱)

تذکرۂ ہذا میں بعض اشاروں سے پایا جاتا ہے کہ حکیم صاحب نے بعض اوقات اِدھر اُدھر سفر بھی کیے ہیں - کنور پریم کشور فراق کے ذکر میں کہتے ہیں کہ میں نے اس کے باپ کو بندرا بن میں فقیرانہ لباس میں دیکھا ہے (صفحہ ۳۸ ، جلد ۲) - اس سے ان کا بندرا بن پہنچنا ثابت ہے -

منت کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ میں اور منت ایک ہی گاڑی میں لکھنؤ پہنچے - میں واپس چلا آیا اور وہ وہیں رہے :

"اتفاقاً قاسم ہیچمدان سراپا نقصان ہم سفر آن فصاحت زبان در یک گردوں تا بلدۂ لکھنؤ رسید جامع المتفرقین ویرا در اندک فرصت بوطن مالوف رسانید و آن میر میدان سخنوری در پہان (نواح) توطن گزید -" (صفحہ ۲۲۵ ، جلد ۲)

حکیم صاحب کی شادی مولوی نور احمد صاحب ممتاز کی دختر بلند اختر سے ہوئی تھی - نور احمد ، مولوی عبدالوہاب کے فرزند ہیں جو اپنے عہد کے بڑے عالم مانے جاتے تھے - خود مولوی نور احمد شاہ عالم ثانی کے ایام شہزادگی میں استاد تھے - جب شہزادۂ والا گوہر (شاہ عالم کی شہزادگی کا نام ہے) دیار شرقیہ کو چلے گئے ، مولوی نور احمد کا سلسلہ سلطان ہدایت بخش اور نواب عمادالملک کی سرکاروں میں ہو گیا - آخر میں خانہ نشین ہو گئے اور باقی عمر بڑی عزت کے ساتھ گزار دی - اہل شہر و محلہ مولوی صاحب کی بے حد عزت کرتے تھے - یہ اس سے ظاہر ہے کہ جس دن مولوی صاحب کا انتقال ہوا ، اہل بازار نے ان کے احترام میں اپنی دکانیں بند کر دیں اور شریک جنازہ ہو گئے اور جب تک مولوی صاحب کو دفن نہیں کر دیا گیا ، اس وقت تک واپس نہیں آئے - (صفحہ ۲۲۰ ، جلد ۲)

اولاد میں حکیم صاحب نے صرف ایک فرزند کا ذکر کیا ہے اور بمصداق 'الولد سر لابیہ' وہ بھی شاعر ہیں ۔ ان کا نام عزت اللہ عشق ہے ۔ حافظ و قاری ہونے کے علاوہ فن طبابت میں صاحب کمال ہیں اور میرزا ولی عہد بہادر (اکبر شاہ ثانی) کے فرزند اکبر مرزا ابوالظفر بہادر ظفر (ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ) کے کلام کی اصلاح دیتے ہیں ۔ اس موقع پر حکیم صاحب کے فقرے سے مترشح ہوتا ہے کہ شاید خود حکیم صاحب بھی شاہی خاندان کی اصلاح دیتے رہے ہیں ۔ ان کے الفاظ ہیں :

''اما از برخوردار کامگار میر عزت اللہ عشق مد عمرہ و زاد قدرہ که ارثاً سررشتۂ استادی این دودمان عالیشان دارد ، استشارہ می فرمایند ۔'' (صفحہ ۳۲۳ ، جلد ۱)

ایک احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عزت اللہ عشق کے نانا مولوی نور احمد ، شاہ عالم ثانی کے استاد ہیں ۔ ممکن ہے کہ یہ اشارہ اس طرف ہو ۔ بہر حال استاد ذوق سے پیشتر عشق ، ظفر کی غزلیات کی اصلاح دیا کرتے تھے ۔

حکیم صاحب کے بزرگوں کا پیشہ درس و تدریس اور پیری مریدی تھا ۔ آخر الذکر کو ترک کرکے حکیم صاحب نے اس کی جگہ طبابت کا مفید پیشہ اختیار کر لیا تھا ۔ مگر اول الذکر تعلیم و تعلم کو معلوم ہوتا ہے کہ برابر جاری رکھا ۔ فن شعر میں ان کے شاگردوں کی فہرست ، جہاں تک کہ تذکرۂ ہذا کا تعلق ہے ، نہایت مختصر ہے ۔ لیکن میں ایسے شاگردوں کے نام جن کا ذکر اتفاقیہ اس تذکرے میں آگیا ہے ، خواہ وہ مکتبی شاگرد ہوں یا فن شعر کے یا محض کتابی تکرار کرنے والے ، یہاں درج کیے دیتا ہوں :

(۱) آفاق : میر فرید الدین ۔ اصل میں حکیم ثناء اللہ خان فراق کے شاگرد ہیں لیکن استاد کے کہنے سے حکیم صاحب کو بھی اپنا کلام دکھا دیا کرتے ہیں ۔ (صفحہ ۳۴ ، جلد ۱)

(۲) احسن : احسن اللہ ۔ حکیم صاحب ہی کے شاگرد ہیں ۔ (صفحہ ۴۹ ، جلد ۱)

(۳) **اشرف** : غلام اشرف ۔ منجملہ دیگر کمالات ، علم موسیقی میں پوری دستگاہ رکھتے ہیں ۔ ساز 'سندر بن' ان کی ایجاد ہے ۔ بعض علوم عربیہ کے علاوہ ریختہ میں بھی حکیم صاحب سے اصلاح لیتے ہیں ۔ ان کی لا ابالیانہ افتاد طبیعت کے حکیم صاحب شکوہ سنج ہیں ۔ کہتے ہیں کہ اب تو وہ اپنا کلام مجھے دکھائے بغیر غیر ذمہ دارانہ طریق پر لوگوں کے سامنے پڑھ دیتے ہیں ۔ (صفحہ ۶۲ ، جلد ۱)

(۴) **افسوس** : غفور بیگ ۔ اصل میں استاد ہدایت کے تلمیذ ہیں لیکن استاد کی غیبت میں اپنا کلام فراق اور حکیم صاحب کو دکھا 'یا کرتے ہیں ۔ (صفحہ ۶۶ ، جلد ۱)

(۵) **بیان** : خواجہ احسن اللہ خان ۔ مصنف کے ساتھ بلا ناغہ سبق کی تکرار کرتے رہے ہیں ۔ (صفحہ ۱۲۳ ، جلد ۱)

(۶) **تنہا** : ایک افغان زادہ تھا ۔ عین عالم شباب میں انتقال کیا ۔ اپنا کلام کبھی حکیم صاحب کو اور کبھی فراق کو دکھاتا رہا ہے ۔ (صفحہ ۱۴۸ ، جلد ۱)

(۷) **حفیظ** : حافظ محمد حفیظ ۔ کشمیری الاصل اور دہلوی المولد ہے ۔ اپنا کلام کبھی فراق کو کبھی حکیم صاحب کو دکھاتا رہا ۔ بعد میں عشق سے مشورہ کرنے لگا ۔ (صفحہ ۲۱۳ ، جلد ۱)

(۸) **راقم** : غلام محمد ہفت قلم ۔ مصنف مشہور تذکرۂ خوشنویسان ۔ 'مجموعۂ نغز' کی تالیف سے بارہ تیرہ سال پیشتر جب راقم لکھنؤ نہیں گیا تھا ، حکیم صاحب سے شرح شمسیہ اور حاشیۂ میر پڑھتا رہا ہے اور شعر میں بھی اصلاح لی ہے ۔ (صفحہ ۲۶۳ ، جلد ۱)

(۹) **شفیق** : مظہر علی خاں ۔ مشق سخن فراق سے کرتا رہا ہے لیکن حکیم صاحب اور ان کے فرزند عشق سے بھی استفادہ کیا ہے ۔ (صفحہ ۳۳۳ ، جلد ۱)

(۱۰) **نیاز** : میاں نیاز احمد ، شاعر مشہور ۔ حکیم صاحب کے ساتھ بعض کتابوں کی تکرار کی ہے ۔ (صفحہ ۳۸۸ ، جلد ۲)

(۱۱) **سرور** : میر فیض علی ۔ سید ابراہیم کی اولاد سے ہے جو سید شمس الدین کے بھائی ہیں ۔ ان کا مزار دہلی سے دو منزل پر

قصبۂ اجڑاڑہ میں واقع ہے۔ سادات کبرویہ میں سے ہیں اور طریق شطاریہ پر عامل ہیں۔ ان کے مزار پر ذیقعدہ کی سترھویں تاریخ سے بیسویں تک سالانہ عرس ہوتا ہے جس میں قرب و جوار کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ یہ سرور علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کے لیے اپنے وطن سے آ کر حکیم صاحب کے ہاں مستقلاً مقیم ہو گیا ہے اور پوری سرگرمی کے ساتھ اپنی تعلیم میں مصروف ہے۔

(صفحہ ۳۸۹ ، جلد ۲ تکملہ)

حکیم صاحب کا شمار چوٹی کے شعرا میں نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے کلام کا جوہر مشّاق اور روزمرہ کی صفائی ہے۔ کثرت مشق نے کلام کو پختگی کی حد تک پہنچا دیا ہے۔ مگر ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ شاعری اس میں بہت کم پائی جاتی ہے۔ ان کے پُر گو ہونے میں کوئی شبہ نہیں جیسا کہ ان کی تصنیفات سے ظاہر ہے۔ اس تذکرے کی تالیف کے وقت ایک ضخیم دیوان[۱] ختم ہو چکا ہے جس میں سات ہزار اشعار ہیں۔ اس کے علاوہ بحر رمل ، مسدس محذوف میں ایک معراج نامہ لکھا جا چکا ہے جس کے ابیات کی تعداد تین ہزار پانسو ہے۔

(صفحہ ۹۳ ، جلد دوم)

۱۲۱۷ھ میں ایک مثنوی بہ وزن شاہنامہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے حالات و کرامات میں موسوم بہ 'کرامات پیران پیر' ختم کر چکے ہیں۔ جس میں پانچ ہزار دو سو اشعار ہیں اور بشرط زندگی ارادہ کر رہے ہیں کہ غزوۂ بدر کو نظم کے قالب میں ڈھالیں۔

'کرامات پیران پیر' کے سوا باقی تالیفات[۲] راقم کی نظر سے نہیں گزری ہیں۔ یہ مثنوی نواب صدر یار جنگ بہادر کے کتب خانے واقع

۱۔ یہ دیوان شائع ہو چکا ہے اور اس کا ایک نسخہ خیبر یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ (مرتب)

۲۔ قاسم نے شاہ عبدالعزیز کی 'اسرار الشہادۃ' کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ اس کا ایک نسخہ مولوی محمد شفیع صاحب مرحوم کے کتب خانے میں تھا۔ (مرتب)

حبیب گنج میں محفوظ ہے اور وہیں راقم کو حکیم صاحب کی اس متبرک تالیف کی زیارت کا موقع پہلی مرتبہ ملا ۔ گزشتہ سطور میں حکیم صاحب کی زندگی پر روشنی ڈالنے والے بعض اشعار اسی مثنوی سے ماخوذ ہیں ۔ یہ مثنوی گویا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃاللہ علیہ کی جناب میں مصنف کی انتہائی عقیدت مندی کی ایک یادگار ہے ۔

لیکن حکیم صاحب کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ جس کی بنا پر انہیں ہمارے ادبیات کی تاریخ میں ایک ممتاز جگہ مل گئی ہے ، آن کی موجودہ تالیف 'مجموعۂ نغز' ہے ۔ اس قابل قدر تالیف کی اہمیت اور اس کا صحیح رتبہ معلوم کرنے کے لیے ہمیں اس شاخ ادب کی آن مصنفات کا ذکر کرنا ہو گا جو اس تذکرے سے پیشتر عالم وجود میں آ چکی ہیں اور جن کے متعلق ہمیں کچھ علم ہے ۔

۱۱۶۵ھ میں 'نکات الشعرا' اور 'تذکرۂ علی حسینی گردیزی'- ۱۱۶۸ھ میں 'مخزن نکات' - ۱۱۷۵ھ میں 'چمنستان شعرا' - ۱۱۸۸ھ و ۱۱۹۲ھ کے مابین میر حسن کا تذکرہ - ۱۱۹۳ھ میں 'تذکرۂ شورش'- ۹۵-۱۱۹۶ھ میں 'گلزار ابراہیم' - ۱۲۰۸ھ میں تذکرۂ مصحفی - 'گلشن ہند' ۱۲۱۵ھ میں اور 'تذکرۂ عشقی' اس سن کے عنقریب بعد مرتب ہو چکے ہیں ۔ 'مجموعۂ نغز' ان تالیفات کے مقابلے میں یقیناً ایک مبسوط اور ضخیم تالیف ہے لیکن دو اور تذکرے ہیں جو ضخامت اور حجم کے اعتبار سے اس پر فضیلت رکھتے ہیں ۔ چونکہ ہمارے تذکرے کا ان کے ساتھ قریبی تعلق بتایا جاتا ہے اس لیے ان کا ذکر کسی قدر تفصیل سے کیا جاتا ہے ۔

ان میں ایک تو 'عیار الشعرا' از خوب چند ذکا ہے جو ۱۲۰۸ھ یا ۱۲۱۳ھ میں شروع ہوا اور مؤلف برابر تیس سال تک اس میں اضافے کرتا رہا ۔ آخری تاریخ ۱۲۴۷ھ بتائی جاتی ہے ۔ اس تصنیف میں پندرہ سو شاعروں کا ذکر ہے اور ایک ہزار صفحات ہیں ۔

دوسرا تذکرہ 'عمدۂ منتخبہ' از اعظم‌الدولہ سرور ۱۲۱۶ھ کی تالیف ہے اور بارہ سو شعرا کے حالات پر مشتمل ہے ۔

اب 'مجموعۂ نغز' کی باری آتی ہے ۔ یہ تالیف چھ سو ترانوے ریختہ‌نگاروں کے حالات اور آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے ۔ ۱۲۲۱ھ اس کی

تاریخ اختتام ہے ، اگرچہ اس تاریخ سے بہت عرصہ پہلے اس کی داغ بیل پڑ چکی ہے ۔

اسپرنگر جس کے سامنے یہ تذکرے موجود ہیں ، کہتا ہے کہ قاسم کا تذکرہ سرور کے تذکرے پر مبنی معلوم ہوتا ہے ۔ ساتھ ہی سرور کی تالیف کو 'عیارالشعرا' کا ایک اصلاح یافتہ مرتّبہ کہتا ہے ۔ مگر خود عیار الشعرا' کی نسبت اس کی رائے بہت بری ہے ۔ کہتا ہے کہ اس میں تکرار کے علاوہ ہر قسم کا رطب و یابس اور غیر تنقیدی مواد جمع کر دیا ہے ، حتیٰ کہ غیر شاعروں کو بھی شاعر لکھ مارا ہے ۔ ہم ان دونوں تذکروں سے ناواقفیت کی بناء پر کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے کہ 'مجموعۂ نغز' پر ان تذکروں کا پرتو کس قدر ہے اور مصنف کی اپنی کوشش کا حصہ کس حد تک ہے ۔ حکیم صاحب ، ذکا اور سرور کے حالات کے ضمن میں ان کے تذکروں کا تو ذکر کرتے ہیں مگر ان سے استفادے کی بابت کچھ نہیں کہتے ۔ البتہ ایک امر سے معلوم ہوتا ہے کہ تذکرۂ ہذا میں خود مصنف کی تحقیقات اور تلاش کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے ۔ اسپرنگر جس کے پاس شفیق اور میر حسن کی مؤلفات کے سوا فہرست بالا کے تمام تذکرے موجود ہیں ، ریختہ گویوں کی جدید فہرست تیار کرتے وقت جس میں التزاماً یہ اصول مد نظر رکھا ہے کہ ہر شاعر کا ذکر اصل ماخذ سے نقل ہو ، نہ اس کے کسی ناقل سے ، 'مجموعۂ نغز' کو تین سو بیس شعرائے اردو کے سلسلے میں استعمال کر رہا ہے ، جس سے صریحاً ظاہر ہے کہ ماخذی اطلاعات کی ایک مقدار اس میں جمع ہے ۔ ادھر دتاسی نے اپنی تاریخ شعرائے اردو میں کثرت کے ساتھ اس سے کام لیا ہے ۔ لیکن اس تالیف کی حقیقی وقعت کا اس وقت اندازہ ہوتا ہے جب مولانا محمد حسین آزاد کی مشہور عالم تصنیف 'آب حیات' کی ورق گردانی کی جاتی ہے ۔ مولانا نے اگرچہ ہر موقع پر اس تالیف سے استفادے کا اظہار نہیں کیا ہے ، تاہم وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ 'آب حیات' کا ایک بڑا حصہ اس تذکرے سے ماخوذ ہے ۔

یہ تذکرہ جیسا کہ اس عہد کی تالیفات کا دستور ہے ، فارسی زبان میں مرقوم ہے جس میں نثر سادہ و عاری کو موقع بہ موقع مرجز و مقفیٰ

کے ساتھ آمیز کر دیا گیا ہے ۔ لیکن یہ بدعت آٹے میں نمک کے برابر ہے ۔ محمد شاہ کے زمانے سے لے کر شاہ عالم ثانی کے اختتام عہد تک کے شعرا کے حالات و کلام پر یہ تصنیف روشنی ڈالتی ہے ۔ مصنف دور سوم و چہارم کے شعرا سے ذاتی واقفیت رکھتا ہے ۔ چالیس سال تک اس نے باغ سخن کی آبیاری کی ہے ، شاعروں اور مشاعروں سے واسطہ رکھا ہے اور شعر و غزل کے چرچوں میں اوقات گزاری کی ہے ، اس لیے اس کو اپنے عہد کے شعرا ، ان کے محاسن و اخلاق ، قابلیت و استعداد اور جوہر کلام کے دیکھنے اور رائے قائم کرنے کا نہایت نادر موقع ملا ہے ۔

اساتذہ کے اسماء کے ساتھ مصنف نے یہ التزام کیا ہے کہ ہر استاد کے تخلص کا ہم قافیہ جملہ اس کے نام سے پہلے لایا ہے اور پھر یہ فقرہ گاہ گاہ بہ ادنیٰ تغیر ہر جگہ اس نام کے ساتھ دہرایا گیا ہے ؛ گویا سرکار قاسمی سے خطابات عطا ہوئے ہیں ۔ شیخ ظہورالدین حاتم کا نام یوں لکھا ہے :

''استاد اکثرے از سخن سنجان عالم شیخ ظہورالدین حاتم ۔''
(صفحہ ۶۸ ، ۱۴ ، ۲۸۷ جلد ۱)

میرزا مظہر کے لیے: ''سخن سنج ہنرگستر ، مرزا جان جان مظہر ۔''
(صفحہ ۱۲۳ ، ۲۰۰ ، ۲۵۳ جلد ۱)

سودا کو : ''سرآمد شعرائے فصاحت آما ، مرزا محمد رفیع سودا ۔''
(صفحہ ۳۰ ، ۵۹ ، ۱۰۶ ، ۳۵۶ ، ۳۵۷ ، جلد ۱)

میر صاحب کو : ''سخن سنج بے نظیر ، محمد تقی میر ۔''
(صفحہ ۱۰۷ ، ۱۹۴ ، ۱۹۵ ، ۳۳۶ ، ۳۶۱ ، ۳۶۶ ، جلد ۱)

میر درد : ''مملکت سخن سازی را یکہ تاز مرد ، خواجہ میر درد'' صفحہ ۲۴ ، ۱۲۶ ، ۱۷۷ ، ۳۶۷ ، جلد ۱ ۔ اور ''سخن سنج روشن ضمیر حضرت خواجہ میر'' صفحہ ۲۷۷ ، ۲۸۶ ، ۲۴۰ ، ۳۳۵ ، جلد ۱ سے بھی خواجہ میر درد مراد ہیں ۔

میر سوز : ''شاعر فصاحت افروز محمد میر سوز ۔''
(صفحہ ۳۳ ، ۸۰ ، ۲۰۳ ، ۲۷۶ ، جلد ۱ ، وغیرہ)

ہدایت : استاد صاحب درایت ہدایت اللہ خاں ہدایت ۔''
(صفحہ ۱۹ ، ۲۳ ، ۸۲ ، جلد ۲ ، وغیرہ)

فراق : ''دوستدار (محب) سراپا وفاق حکیم ثناءاللہ خاں فراق ۔''
(صفحہ ۱۲۶ ، ۲۷۳ ، ۳۵۴ ، ۳۶۶ ، جلد ۱)

مشہور اور پائے کے شعرا کے نمونۂ کلام میں کثرت کے ساتھ اشعار نقل کیے ہیں ۔ ان کے حالات کے سلسلے میں اگرچہ چنداں اہتمام نہیں کیا گیا ہے ، تاہم اور تذکروں کے مقابلے میں ہمارے مؤلف کی مساعی بارور مانی جا سکتی ہیں ۔ شعرا کی تاریخ وفات و حیات اگرچہ درج نہیں ہے ، تاہم ایسے امور موجود ہیں جن سے ان کے زمانوں کے متعلق غلطی کا احتمال باقی نہیں رہتا ۔

تذکرے کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ اگرچہ مشغلۂ شعر کے خلاف تھا اور سیاسیات کے مطلع پر فتنہ و آشوب کی گھنگھور گھٹائیں ہر وقت چھائی ہوئی تھیں ؛ احمد شاہ ابدالی کی آمد اور بعد کے سیاسی واقعات نے مغلیہ سلطنت کے شیرازے کو درہم برہم کر دیا ہے ؛ دہلی ویران ہو رہی ہے اور اس کے فرزند تلاش معاش میں در بدر اور خاک بسر پریشان حال پھرتے ہیں ، لیکن راجا سے پرجا تک جس کو دیکھو ، شوق شعر میں ڈوبا ہوا ہے ۔ ذکور و اناث اور عامی و عالم تک اس کی چیٹک سے خالی نہیں ۔ مسلمان اور ہندو بلکہ فرنگی زادوں تک میں یہ ذوق سرایت کر گیا ہے ۔ سلاطین و عمال ، امراء و علماء ، سپاہ و اہل دیوان کے علاوہ ہر طبقے کے پیشہ وروں پر شاعری کا رنگ چڑھا ہوا ہے ۔ مثلاً منیر صیقل گر ہے ، اگرچہ اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے ۔ محمد امان نثار معمار ہیں ؛ جامع مسجد دہلی انھی کے بزرگوں کی بنائی ہوئی ہے اور یہ خود بھی اسی پیشے سے بسر اوقات کرتے ہیں ۔ یہ وہی نثار ہیں جنھوں نے میر تقی میر کے 'اژدر نامہ' کے جواب میں بدیہہ نظم پڑھ کر اہل مشاعرہ سے خراج تحسین وصول کیا تھا ۔ اسی طرح حسین بخش بخشی پارچہ فروش ہے ۔ مد سنگھ شگفتہ آہن گر ہے ۔ خواجہ پینگا شیدا ، علاقہ بند ہے ۔ میر صادق علی صادق ، فیل بان ہے ۔ شنبھو ناتھ عزیز مہاجن ہے ۔ میر لطیف علی

لطیف جواہرات کا دلال ہے اور مغل علی مغل علاقہ بند و سوداگر ۔ بدر الدین مفتون بزاز اور بکرنگ سنار ہے ۔ محمد ہاشم شائق خیاط ہے ، اس کے ساتھ مرثیہ خوانی کی خدمت کو بھی ضم کر لیا ہے اور کافی شہرت رکھتا ہے ۔ محمد عارف رفوگر ہے ۔ عنایت اللہ عرف کلو حجام[۱] ہے اور حضرت مولانا محمد فخرالدین کی سر تراشی کرتا ہے ۔ شعر میں میاں کلو کو مرزا سودا کے تلمذ پر فخر ہے ۔ مذاق سخن اس قدر بلند ہے کہ سودا کے سوا کسی کو شاعر بھی تسلیم نہیں کرتے ۔ غلام ناصر جراح ہے ۔ مقصود ایک سقہ ہے جو فن شعر میں بازار کے لونڈوں کا اُستاد ہے ۔ قرین ایک خاکروب ہے ، اگرچہ تکملہ میں درج کرتے وقت مصنف نے اس کے اصل پیشے کا ذکر ترک کر دیا ہے ۔

اسی طرح ہر وضع و قماش کے شعر گو موجود ہیں ۔ ثقہ و سنجیدہ نگار سے لے کر رند و اوباش ، ہزال و ہواج اور فحش گو تک اپنی اپنی بولی بول رہے ہیں ۔ مثلاً جعفر زٹلی ، اٹل (میر عبدالجلیل بلگرامی) محمد عطا بانکہ ، صاحبقران شہوت وغیرہ ۔ مؤخرالذکر کو شاہ عالم ثانی نے ”مسخرۃ الدولہ قرمساق خان بہادر بھکوڑ جنگ“ کا مناسب خطاب عنایت کیا تھا ۔ بعض نے عجیب عجیب تخلص اختیار کیے ہیں ؛ کوئی اوباش ہے ، کوئی عیاش ؛ ایک عشاق ہے اور ایک کافر ہے ۔ یہ بزرگ اپنے اشعار کو کافر کش کے خطاب سے یاد کرتے ہیں ۔ پنچھا ، جھینا ، مکھو وغیرہ بھی اسی قسم کے نام ہیں ۔

۱۔ حجام اکثر و بیشتر مزاحیہ رنگ میں کہتا ہے ۔ مثلاً :

سر میاں حجام بہتوں کا بھریں نہے مونڈتے
آج اُس کوچے میں ان کی بھی حجامت ہوگئی

لیکن اس کے ہاں سنجیدہ شاعری بھی موجود ہے ۔ یہ شعر اسی کا ہے :

ہے دل میں تمنا کہ ان آنکھوں سے یہ پوچھوں
جیتے ہیں نہیں کس واسطے بیمار تمہارے

ولہ : دیکھ عاشق کی ترے رسوائیاں
عشق کی یاروں نے قسمیں کھائیاں (مرتب)

احمد نگر ، فرخ آباد ، رامپور ، لکھنؤ ، عظیم آباد ، مرشد آباد اور حیدر آباد وغیرہ شاعری کے مرکز ہیں ، لیکن سب سے زیادہ طاقت ور مرکز دہلی ہے ۔ مشاعرے کثرت سے ہوتے ہیں اور ہر فرقہ و خیال کے لوگ اس میں حصہ لیتے ہیں ۔ مثلاً نواب محمد یار خان بہادر فرزند علی محمد خان کے ہاں مجلس مشاعرہ منعقد ہوتی تھی ۔ نواب امین الدولہ معین الملک ناصر جنگ بہادر عرف مرزا میڈھو صاحب فرزند نواب وزیر الممالک شجاع الدولہ بہادر کے ہاں بھی بزم مشاعرہ قائم تھی ، جس میں اس عہد کے مشاہیر شعرا شریک ہوتے تھے ۔ رمضان کے دنوں میں اس نواب کے مشاعروں میں مسلمان شاعروں کے لیے جہاں امیرانہ کھانے مہیا ہوتے تھے ، وہاں ہندو شاعروں کے لیے بھی اعالی قسم کی مٹھائیاں پیش کی جاتی تھیں ۔ مرزا سلیمان شکوہ بہادر کے دولت خانے (لکھنؤ) پر مدت تک مشاعرے ہوتے رہے ہیں ۔ متعدد مشہور شعرا اس شہزادے کی سلک ملازمت میں منسلک تھے ۔ مثلاً انشا ، جرأت ، مصحفی ، رنگین اور محب ۔

مرزا اسد بیگ رفیق شاگرد حکیم ثناء اللہ خان فراق اور میر سجاد اکبر آبادی کے مکان (دہلی) پر بھی مشاعرہ ہوتا تھا ۔

مرزا محمد تقی ترقی کے مکان پر فیض آباد میں اور مرزا رضا قلی بیگ آشفتہ کے ہاں لکھنؤ میں مجلس مشاعرہ رہا کرتی تھی ۔

مہدی علی خان عاشق کے ہاں بلا ناغہ جمعہ کے روز مشاعرہ ہوتا تھا ، یہاں تک کہ بقول مؤلف صبح کو اپنے فرزند کی 'فاتحۂ سیوم' پڑھی اور ظہر کو حسب معمول مشاعرہ کیا گیا ۔

اسی طرح ہندو شعرا میں مرزا راجا شنکر ناتھ حیا کے ہاں مشاعرہ ہوا کرتا تھا ۔

والا جناب بہادر بیگ خان غالب تخلص کے ہاں بھی بزم مراختہ ایک عرصے تک ہوتی رہی ہے ۔ حاضرین کے لیے ہر قسم کے کھانوں ، شربتوں اور مٹھائیوں کا انتظام کیا جاتا تھا ۔

حمیدالرحمٰن عرف میاں جان انیس ، عظیم الدین خان عرف بھورے خان آشفتہ ، میر سجاد سجاد ، میر مہدی شرف ، مولوی قدرت اللہ قدرت ، اور غلام ہمدانی مصحفی کے ہاں بھی مشاعرے انعقاد پاتے رہے ہیں ۔

حکیم صاحب دشت سخن کے پرانے سیاح ہیں - ان کی تمام عمر شعر اور شاعروں کی صحبتوں میں گزری ہے ، اس لیے ان کی رائیں شعراء کے کلام اور مقام کے متعلق قابل احترام ہیں - باوجودیکہ اس تذکرے میں سینکڑوں شعرا کا ذکر ہے ، ان میں ایسے بھی ہوں گے جن کے ساتھ بمقتضاے بشریت معاصرانہ چشمک ، اختلاف و عداوت بھی ہوگی ؛ لیکن ہر ایک کے ذکر میں واقعہ نگاری کے فرائض کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے اور حق گوئی اور انصاف پسندی سے تجاوز نہیں کیا ہے - تقریباً ہر شخص کو نیکی کے ساتھ یاد کیا ہے - یہ امر ان کی نیک دلی اور سلیم الطبعی کی روشن دلیل ہے -

کہیں کہیں البتہ تنقیدی نقطۂ نظر کا آزادی سے استعمال کیا ہے لیکن ایسا کرتے ہوئے اظہار رائے کا اختصار مد نظر رکھا گیا ہے - ہم یہاں چند مثالیں پیش کرتے ہیں :

جرأت کے تذکرے میں میر و جرأت کا مشہور واقعہ درج کرتے ہوئے میر کے غرور کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے : ''و ایں الفاظ بلندی بر زبان نخوت توامان وے گذشت........''

میر محب علی عالی کی بد دماغی کے لیے لکھا ہے :

''مرزا محمد رفیع سودا و.........محمد تقی میر را موزون الطبع
می گفت و شاعر نمی دانست تا بدیگران خود چہ رسد
ہر کس بخیال خویش خبطے دارد''

آگے چل کر اس کے ایک شعر پر اعتراض کرکے طنزیہ فرماتے ہیں کہ :

''زہے شعور دشمنی کہ شاعری این و دعویٔ آن........''

میر حیدر علی شاہجہان آبادی شاگرد سرب سکھ دیوانہ کے لیے کہتے ہیں :

''خوش می گوید ، اما دعویٔ شاعری خیلے در دماغش جا گردیدہ -''

سعادت یار خاں رنگین کی نثری تالیف 'مجالس رنگین' کے تذکرے میں لکھا ہے :

''ہر اکثرے از اہل سخن تا بہ شیخ شیراز.........بزعم خود در آن دخل ہر بجا کردہ.........با ایں ہمہ غیر ازیں کہ مناسبتے بہ ریختہ دارد بسیار کم پایہ و سپاہانہ خواندہ است.........''

مرزا عظیم بیگ عظیم کے بارے میں رائے ظاہر کی ہے :

''شاعرے بود بسیار خوب ، اما نہایت برخود غلط.........''

انشاءاللہ خاں انشا کے ساتھ اگرچہ ان کے جھگڑے رہے ، شعروں میں نوک جھونک ہوتی رہی ، فخریے اور ہجویں لکھی گئیں ، آخر معاملہ تیغ زبان سے گزر کر زبان شمشیر تک پہنچا ۔ ان امور کے جاننے کے بعد خیال گزرتا ہے کہ حکیم صاحب نے اپنی تالیف میں انشا کے بابہ میں آفت توڑی ہوگی ، ان کی سیرت و اخلاق اور زندگی کی تصویر نہایت بھونڈی اور بھیانک آتاری ہوگی لیکن دیکھا جاتا ہے کہ ان کے قلم نے اپنی فرض شناسی سے مطلق تزلزل نہیں کیا بلکہ انشا کی سیرت کے کمزور پہلوؤں کو بھی اچھی طرح سے واضح نہیں کیا ہے ۔ کون نہیں جانتا کہ انشا ٹھٹھول ، شوخ اور ہنگامہ آرا تھے لیکن ان کی ستیزہ کاری کے قصوں کی تحریر کے وقت بھی ہمارے مصنف کا رویہ تعجب کی حد تک اغماض اور چشم پوشی کو کارفرما ہے ۔ انشا اور مصحفی کے معرکے کے سلسلے میں لکھتے ہیں :

''اما ازآنکہ بے عیب ذات خدامت تعالیٰ شانہ اعظم برہانہ ، ماہ تمام باین رفعت نام و نور پاشی داغ سیاہ بر جگر دارد و قاسم نا تمام باین مسکنت مالا کلام و وارستہ معاشی واقعہ نویسی را حیلہ ساختہ بعیب چینی آن بدرمنیر سپہر شرافت می پردازد ، بناہر مقتضای بشری اندکی شوخ طبع و ہنگامہ آرا و خود بین واقع شدہ در بلدۂ لکھنؤ بمشاعرہ مرشد معظم الیہم بہ میاں غلام ہمدانی مصحفی کہ شاعرے است مسکین نہاد بے ہیچ بحدے طرف شدہ کہ کار زار گفتگوئے رکیک کہ شایان شان ہنرمندان نبود وا گذاشتہ بہجو گوئی کشید بلکہ آن چہ زبان زد احاد الناس است و بمجلس عامیان نسزد تا بمحفل بہشت آئین ملوک و سلاطین چہ رسد چہ بر طرازد کہ حیا بہ تحریرش رخصت نمی دہد و قلم حقائق رقم

غرق عرق انفعال می شود - گر از انسان کہ سراپا سہو و نسیان است خطائے رفت رفت - کلام بشر کلام اللہ نیست کہ بے خطا باشد - شعر است :

شعر اگر اعجاز باشد بے بلند و پست نیست
در ید بیضا ہمہ انگشتہا یک دست نیست"

(صفحہ ۸۱ ، جلد ۱)

ان الفاظ پر یہ بیان ختم ہوتا ہے - اب خود ان کے ساتھ جو بیتی ہے اس کی رام کہانی یوں شروع کی ہے :

"اگرچہ کہ گذاری خاصہ بعد صلح شعاری شعار اہل صلاح نیست امّا چون کار بواقعہ نگاری افتاد بر سبیل حکایت ماجرائے کہ بہ مشاعرۂ امین الدولہ معین الملک ناصر جنگ بہادر عرف مرزا میڈو صاحب امیر تخلص بہ حضرت دہلی روداد نہذے ازان شرح دادن مضائقہ ندارد -"

اس تمہید کے بعد اصل سرگذشت بیان کی گئی ہے جس میں انشا کی زیادتیاں بھی درج ہیں - اپنی بے قصوری اور بے بسی کا بھی ذکر ہے مگر اس روداد کے خاتمے پر مصنف کے جذبات کا ترجمان یہ مصرع ہے :

درمیانِ جان و جاناں ماجرائے رفت رفت (صفحہ ۸۲ - ۸۶ ، جلد ۱)

اور اسی مصرع پر یہ قصہ ختم کر دیا جاتا ہے -

شاہ نصیر کی کج خلقی اور رعونت کے حکیم صاحب البتہ شکوہ سنج ہیں اور وجہ بھی معقول ہے - قطع نظر آن دیرینہ مراسم کے جو شاہ صاحب کے والد شاہ غریب اور حکیم صاحب کے درمیان تھے اور شاہ صاحب حکیم صاحب کے سامنے پیدا ہوئے ، ان کی گود میں کھیلے اور بڑے ہوئے ، جوان ہو کر حکیم صاحب کے ساتھ نخوت اور بے اعتنائی سے پیش آئے - لکھتے ہیں :

"با وصفے کہ والد ماجدش بر قاسم ہیچمدان خیلے مہربان و زبدۂ صوفیان زمان حضرت میر جہان بر این سراپا نقصان نہایت عنایت فرما بودند و معہذا جلوہ اش ازکتم غیب بہ منصۂ ظہور بہ حضور

این عین قصور و دیگر امور مستدعیہ مودت و تعیش با سرور کہ ذکر آں ہا با وصف عدم ملایمت باطناب محل می کشد از ہمہ اغماض العین فرمودہ برخلاف چشم داشت پیش می آید۔ ہے ہے غلط کردم و خطا گفتم۔ جائے شکوہ نیست۔ در اظہار اوصاف جبلی و ابراز اخلاق خلقی انسان مجبور و معذور است ع

کل اناء یترشح بمافیہ'' (صفحہ ۲۷۳، جلد ۲)۔

مولانا آزاد نے اس گتھی کو یوں سلجھایا ہے :

''حکیم قدرت اللہ خاں قاسم سے ایک خاص معاملہ یہ درمیان آیا کہ ایک دفعہ مشاعرے میں طرح ہوئی 'یار شتاب اور تلوار شتاب' شاہ نصیر نے جو غزل کہہ کر پڑھی تو اس میں قطعہ تھا کہ :

رخ انور کا ترے وصف لکھا جب ہم نے
انوری نے دیا دیوان الٹ اے یار شتاب
پھر پڑھا ہم نے جو مضمون بیاض گردن
سن اسے ہو گیا چپ قاسم انوار شتاب

حکیم صاحب مرحوم، خاص و عام میں واجب التعظیم تھے۔ اس کے علاوہ فضیلت علمی کے ساتھ فن شعر کے مشاق تھے اور فقط موزونیِ طبع اور زور کلام کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ چوں کہ خود قاسم تخلص کرتے تھے اس لیے قاسم انوار کا لفظ ناگوار ہوا۔ چناں چہ دوسرے مشاعرے کی غزل میں قطعہ لکھا :

واسطے انسان کے انسانیت اول شرط ہے
میر ہو یا میرزا ہو خاں ہو یا نواب ہو
آدمی تو کیا خدا کو بھی نہ ہم سجدہ کریں
گر نہ خم تعظیم کو پہلے سرِ محراب ہو

(آب حیات، صفحہ ۳۰۸-۳۰۷)

لیکن مصنف کے بیان کی روشنی میں یہ توجیہ ناقابل قبول ٹھہرتی ہے :-

شاہ نصیر کے علاوہ حکیم صاحب میر صاحب (میر تقی میر) سے بھی خفا ہیں ۔ خفگی کے اسباب سے ہم تاریکی میں ہیں ۔ الزام وہی ہے جو شاہ نصیر کے خلاف تھا ، یعنی نخوت اور بد دماغی ۔ یہ کمزوری شاعروں میں کم و بیش پائی بھی ضرور جاتی ہے ۔ 'آب حیات' میں میر صاحب کی سیرت کی جو بدنما تصویر آتاری گئی ہے ، اس کے بعض وتگ حکیم صاحب ہی کے تیار کردہ ہیں ۔ ہم ان الزامات کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے ۔ ناظرین ان کے متعلق بعض اشارے عنوان ذیل میں ملاحظہ فرما لیں :

'آب حیات' اور 'مجموعۂ نغز' :

اس سے قبل اشارہ کیا جا چکا ہے کہ حکیم صاحب کا یہ تذکرہ مولانا محمد حسین آزاد کی مشہور تالیف 'آب حیات' کا ایک اہم ماخذ ہے ۔ یہاں اس مسئلے پر کسی قدر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے اور مختصراً اس اطلاع کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جو اس تذکرے سے لی گئی ہے :

ولی اور ناصرعلی کے درمیان شاعرانہ تعلی کا قصہ (صفحہ ۹۳،'آبحیات') شاہ مبارک آبرو کے حالات، اشعار متفرق، مکھن پاکباز کا ذکر (صفحہ ۹۷)، شیخ شرف‌الدین مضمون کا حال اور اشعار (صفحہ ۱۰۲) ، آرزو کا ذکر اور اشعار(صفحہ۱۲۱-۱۲۲) ، آرزو کی بدیہہ شعر خوانی (صفحہ ۱۲۳)، سودا کے شعر کو حدیث قدسی کہنا (صفحہ ۱۲۷) ، محمد شاکر ناجی کے حالات اور نادر شاہ سے جنگ کے متعلق ان کے خمسے کے دو بند اور متفرق اشعار (صفحہ ۱۰۵)، شاہ حاتم کے بیشتر اور اشرف علی خان فغاں و یکرنگ کے کمتر حالات و اشعار (صفحہ ۱۰۷) اسی تذکرے سے منقول ہیں ۔

میرزا جان جاں مظہر کے واقعۂ شہادت کے ذکر میں تو خود 'آبحیات' میں اس تذکرے کا حوالہ دیا گیا ہے ۔ مولانا آزاد فرماتے ہیں :

''لیکن حکیم قدرت‌اللہ خاں قاسم اپنے تذکرے میں فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب اپنے کلام میں اکثر اشعار حضرت علی کی مدح میں کہا کرتے تھے ۔ اس پر بگڑ کر کسی سنی نے یہ حرکت کی'' ۔ حاشیے میں اضافہ کیا ہے : ''عجب مشکل ہے ، حکیم صاحب بھی ایک خوش اعتقاد

سنت جاعت تھے ۔ وہ کہتے ہیں کہ سنی نے مارا ۔ لوگ کہتے ہیں شیعہ نے مارا ۔" (صفحہ ۱۴۴)

لیکن حکیم صاحب کا منشا بالکل برعکس ہے ۔ ان کی عبارت ہے :

"ازانجا کہ مشرب صافی و مذہب اہل حق ، حق بوے ارزانی داشتہ بود ، ظالمے ناحق شناس در ایام متبرکۂ عاشور بہ تعصب مذہب بے بہ حقیقت کار نا بردہ کہ وے غریق حب جناب ولایت مآب و حریق عشق حضرت امامت انتساب مرتضوی بود ، سلام اللہ علیہ و کرم اللہ وجہہ ، چنانچہ بعض اشعار آبدارش ، خاصہ این بیت :

تکرد مظہر ما طاعتے و رفت بخاک
نجات خود بتولاے بوتراب گذاشت

بر بے گناہیش گواہی دہد ۔ بے گناہ شہید ساختہ بحضور سراپا سرور شہدای کربلاے معلی علیہم السلام و الرضوان رسانید ۔"
(صفحہ ۱۹۹ ، جلد ۲)

سودا کے بیان میں میر و میرزا کی افضلیت کے سلسلے میں "مجموعۂ نغز" کی اصل عبارت بھی منقول ہے ۔ چنانچہ :

حکیم قدرت اللہ خاں قاسم بھی اپنے تذکرے میں فرماتے ہیں :

"زعم بعضے آنکہ سرآمد شعراے فصاحت آما مرزا محمد رفیع سودا در غزل گوئی بوے ترسیدہ ۔ اما حق آنست کہ : ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

مرزا دریائیست بیکراں و میر نہریست عظیم الشان ۔ در معلومات قواعد میر را بر مرزا برتریست و در قوت شاعری مرزا را بر میر سروری ۔" (صفحہ ۱۶۳ ، جلد ۱)

سودا کا لطیفہ قائم علی امیدوار کے ساتھ (صفحہ ۱۷۰) ، بقاللہ خاں بقا کے حالات (صفحہ ۱۵۳ ، حاشیہ) اور اشعار میر صاحب کی ہجر میں (صفحہ ۲۲۲) پیر خاں کمترین کا حال (حاشیہ صفحہ ۲۱۱ و صفحہ ۲۱۲) اسی ماخذ سے ہیں ۔

میر تقی میر کے متعلق ہمارے ہاں عام جذبات یہ ہیں کہ مولانا آزاد نے میر صاحب کی بد دماغی اور تنک مزاجی کے افسانے کو غیر ضروری فروغ دیا ہے ، جس کی اصل غالباً کچھ بھی نہیں ۔ مصنف 'گل رعنا' کا بیان ہے :

''آزاد کہتے ہیں کہ 'افسوس یہ ہے کہ ان کو (میر صاحب کو) اوروں کے کمال بھی دکھائی نہ دیتے تھے اور یہ میر سے شخص کے دامن پر بدنما دھبا ہے ۔' ایک جگہ اور کہتے ہیں کہ 'خواجہ حافظ اور شیخ سعدی کی غزل پڑھی جائے تو وہ سر ہلانا گناہ سمجھتے تھے ، کسی اور کی کیا حقیقت ہے'۔ مگر جب اس کی جانچ ہم ان کی کتاب 'نکات الشعراء' سے کرتے ہیں تو حیرت کی کچھ انتہا نہیں رہتی کہ یہ بیان کس قدر واقعے کے خلاف ہے ۔''
('گل رعنا' ، صفحہ ۱۵٦)

مولانا آزاد کی اصل عبارت یہ ہے :

''سب تذکرے نالاں ہیں کہ اگر یہ غرور اور بے دماغی فقط امراء کے ساتھ ہوتی تو معیوب نہ تھی ۔ افسوس یہ ہے کہ اوروں کے کمال بھی انھیں دکھائی نہ دیتے تھے اور یہ امر اسے شخص کے دامن پر نہایت بدنما دھبا ہے ، جو کمال کے ساتھ صلاحیت اور نیکوکاری کا خلعت پہنے ہو ۔ بزرگوں کی تحریری روایتیں اور تقریری حکایتیں ثابت کرتی ہیں کہ خواجہ حافظ شیرازی اور شیخ سعدی کی غزل پڑھی جائے تو وہ سر ہلانا گناہ سمجھتے تھے ، کسی اور کی کیا حقیقت ہے ۔'' ('آبحیات' ۲۱٦-۲۱۷)

اس موقع پر مولانا آزاد نے تخیل سے کام نہیں لیا ہے ۔ ان کی عبارت کا اصل ماخذ حکیم صاحب کا یہ فقرہ ہے :

''از نخوت و خود سریش چہ برنگارم کہ سینۂ قلم حقائق رقم می فگارد ۔ بر شعر کسے گر ہمہ اعجاز باشد و کلام شیخ شیراز ، سر ہم نمی جنباند ، تا بہ تحسین خود چہ رسد و بہ سخن احدے اگرچہ معجز طرازی بود و گفتۂ اہلی شیرازی گوش ہم فرا نمی داود امکان چیست کہ حرف آفرین برزبانش رود ۔'' (صفحہ ۲۳۰ ، جلد ۲)

ولی کے متعلق آزاد کا یہ بیان بے اصل مانا گیا ہے : ”ولی کہ بنی نوع شعرا کا آدم ہے ، اس کے حق میں فرماتے ہیں : ”ولی شاعریست از شیطان مشہور تر“ میر خان کمترین اسی زمانے میں ایک قدیمی شاعر دلی کے تھے۔ انھیں اس فقرے پر بڑا غصہ آیا ۔ ایک نظم میں اول بہت کچھ کہا ، آخر میں آ کر کہتے ہیں : ع

ولی پر جو سخن لائے اسے شیطان کہتے ہیں“ (صفحہ ۱۱-۲۱۲)

’نکات الشعرا‘ چھپ گیا ہے ۔ بے شک اس میں شیطان والا فقرہ موجود نہیں ہے لیکن آزاد کا بیان حکیم صاحب کے ان بیانات پر مبنی ہے :

”در تذکرۂ خود ہمہ کس را بہ بدی یاد کردہ در حق شاعر شان جلی المتخلص بہ ولی نوشتہ کہ وے شاعرے است از شیطان مشہور تر و سزاے ایں کردار نا ہنجار از کمترین شاعر بواجبی یافتہ کہ وے ہجوہا۔ متعددۂ او کردہ کہ بعضے ازاں بغایت رکیک و بردہ در افتادہ ۔“ (صفحہ ۲۳۰ ، جلد ۲)

”بنا بر نوشتن میر در تذکرۂ خود شاعر شان جلی المتخلص بہ ولی را کہ وے شاعریست از شیطان مشہور تر ہجو ہائے رکیکہ بواجبی نمود ۔“ (صفحہ ۱۶۳ ، جلد ۲)

”حقش بر جملہ سخن پردازان ہندی زبان ثابت است و سخن بر سخنش ابلیس منشی و شیطنت ۔ میر خان کمترین[1] کہ خداش

---

۱ - کمترین کے نام کے متعلق تذکروں میں اختلافات ہے ۔ اکثر تذکرہ نگار مثلاً میر فتح علی حسینی گردیزی ’تذکرۂ ریختہ گویاں‘ میں ، لچھمی نرائن شفیق ’چمنستان شعرا‘ میں ، میر حسن ’تذکرۂ شعراے اردو‘ میں اور میرزا علی لطف ’تذکرۂ گلشن ہند‘ میں صرف تخلص ہی پر اکتفا کرتے ہیں ۔ مولانا آزاد ’آب حیات‘ میں میر خاں کمترین بیان کرتے ہیں - ’مجموعۂ نغز‘ میں ایک جگہ (ذکر کمترین صفحہ ۱۴۳ ، جلد ۲) پیر خاں اور دوسری جگہ (ذکر ولی صفحہ ۲۹۷ ، جلد ۲) میر خاں درج ہے ۔ ’عمدۂ منتخبہ‘ میں اعظم الدولہ سرور نے امیر خاں لکھا ہے ۔ (مرتب)

بیامرزد بسیار بموقع و بجا گفتہ کہ: ع
ولی ہو جو سخن لاوے آسے شیطان کہتے ہیں''
(صفحہ ۲۹۷ ، جلد ۲)

محمد امان نثار کے حالات ''اژدر نامہ'' کا ذکر اور نثار کی ہجو نگاری (صفحہ ۲۱۸) اسی تذکرے سے منقول ہے اور جرأت کے حال میں ایک حوالہ بھی ملتا ہے ۔ چنانچہ :

''حکیم قدرت اللہ خاں قاسم فرماتے ہیں کہ ان کے بزرگ دربار شاہی میں دربانی کی خدمت رکھتے تھے (صفحہ ۲۳۶)۔ جرأت کے بعض ابتدائی حالات (صفحہ ۲۳۷) ۔ مرزا محمد تقی خاں ترقی کے مشاعرے میں جرأت کا دھوم دھامی غزل پڑھنا اور میر صاحب سے داد طلب کرنا ، ان کا ٹال ٹال جانا اور بعد میں جھنجلا کر یہ کہنا 'کیفیت اس کی یہ ہے کہ تم شعر تو کہہ نہیں جانتے ہو اپنی چوما چاٹی کہہ لیا کرو (صفحہ ۲۳۱) اسی تالیف کا فیضان ہے ۔ البتہ ایک فرق ہے کہ 'مجموعۂ نغز' میں 'چوما چاٹی' کی جگہ 'چوما چاٹا' لکھا گیا ہے ۔'' (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۵۵ جلد ۱)

میر حسن کے حالات (صفحہ ۲۵۳) ، میر ماشاءاللہ خاں کے پورے حالات (صفحہ ۲۵۹) ، انشا اور عظیم بیگ کا معرکہ (صفحہ ۲۶۱ - ۲۶۵) اور نواب امین الدولہ یمین الملک ناصر جنگ عرف مرزا مینڈھو کے ذکر کے لیے بھی یہی تذکرہ سند مانا جا سکتا ہے ۔ اس کے علاوہ اور بھی موقعے ہیں جہاں 'آب حیات' میں اس تالیف کا پرتو نمایاں ہے ۔

تنقید بر آبحیات

[’آب حیات‘ پر تنقید کی ابتدا حافظ صاحب نے آغا محمد باقر صاحب نبیرۂ آزاد کی درخواست پر کی تھی ۔ وہ لکھتے ہیں :
”میں نے آغا صاحب کی تحریک سے ’آب حیات‘ پر اورینٹل کالج میگزین میں تنقید کا سلسلہ شروع کیا تھا ۔ آغا صاحب نے اس کو پڑھ کر نا خوشی کا اظہار کیا ۔ میں نے وہ سلسلہ جاری نہ رکھا ۔“

یہ نا مکمل تنقید تین قسطوں میں اورینٹل کالج میگزین کے اگست ۱۹۳۱ع، نومبر ۱۹۳۱ع اور فروری ۱۹۳۲ع کے شماروں میں شائع ہوئی ۔ افسوس کہ یہ خالص علمی کام پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا ۔ (مرتب)]

اردو نثر میں دو کتابیں ایسی ہیں کہ جب تک اردو زبان قائم ہے، ان کو حیات جاوید حاصل رہے گی ۔ ان میں سے پہلی گزشتہ صدی کی ابتدا میں اور دوسری اس کے خاتمے میں تالیف ہوئی ہے ۔ پہلی کا نام ’باغ و بہار‘ ہے جو میر امن کی تصنیف ہے ۔ دوسری کا نام ’آب حیات‘ ہے جو شمس‌العلماء مولانا محمد حسین آزاد کی یادگار ہے ۔ ’باغ و بہار‘ میں زبان اور محاورے کا لطف ہے، ’آب حیات‘ ان خوبیوں کے علاوہ طرز ادا میں بانکپن، سلاست کے ساتھ رنگینی، بیان کی شیرینی، ترکیب و بندش کی خوشنمائی، زبان کے لطف اور نزاکت مضمون کی خصوصیات سے ممتاز ہے ۔ مولانا آزاد صاحب طرز ہیں ۔ ان کی طرز نہ ان سے پہلے وجود میں آئی اور نہ ان کے بعد کوئی اس کی تقلید کر سکا ۔ فارسی میں ابوالفضل اور ظہوری کے مقلد پیدا ہو گئے مگر آزاد کا ابھی تک کوئی مقلد پیدا نہیں ہوا ۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا آزاد اپنے انداز کے آپ ہی موجد تھے اور آپ ہی خاتم تھے ۔ ان کی سادہ زبان ہلکی رنگینی کے ساتھ

ترکیب پا کر اس بلا کی دلکش اور دلربا بن گئی ہے کہ اس کے فقرے فقرے پر سحر و طلسم کا دھوکا ہوتا ہے۔ توصیفی اور تشبیہی ترکیبوں سے جو حشو کے طور پر جملوں میں اضافہ کر دی جاتی ہیں، ادنیٰ سا فقرہ حسن و لطافت کی تصویر بن جاتا ہے۔ اس کتاب کے دیباچے کا ابتدائی فقرہ ہے:

''آزاد ہندی نہاد کے بزرگ فارسی کو اپنی تیغ زبان کا جوہر جانتے تھے۔''

اس فقرے کے تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندی نہاد ترکیب صفتی ہے۔ زبان کو تیغ کے ساتھ تشبیہ دے کر تیغ کا لازمہ جوہر لایا گیا ہے۔ ان زوائد کو نکال دینے سے اصل جملہ یہ رہ جاتا ہے:

''آزاد کے بزرگ فارسی کو اپنی زبان جانتے تھے۔'' اس حالت میں یہ جملہ بالکل روکھا پھیکا معلوم ہوتا ہے مگر صرف چند زوائد کے لانے سے جنھیں نفس مضمون سے کوئی تعلق نہیں، سارا جملہ چمک اٹھا ہے۔ اسی جملے سے ایک سطر بعد یہ فقرہ آتا ہے: ''اس ملک کی زبان ترقی کے قدم آگے بڑھا رہی ہے'' جس میں اصل جملہ یوں ہوگا: ''اس ملک کی زبان ترقی کر رہی ہے'' مگر ''ترقی کے قدم آگے بڑھا رہی ہے'' کے اضافہ کرنے سے جو حشو تقریباً ملک میں زبان زد عام ہو گیا ہے، اصل جملہ بے حد دلکش بن گیا ہے۔ اس قسم کی ایک عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے جس کی لطافت ادا اور حسن بیان تماماً اسی قسم کے حشویہ الفاظ اور فقرات کی مرہون منت ہے:

''کچھ ٹوٹا پھوٹا پتہ ملتا ہے تو زرتشت کے وقت سے ملتا ہے جسے آج تخمیناً ۳۲ سو برس ہوئے۔ اس نورانی موحد نے شعلۂ آتش کے پردے میں توحید کے مسئلے کو رواج دیا۔ مذہب مذکور نے سلطنت کے بازوؤں سے زور پکڑا اور ایران سے نکل کر دو سو برس کے قریب اطراف و جوانب کو دباتا رہا، یہاں تک کہ یونان سے سکندر طوفان کی طرح آٹھا اور ایشیا کے امن و امان کو تہ و بالا کر دیا۔ جو مصیبت بدھ کے ہاتھ سے بید شاستر پر پڑی

تھی ، وہاں وہی مصیبت ژند استا پر آئی - چنانچہ جس آگ نے زرتشت اور جاماسپ کے متبرک ہاتھوں سے آتش خانوں کو روشن کیا تھا ، جس کے آگے گشتاسپ نے تاج آتار کر رکھا ، جس کی درگاہ میں اسفندیار نے گرز اور تلوار چڑھائی ، وہ یونان کے آب شمشیر سے بجھائی گئی اور آتش خانے راکھ ہو کر اڑ گئے - افسوس یہ ہے کہ ژند و پاژند کے ورق ورق برباد کیے گئے......
وہ ایران جسے ہزاروں برس سے ملک گیری کے نشان سلامی آتارتے تھے اور تہذیب و شائستگی اس کے دربار میں سر جھکاتے تھے ، ۵۰۰ برس تک ظفریابوں کے قبضے میں رہا اور ژند کی کتب مقدسہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر فنا کی گئیں - ۲۰۰ع میں پھر تن بے جان میں سانس آیا اور ساسانیوں کی تلواروں میں قدیمی اقبال نے چمک دکھائی - ان بادشاہوں نے ملک و ملت کی قدامت کے ساتھ بجھے ہوئے مذہب کو بھی روشن کیا - گرے ہوئے آتش خانوں کو پھر آٹھایا اور جہاں جہاں سے پھٹے پرانے اوراق پریشاں ہاتھ آئے بہم پہنچائے - انھی کی کوششوں کی کمائی تھی جو پھر ساڑھے چارسو برس بعد علم اسلام کے آگے قربانی ہوئی -" (صفحہ ۱۱-۱۲)

'آب حیات' کے واسطے ذخیرہ فراہم کرنے کے لیے بڑی تلاش و کاوش اور تحقیق و تفحص کرنی پڑی ہے - کتب تاریخ و تذکرۂ شعرا اور دیگر تالیفات سے قطع نظر اطراف ہند میں انھی فضلاے وقت و اصحاب فن اور با کمال ذوق سخن رکھنے والوں کی خدمت میں التجا نامے لکھنے پڑے - شعرا کے حالات کی بابت سوالات کیے ، خوشامدیں کیں ، یاد دہانیاں کرائیں ، برسوں خون جگر کھایا ہے اور محنت کا بسینہ پرکایا ، تب کہیں آبحیات کی ہفت خواں طے ہوئی ہے - یہ تالیف کم از کم سات سال کی کمائی ہے - جن لوگوں نے امداد کا ہاتھ دراز کیا ہے ان میں سے یہ لوگ قابل ذکر ہیں : میر مہدی حسن فراغ ، جناب رغمی، سید احمد، میر علی حسن رشک، مولوی شریف حسین خان، آغا کلب عابد خاں، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، نواب ضیاالدین خان اور نواب علاؤالدین خان والیٔ لوہارو - ان میں سے اکثر کا ذکر خود مولانا

نے 'آبحیات' میں کر دیا ہے ۔ یہاں میں دو خطوں کا ذکر مناسب سمجھتا ہوں جو مولانا کو ان کے استفسارات کے جواب میں وصول ہوئے ہیں۔ ان میں پہلا خط تو نواب علاءالدین خان مذکور الصدر کا ہے جو مولانا کے سوالات کا جواب دے کر ان کو دو چار روز کے لیے لوہارو آنے کی دعوت دیتے ہیں ۔ یہ خط ۲۸ جون ۷۶ع کا لکھا ہوا ہے۔ فرماتے ہیں :

''مکرما ! میں احباب کی خدمت گزاری کو عموماً حاضر ہوں اور آپ کی اس مہجور پرسی کا شاکر ۔ جب کسی وقت کوئی کام ہو تو آپ ارقام فرمائیں ۔ اس کا سر انجام میرے لیے سرمایۂ مسرت ہے ۔ مگر اس معاملۂ خاص میں باہمہ بے بضاعتی میں بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں اور یہ امر بے تلاقی ممکن نہیں ۔ اگر آپ تصنیف کی تکمیل چاہتے ہیں تو دو چار روز کے لیے مع اس تالیف شریف کے یہاں تک رنجہ فرمائیں ۔ یہ امر نہ دشوار اور نہ آپ کو اس میں شاید جائے انکار ہو - ریواڑی سے لوہارو تک میرے ہاں کی سواریاں حاضر ہو سکتی ہیں اور لاہور سے ریواڑی تک ریل کی سبیل ہے ۔''

نواب ممدوح اسی خط کی ابتدائی سطور میں منکسرانہ انداز میں لکھتے ہیں :

''اگرچہ میں سرمایۂ علمی بہت کم رکھتا ہوں ، الاّ ایسے امور کا نہایت شایق ہوں اور افسوس ہے کہ وقت لکھنے اس تذکرے کے میں آپ سے دور تھا ، ورنہ آپ کو تاریخی حالات شعرا کی نسبت سوانح حالات مرزا اسد اللہ خاں غالب کے زیادہ تر امداد دی جاتی کیوں کہ میں نے اپنے والد سے بہت کچھ سنا ہے - میں ایک خاکستر ہوں اُس خرمن سوختہ کا کہ جس کو آتش غدر ۵۷ع نے جلا دیا ۔''

دوسرا غازی پور زمینہ (زمانیہ) کے رئیس مولوی محمد عظیم اللہ المتخلص بہ رغمی کا ایک خط ہے ، جو شیخ عبد اللہ امام بخش ناسخ کے حالات کا حامل ہے اور غالباً جون ۱۸۸۲ع کی آخری تاریخوں میں مرقوم ہوا ہوگا ۔ رغمی فرماتے ہیں :

''عنایت نامۂ والا رقم زدۂ ۲۰ جون ۱۸۸۲ع ورود یافتہ ممتازم ساخت ۔ ہر چند مکتوب سوم سلسلہ وار ارسال خدمت ساختم ، غالباً رسیدہ بملاحظۂ عالی گذشتہ باشد ۔ وقتاً موقتاً ہر آنچہ حالات استادی شیخ عبد اللہ امام بخش ناسخ صاحب معلوم فقیر است و یاد می آید ہمہ رطب و یابس نگاشتہ بخدمت فیض درجت ابلاغ می نمایم ۔ پس خذ ما صفا دع ما کدر ۔ ہرچہ در مزاج مقدس آید درج تذکرہ خواہند فرمود ، ضرور نیست کہ جملہ داخل تذکرہ شود ۔''

'آبحیات' ۱۸۸۰ع میں پہلی مرتبہ شائع ہوکر ملک سے خراج تحسین وصول کرتی ہے ۔ اس کی آمد سے ایک دھوم مچ گئی ہوگی ۔ قدردانوں نے اشتیاق کے ہاتھوں سے لیا ہوگا اور شوق کی آنکھوں سے پڑھا ہوگا ۔ آردو کیا فارسی میں بھی اس انداز اور پائے کی کوئی کتاب موجود نہیں تھی جس میں آردو اور فارسی دونوں کا مزا موجود ہو ۔ اس کی سادہ نثر ، چھوٹے چھوٹے فقرے ، ہلکی رنگ آمیزی ، عبارت کا بانکپن ، بیان کی شوخی ، لطیفوں اور چٹکلوں کی بہتات ، تاریخ میں افسانے کا ڈھنگ اور نثر میں نظم کا لطف ایسی خصوصیات تھیں جن سے دنیا اس کی گرویدہ ہو گئی ۔ افسوس ہے کہ اس جوشیلی پذیرائی کا جو ملک نے اس تالیف کو دی ہوگی ، ہمارے پاس کوئی تفصیلی بیان موجود نہیں ۔ سرکاری رپورٹ کا خشک اعلان ان الفاظ میں ہے :

''۹۲۲ ۔ وقایع عمری ۔ اس صیغے کی سات کتابوں میں سے پانچ کتابیں تو تصنیف ابتدائی تھیں اور دو کتابیں جو دوبارہ چھپیں ، تصنیف ابتدائی میں سب سے مقدم کتاب موصوف بہ آبحیات جو مولوی محمد حسین پروفیسر عربی کالج (کذا) لاہور کی تصنیف ہے جس میں تمام مشہور آردو شاعروں کی وقایع عمری درج ہے ۔'' (صفحہ ۳۶۹ رپورٹ مجموعی انتظام ممالک پنجاب وغیرہ بابت ۱۸۸۰-۸۱ع مطبع آفتاب پنجاب ، لاہور ۔)

شکر ہے کہ سرکاری رپورٹ نے 'آب حیات' کو مقدم کتاب تو مان لیا ۔

میرا خیال ہے کہ یہ جلیل القدر تصنیف ۱۸۸۰ع کے آخری مہینوں میں اشاعت پاتی ہے[۱]۔ ۲۱ فروری ۱۸۸۱ع کو اندور سے ایک صاحب دھرم نارائن نامی جو مولانا کے بے تکلف دوست معلوم ہوتے ہیں ، 'آبحیات' نہ بھیجنے کی شکایت اس رقعے میں لکھتے ہیں :

"مولوی صاحب مکرم سلامت نیاز ! آپ اپنے تئیں بھلے ہی آزاد کہیے مگر ہم آپ کا پیچھا کہاں چھوڑتے ہیں ۔ منشی دین دیال صاحب 'آب حیات' سے زندگی جاوید حاصل کریں اور راقم اس نعمت سے محروم رہے ۔ یہ کہاں کا انصاف ہے ؟ اگر شوق بڑھانے کے لیے یہ تغافل ہے تو اس ستم شعاری سے باز آئیے اور دل مشتاق کو زیادہ درد انتظار میں مبتلا نہ کیجیے ۔ بندہ ہر دم آپ کی عرائس فکر کا جلوہ انتظار رہتا ہے اور گو کہ صورت میں دور ہے مگر باطن میں دعائے خیر کے ساتھ ہر دم قریب ، زیادہ اور کیا تکلیف دے ۔

دھرم نارائن از اندور

مورخہ ۲۱ ماہ فروری ۱۸۸۱ع"

خط کی طرز تحریر کے بے تکلفانہ انداز سے مفہوم ہوتا ہے کہ دھرم نارائن مولانا کے ہم جماعت ہوں گے ، جب وہ دہلی میں تعلیم پا رہے تھے ۔ یہ دھرم نارائن غالباً پنڈت دھرم نارائن ہیں جو مولانا امام بخش صہبائی شہید کے شاگرد رشید ہیں اور میر منشی ایجنٹی مالوہ ہیں ۔ ۱۸۶۳ع میں وہ اپنے استاد صہبائی کی ایک تالیف 'قول فیصل' جو سراج الدین علی خان آرزو کے رسالۂ 'تنبیہ الغافلین' کا جواب ہے ، مطبع نظامی میں چھپواتے ہیں ۔ پنڈت جی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ صہبائی مع اپنے دونوں فرزندوں کے ۵۷ع میں فوت ہوئے ہیں ۔

۱ ۔ "پروفیسر شیرانی کے اس خیال کی تصدیق حالی کے ایک خط سے بھی ہوتی ہے ۔ حالی نے یہ خط ۱۷ ستمبر ۱۸۸۰ع کو آزاد کے نام لکھا تھا۔ اپنے خط میں حالی نے 'آب حیات' کی چھپائی شروع ہونے پر مسرت کا اظہار کیا ہے اور ریویو لکھنے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔" (محمد حسین آزاد، از ڈاکٹر اسلم فرخی ، جلد دوم ، صفحہ ۶ بحوالۂ مکتوبات آزاد، صفحہ ۱۲۷) مرتب ۔

آفرین ہے پنڈت جی کی استاد پرستی پر کہ سرکاری پولٹیکل خدمت پر سرفراز ہونے کے باوجود غدر سے پانچ سال بعد مرحوم کے فرزندان معنوی کو زندہ جاوید بنانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

خط میں منشی دین دیالؔ کی طرف اشارہ ہے۔ قیاس ہوتا ہے کہ منشی جی بھی مولانا کے ہم جماعت ہیں۔ اس وقت ایجنٹی بھوپال کے میر منشی ہیں اور دھرم ناراین کی طرح صہبائی کے شاگرد۔ موصوف نے ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹ع) میں مولانا صہبائی کا کلیات تین ضخیم جلدوں میں مطبع نظامی سے چھپوایا ہے۔

'آبحیات' کی طبع دوم میں حضرت مصنف کے بعض اشاروں سے واضح ہوتا ہے کہ اس پر تنقید بھی ہوئی ہے۔ میر ضاحک کے متعلق جن کا تذکرہ طبع اول میں درج نہیں ہوا تھا، بر سبیل معذرت فرماتے ہیں:

"بے درد بے انصاف کہ اصول فن سے بے خبر ہیں، کیا جانیں۔ انہیں اپنے مضامین اخباروں میں چمکانے کے لیے روشنائی ہاتھ آئی۔"
(صفحہ ۱۵۸)

مومن خاں کے حالات کی ابتدا میں تحریر ہوا ہے:

"دنیا کے لوگوں نے اپنے اپنے حوصلے کے بموجب جو چاہا سو کہا۔ آزاد نے سب کی عنایتوں کو شکریے کا دامن پھیلا کر لے لیا۔"
(صفحہ ۴۳۴)

ان تنقیدوں میں سے باوجود تلاش مجھے کسی کا سراغ نہیں ملا[1]۔

۱۔ ڈاکٹر صادق اپنے ایک مضمون 'آزاد کی حاتمیں' میں جو 'صحیفہ' بابت دسمبر ۱۹۵۷ع میں شائع ہوا تھا، رقم طراز ہیں:

"صادق الاخبار مورخہ دس مارچ ۱۸۸۱ع میں ایک مضمون مشتمل باحوال مومن شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد چوبیس مارچ کو ایک مختصر سا خط اسی اخبار میں شائع ہوا تھا جس میں مولانا آزاد کو بدین وجہ ہدف ملامت بنایا گیا تھا کہ انھوں نے 'آبحیات' میں مومن کا ذکر نہیں کیا۔ مضمون میں آزاد پر یوں تعریض کی گئی ہے:

"مولوی محمد حسین آزاد نے ایسے جواہر زواہر کو خزف ریزہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴ پر)

البتہ ایک ورق ناہل ذکر ہے جو نواب ضیاء الدین خاں بہادر کی تفصیلی تصحیح کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے جس میں 'آبحیات' کی بعض غلطیاں بقید صفحہ و سطر و غلط و صحیح درج ہیں ۔ جو نسخہ نواب صاحب کے پیش نظر ہے طبع اول ہے و ھو ھذا :

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۰۰	۱۰	سعادت یار خاں رنگین	رنگین سے دوستی تھی، شاگرد نہ تھے بلکہ اکثر اپنی خوشی مرزا غالب کو اپنی غزلیں دکھا لیا کرتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳ سے)
جان کر پھینک دیا اور اپنی کتاب 'آب حیات' میں جو ان کے خیال میں ہوگی دیگر شعرائے قدیم کے ساتھ نہ لکھا ... حضرت آپ افسردہ خاطر نہ ہوں ۔ بھلا اجتماع ضدین کہیں ہو سکتا ہے ۔ مومن تو تام پایا اور مذہب سنی ، معاذ اللہ ایسے کٹل اور ڈبل سنی کو کہ اصحاب ثلاثہ کرام کی تعریف و توصیف میں قصائد لکھے اور وہ ایسے دل سے لکھے کہ مقبول بھی ہو گئے ۔ مولوی آزاد کو کیا پڑی تھی کہ ایسے جنتی مومن کا حال زندگی لکھ کر اور اس کو زمرۂ استادان میں شمار کر کر آپ بھی اسی کے پیرو ہوتے اور اپنی برادری میں خارج کیے جاتے اور اہل تشیع کی نظروں میں سبک بنتے ۔ پس آپ صبر کریں تو تعصب کی شان کو بغور تکتے رہیں ۔ فرمائیے تو سہی جن شعرا کا ذکر کتاب 'آب حیات' میں ہے ان میں سے کسی نے بھی ایک رباعی اصحاب ثلثہ کبار کی شان میں کہی ہے ، گو ان میں سے اکثر اہل سنت ہیں ۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ مومن مرحوم کو عشق مذہب تسنن اس امر کا مقتضی نہ ہوا کہ وہ اس غیر کتاب میں داخل ہوتا ۔ واللہ ہم تو یہ تصرف مومن مرحوم سمجھتے ہیں اور آج سے فرقہ اولیا میں شمار کرنے لگتے ہیں ۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے ...لعنت اللہ علی الکاذبین ۔'' (مرتب)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
ایضاً	برحاشیہ	اور عالم جان سمر قند کے	''قاسم جان اور عالم جان اور عارف جان کے والد خواجہ عبدالرحمان'' (اس سطر کو کسی خیال کی بنا پر قلمزد کردیا ہے)۔
		بدلہ	بدلہ
ایضاً	ایضاً	سلاطین چغتائی	شاہ عالم بادشاہ
ایضاً	ایضاً	انھی کے خاندان میں	عارف‌جان کےچار بیٹے تھے۔
		بدلہ	بدلہ
ایضاً	ایضاً	تین بھائی تھے	چوتھے محمد علی خاں جو کہ جوانی میں لاولد فوت ہوئے تھے۔

''حاشیہ سارا اس طرح لکھنا چاہیے''

''نواب قاسم جان اور عالم جان اور عارف جان بخارا کے معزز اور نامی خاندان سے تھے اور اولاد خواجہ احمد یسوی سے ۔ شاہ عالم بادشاہ کے آخر عہد میں تینوں بھائی دہلی میں امرائے نامی میں داخل ہوئے۔ اول بخطاب خانی اور پھر قاسم جان کو خطاب شرف‌الدولہ سہراب جنگ و منصب ہفت ہزاری اور پرگنات لہوسہ و نوح وغیرہ جاگیر میں عطا ہوئے اور عارف جان کے چار بیٹے تھے: نبی بخش خاں[۱]، نواب احمد بخش خاں مرحوم[۲]، محمد علی خاں[۳] جوان لا ولد فوت ہوئے - نواب الٰہی بخش خاں معروف[۴] اور نواب احمد بخش خاں کے پوتے نواب علاءالدین خاں خلف اکبر نواب امین‌الدین خاں رئیس لوہارو ۔''

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۷۶	۸	ان کی بیوی کے بھتیجے ہوتے	بھانجے یعنی الٰہی بخش مرحوم کے نواسے
۳۷۶	۱۰		عارف جوان مر گئے- ۱۲۶۸ھ میں

			جس سال مومن و تسکین بھی فوت ہوئے۔ مرزا سالک نے ان کی تاریخ کہی ہے : ع ارم میں مومن وتسکین و عارف اور عارف نے دو ننھے ننھے بچے چھوڑے - ۱۲
۴۷۵	۱۴		باقر علی خاں اور حسین علی خاں ان کا نام تھا۔ دونوں شعر لکھتے تھے۔ کامل اور شاداں تخلص تھے۔ ان کے تھوڑے دن بعد دونوں جوان مر گئے ۔
۴۷۶	۹	۱۰ ہزار	۵ ہزار جس میں ۳ ہزار مرزا نوشہ کے معہ برادر و عمہ وغیرہ ۲ خواجہ حاجی کے تھے۔

اس موقع پر پہلا صفحہ ختم ہو جاتا ہے ۔ اب ہم ان تبدیلیوں اور تصریحوں کی تلاش میں 'آب حیات' کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ نسخۂ طبع اول جس پر نواب ضیاالدین خان بہادر کی حاشیہ آرائی بنیاد باقی ہے ، باوجود کمال تلاش و تجسس مجھے دستیاب نہ ہو سکا ۔ میرے زیر نظر طبع دوم ۱۸۸۳ع کا نسخہ ہے جو وکٹوریہ پریس سے باہتمام سید رجب علی شاہ شائع ہوا ۔ [طبع اول ۱.۵۰ - طبع ثانی ۲۱۰۰ قیمت فی جلد ایک روپیہ چار آنے محصول ۳ آنے ۔]

طبع اول میں میر ضاحک اور مومن خاں کے حالات شامل نہ تھے ۔ اس لیے اس کے صفحات کی تعداد کم تھی اور طبع دوم میں بڑھ گئی ۔

صفحہ ۴۳۰ سطر ۱۰ ہمارے ایڈیشن کے صفحہ ۴۵۶ کے برابر ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے سعادت یار خاں رنگین کے متعلق تصحیح قبول نہ کی مگر رنگین کا نام اصل عبارت سے خارج کر دیا ۔

صفحہ ۴۷۶ سطر ۸ ہمارے نسخے میں صفحہ ۵۲۳ سطر آخر کے مطابق ہے ۔ مولانا نے بھتیجے کی جگہ بھانجے والے فقرے کی تصحیح قبول کرکے

سارا فقرہ یوں بنا دیا :

''ان کی بی بی کے بھانجے الٰہی بخش خاں مرحوم کے نواسے زین العابدین تھے - وہ بھی شعر کہا کرتے تھے اور عارف تخلص کرتے تھے - عارف جوان مر گئے -''

لیکن سطر ۱۰ کا اضافہ جو عارف کے سال وفات ۱۲۶۸ھ اور مصرع تاریخ وفات سے متعلق ہے ، نہیں مانا کیوں کہ : ع

ارم میں مومن وتسکین و عارف

سے ۱۳۸۰ اعداد برآمد ہوتے ہیں ، نہ سال مطلوبہ ۱۲۶۸ - فہرست ہندوستانی مخطوطات انڈیا آفس میں دیوان مومن نوشتۂ ۱۲۵۸ھ نمبر ۲۱۳ موجود ہے - اس کے خاتمے میں کسی نے یہی مصرع برائے وفات مومن خاں بدیں اختلاف درج کیا ہے : ع

''ارم میں مومن و تسکین و عازم''

جس کے عدد ۱۱۸۷ بنتے ہیں اور یقیناً غلط ہے -

میرے خیال میں عارف کے سال وفات ۱۲۶۸ھ کے واسطے ہمیں اس مصرع کو یوں پڑھنا چاہیے : ع

ارم میں مومن و توحید و عارف

جس سے سال مطلوبہ درست برآمد ہوتا ہے - قصہ مختصر مولانا نے نواب صاحب کے مصرع کو قبول نہ کرنے میں کافی احتیاط کا ثبوت دیا ہے - مگر سطر ۱۴ کے اضافے کو جو عارف کے دونوں فرزند باقر علی خاں ، حسین علی خاں اور ان کے تخلص 'کامل اور شادان' سے متعلق ہے ، تسلیم نہ کرنا بظاہر غیر موجہ معلوم ہوتا ہے -

صفحہ ۳۶۷ سطر ۹ - اس موقع پر مرزا غالب کے خط سے جو اردوے معلی میں آتا ہے ، ایک اقتباس دیا گیا ہے جس میں یہ فقرہ آتا ہے :

''نو برس کا تھا کہ چچا مرا - اس کی جاگیر کے عوض میں میرے اور میرے شرکاے حقیقی کے واسطے شامل جاگیر نواب احمد بخش خاں ۱۰ ہزار سال مقرر ہوئے - انھوں نے نہ دیے مگر

تین ہزار روپے سال ۔ ان میں سے خاص میری ذات کا حصہ ساڑھے سات سو روپیہ سال فقط۔''

ہمارے نسخے میں یہ عبارت صفحہ ۵۱۶ ، سطر آخر سے شروع ہوتی ہے جس پر مولانا نے یہ حاشیہ دیا ہے :

''اصل حال یہ ہے جب مرزا نے اپنا دعویٰ کلکتہ میں پیش کیا تو سرکار نے اس کا فیصلہ سرجان مالکم صاحب گورنر بمبئی کو سپرد کیا کیونکہ جب جاگیروں کی سندیں لکھی گئی تھیں تو وہ لارڈ لیک صاحب کمندر انچیف ہندوستان کے سیکرٹری تھے اور انھی کے دستخط سے اسناد جاری ہوئے تھے ۔ جب ان کے پاس یہ مقدمہ اور اس کے کاغذات پہنچے تو انھوں نے کہا کہ مدعی غلط کہتا ہے ، نواب احمد بخش خان ہمارا قدیمی دوست تھا اور بڑا راست باز امیر تھا ، اس پر یہ اتہام ضد سے کیا گیا ہے ۔ ہم نے پانچ ہزار روپے سالانہ لکھا تھا جس میں سے تین ہزار مدعی اور اس کے متوسلین کے لیے تھے اور دو ہزار خواجہ حاجی اور اس کے وارثوں کے نام تھے ۔ پھر مرزا صاحب ۔ ولایت میں مرافعہ کیا ، وہاں بھی کچھ نہ ہوا ۔''

اس حاشیے کے خاتمے میں مولانا تحریر فرماتے ہیں : ''بموجب تحقیق نواب ضیاءالدین خان بہادر دام ظلہم العالی کے تحریر ہوا'' ۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ورق زیر مطالعہ نواب ضیاءالدین خان کی طرف سے ہے ۔

معلوم ہوتا ہے کہ نواب ضیاءالدین خان بہادر اپنے بزرگوں کے متعلق صفحہ ۳۰۳ کے گذشتہ حاشیے سے مطمئن نہیں ہیں اس لیے اسی کاغذ کی پشت پر ایک لمبا نوٹ دیتے ہیں جو حسب ذیل ہے :

''نواب قاسم جان و عالم بیگ خان و عارف جان کے والد کا نام خواجہ عبدالرحمان تھا جو کہ متوطن شہر بخارا اور اولاد خواجہ احمد یسوی سے تھے ۔ وہاں سے بلخ میں آ کر ساکن اور متاہل ہوئے ۔ تینوں بیٹے ان کے وہیں پیدا ہوئے اور جب جوان

ہوئے تو مع ایک جمعیت سوار و پیادہ قوم آزبک وغیرہ سے جانب ہندوستان روانہ ہوئے ۔ اول پنجاب میں پہنچے جب کہ وہاں کا صوبہ دار معین‌الملک عرف میر منو ولد قمرالدین خاں وزیر تھا ۔ میر منو کے ہاں عمدہ عہدہا پر مع جمعیت نوکر ہو گئے اور معرکہ ہائے سکھاں میں کامیابی و ترقی حاصل کی ۔ بعد مرنے صوبہ دار کے اور اختلال ملک پنجاب، وہاں سے روانہ ہوکر بنا بر وصول لشکر سلطانی جانب بلاد شرقیہ گئے ۔ اس وقت شاہ عالم بادشاہ بمقابل میرن صوبہ دار بنگالہ مصروف تھے ۔ بعد ملازمت شاہی وہاں بھی کارہائے نمایاں کیے ، جس کے جلدو میں اول خطاب ہائے خانی پائے اور پھر قاسم جان بخطاب شرف‌الدولہ و سہراب جنگ و منصب ہفت ہزاری مشرف ہوئے و بعد ہلاک میرن ہمراہ بادشاہ بلاد شرقیہ سے پایۂ تخت دہلی میں آ کر بعہد نواب نجف خاں تینوں بھائی سکونت پذیر شہر دہلی میں ہوئے ۔ نواب احمد بخش خاں مرحوم نے بخدمت معتمدی و وکالت راو راجہ بختاور سنگھ والیِ الور بہنگام فوج کشی لارڈ لیک بہادر لشکو سپہ سالار میں شامل ہو کر اکثر کارہائے نمایاں اور خدمتگذاری گورنمنٹ انگریزی کی ۔ لہذا ایک جاگیر میں حاصل فیروز پور جھرکہ مجلدوی حسن خدمت پائے اور پیشگاہ بادشاہ دہلی سے خطاب فخرالدولہ دلاورالملک رستم جنگ بوساطت رسیدنٹ دہلی حاصل کیا اور ان کے چار بیٹے تھے ۔ سب سے بڑے نواب شمس‌الدین خاں اور ان کا بھائی ابراہیم علی خاں جو بطن منکوحہ غیر کفو سے تھے اور آخرالامر بحسب تقدیر جان و مال برباد کر چکے اور دو چھوٹے بیٹے نواب امین الدین احمد خاں اور نواب ضیاءالدین احمد خاں جن کو نواب مرحوم علیحدہ ایک جاگیر عنایت کر گئے تھے، جو ریاست لوہارو کہلاتی ہے ، اس پر قابض رہے ۔ بعد وفات نواب امین‌الدین خاں ان کے بیٹے نواب علاءالدین خاں ان کے قائم مقام ہوئے ۔ نواب ضیاءالدین خاں بعد تحصیل علوم ضروری جب شعر و سخن کا شوق ہوا تو نظم و نثر میں مرزا غالب کے شاگرد

ہوئے ۔ نیر تخلص کرتے ہیں اور احیاناً بتکلیف احباب کبھی اردو میں کوئی غزل لکھی تو رخشاں تخلص اس میں کیا ۔

مرزا زین العابدین خاں عارف پسر کلاں نواب غلام حسین خاں مبرور کہ اول شاہ نصیر کے شاگرد تھے اور بعد ازاں دونوں باپ بیٹے اپنی غزلیں مرزا غالب کو دکھا لیا کرتے اور آخرالذکر تو صاحب دیوان ضخیم اور بہت خوش فکر گزرا ہے ۔"

اس نوٹ کو مولانا آزاد نے اپنے الفاظ میں طبع دوم کے صفحات ۳۵۶ ، ۳۵۷ و ۳۵۸ پر مرقوم کیا ہے اور کہیں کہیں کمی بیشی بھی کی ہے ۔

'آب حیات' شعر و شعرا پر ایک نہایت قیمتی خزانۂ معلومات ہے ۔ بعد کے مصنفین پر اس کا بے حد اثر ہے ۔ صفیر بلگرامی کا 'جلوۂ خضر' اور منشی چرنجی لال کی 'تاریخ زبان اردو' تو اس تالیف کے ابتدائی خوشہ چینوں میں شمار ہو سکتے ہیں ۔ ان کے بعد درجنوں اور ہیں ۔ مغربی مستشرقین جنھیں اردو زبان سے واسطہ رہتا ہے ، اس کتاب کی خوبیوں کے معترف ہیں ۔ اس سے بغاوت ایک تازہ واقعہ ہے ۔ 'آبحیات' میں حوالے دینے کا دستور التزام کے ساتھ عمل میں نہیں آیا ۔ کہیں سند اتفاقیہ دے دی اور اکثر جگہ نہیں دی ۔ اگرچہ اس کے اکثر بیانات کی سراغ رسانی کی جا سکتی ہے ۔ ایک حصہ پھر بھی ایسا ہے جس کے لیے مولانا کے پاس تحریری دستاویز موجود نہیں ۔ اسی کی بنا پر مولانا زمانۂ مابعد میں بدنام بھی ہوئے ۔ یہ غالباً وہ روایات ہیں جو قیام لکھنؤ کے زمانے میں انھیں حاصل ہوئیں ۔ جدید کتابوں کی اشاعت اور جدید معلومات نے ان اطلاعات کو غلط ثابت کر دیا یا ان کی صحت میں شبہ پیدا کر دیا ۔ ہمارے عہد کے متشککین نے نہایت سختی سے حضرت مولانا پر نکتہ چینی کی ہے ۔ کسی نے کہا کہ صرف قصہ کہانیوں پر بنیاد ہے ۔ اس سے بھی تیز نشتر یہ کہ "قیاس کی بلند پروازی نے طوطے مینا بنا کر اڑائے ہیں ۔" مگر یہ بزرگ بھول گئے کہ آج سے ساٹھ سال قبل جب 'آبحیات' تالیف ہوتی ہے ، ذرائع معلومات نہایت محدود تھے ۔ اس عرصے میں بیسیوں کتابیں روشنی میں آئیں اور

انجمن ترقی اردو نے چھاپ دیں جو آزاد کے زمانے میں عنقا کا حکم رکھتی تھیں اور ان تک حضرت مولانا کی رسائی نہیں ہوئی ۔ باوجود اس کے جو متنوع اور یک جائی اطلاع 'آبحیات' سے حاصل ہو سکتی ہے دیگر تصانیف میں اس کا عشر عشیر بھی نظر نہیں آتا اور آج بھی اس کے بغیر چارہ نہیں ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حکیم عبدالحی مصنف 'گل رعنا' اور شیخ چاند مولف 'سودا' جو مولانا کے قابل نقاد ہیں ، اگر ایک صفحے پر 'آبحیات' کی تنقید کر رہے ہیں تو دوسرے صفحے پر اس سے حوالہ بھی دے رہے ہیں ۔ 'آبحیات' کے دوسرے نقاد ڈاکٹر مولانا عبدالحق اور مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی ہیں جو 'نکات الشعرا' اور 'ذکر میر' کے سلسلے میں اس کے بیانات کی تغلیط کر رہے ہیں ۔ ۱۸۲۸ع کے رسالہ 'نگار' میں 'آبحیات' کی تنقید میں دو مضمون نکلے مگر یہ مضامین زیادہ تر 'گل رعنا' اور 'شعرالہند' کا پرتو ہیں ۔ فوق صاحب راقم سے فرماتے تھے کہ لکھنؤ سے 'آبحیات' پر ایک تنقید گذشتہ صدی میں ایک رسالے کی صورت میں شائع ہوئی تھی ۔ 'نکات الشعرا' اور 'ذکر میر' کے چھپنے پر میر صاحب کے سلسلے میں مولانا بہت بدنام ہوئے مگر جب 'مجموعۂ نغز' شائع ہوا تو دنیا کو صاف معلوم ہو گیا کہ مولانا کے بیانات بے بنیاد نہ تھے[۱]۔

۱ - بعض اہل علم کا یہ خیال کہ تنقید آب حیات کے سپرد قلم ہونے سے قبل حافظ صاحب مرحوم کی نظر سے 'تذکرۂ مجموعۂ نغز' نہیں گزرا تھا ، صحیح نہیں ۔ مندرجہ بالا فقرے اور آگے جابجا آنے والے 'مجموعۂ نغز' کے حوالوں سے صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ 'آب حیات' پر تنقید کرتے وقت حکیم قدرت اللہ قاسم کے بیانات حافظ صاحب کے پیش نظر تھے ۔ اس فقرے میں وہ ان بیانات کو آزاد کے دفاع میں پیش کر رہے ہیں ۔ علاوہ ازیں تنقید آب حیات ۳۲ - ۱۹۳۱ع میں شائع ہوئی ہے جب کہ اس سے کہیں پہلے ۱۹۳۳ع میں خود ان کی مرتبہ 'مجموعۂ نغز' پنجاب یونیورسٹی سے شائع ہو چکی تھی ۔ اس کے آغاز میں انہوں نے تعارفی مضمون دیا ہے جس میں 'مجموعۂ نغز' کو 'آب حیات' کا ایک اہم ماخذ بیان کیا ہے ۔ ملاحظہ ہو مضمون ''حکیم قدرت اللہ قاسم اور ان کی تالیف مجموعۂ نغز ۔'' (مرتب)

راقم 'آبحیات' کے تنقید نگاروں میں بادل ناخواستہ شامل ہوا ہے۔ یہ محض اتفاق ہے کہ میں غلط صف میں اپنے آپ کو کھڑا دیکھتا ہوں۔ اصل یہ ہے کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا، حضرت مولانا کی تصنیفات سے مجھ کو بے حد دل بستگی رہی ہے بلکہ مولانا کے ساتھ میری عقیدت اس سے بھی قدیم ہے اور وہ اسی وقت سے شروع ہوتی ہے جب بچپنے میں مجھے ان کی پیاری تالیفات اردو کی پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی کے سامنے زانوے ادب تہ کرنا پڑا۔ آج کل کے بچے کس قدر بد نصیب ہیں جو ان غیر فانی کتابوں سے محروم کر دیے گئے ہیں۔ بہر حال مولانا کے ساتھ میری عقیدت دائمی ہے اور مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں آج ان کے نکتہ چین کی حیثیت سے آپ لوگوں کے سامنے کھڑا ہوں۔ میں اپنی اس گستاخ روی اور گستاخ تنقید کی ان کی روح سے معافی مانگتا ہوں، اگرچہ ندامت گویا ہے: ع

عذر تقصیر ہے تقصیر سے بدتر تقصیر

'آب حیات' پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شعرا کے تذکرے میں حضرت مولانا نے رقابت اور مقابلے کے پہلو کو زیادہ نمایاں کیا ہے۔ سودا کو میر کا، مصحفی کو انشا کا، ناسخ کو آتش کا، ذوق کو غالب کا، دبیر کو انیس کا مدمقابل ٹھہرایا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے داغ اور امیر مینائی کی شمولیت بہت مناسب ہوتی۔

دور اول و دوم و سوم کے شعرا میں تقدیم و تاخیر واقع ہوئی ہے۔ آبرو، مضمون، ناجی، احسن، یکرنگ کو دور اول میں؛ شاہ حاتم، خان آرزو اور فغاں کو دور دوم میں؛ مظہر، سودا، ضاحک، میر درد، میر سوز اور میر تقی میر کو دور سوم میں جگہ دی ہے۔ یہ ترتیب اعتراض سے خالی نہیں۔ خان آرزو کہ بقول مولانا 'اہل اردو ان کے عیال ہیں، دور دوم میں رکھے جاتے ہیں اور ان کے شاگرد آبرو اور فغاں دورۂ اول میں۔ حالانکہ خواہ بلحاظ عمر، خواہ بلحاظ درجۂ استادی خان آرزو دونوں سے بڑے ہیں۔ اسی طرح مرزا مظہر جانجاں جو یکرنگ کے استاد ہیں اور خود مولانا کو یہ استادی تسلیم ہے، اس کے باوجود شاگرد کو دور اول میں شامل کیا ہے اور استاد

کو دور سوم میں رکھا ہے ۔ اس سے احتمال ہوتا ہے کہ یہ دونوں نام ابتداً 'آب حیات' کی فہرست مشاہیر میں داخل نہیں تھے اور ان کا ادخال بعد از وقت ہوا ہے[1] ۔

سطور آئندہ میں یہ تجویز مناسب ہوگی کہ سب سے پہلے 'آب حیات' کی اصل عبارت بذیل 'قولہ' درج کردوں اور اس کے بعد جو کچھ بھی مجھے اس کے متعلق اعتراض یا حاشیہ آرائی کرنی ہے ، علیحدہ پیرے میں حوالۂ قلم کروں ۔ یہاں سے تنقید شروع ہوتی ہے :

قولہ ، صفحہ ۶ : ''مدت دراز تک ایرین بھائیوں کے کاروبار ہندوستانی بھائیوں کے ساتھ ملے جلے رہے ہوں گے ۔ یہی سبب ہے کہ ایران کی تاریخ قدیم میں مہ آباد اور اس کے زمانے کی تقسیم برہما کے زمانے سے اور اس کے رسوم و قواعد سے مطابقت دکھاتی ہے اور چاروں برنوں کا برابر پتا لگتا ہے ۔''

ایران قدیم کی تاریخ میں مہ آباد اور اس کے سلسلے کا کہیں ذکر نہیں آتا ۔ عربی اور فارسی مآخذ میں تاریخ ایران کا پہلا ورق پیشدادیوں کے تذکرے سے کھلتا ہے ، لیکن سترھویں صدی عیسوی میں صاحب 'دبستان المذاہب' اور اس کے متبعین کا دعویٰ ہے کہ پیشدادیوں سے قبل چار سلسلے اور گزرے ہیں ، جن میں سب سے مقدم مہ آبادی ہیں ۔ کہا جاتا ہے کہ مہ آباد ایران کا سب سے پہلا پیغمبر اور بادشاہ ہے جس پر کتاب مقدس دساتیر نازل ہوئی ۔ یہ کتاب پندرہ صحیفوں کا مجموعہ ہے اور ہر صحیفہ ایک مخصوص پیغمبر کی طرف منسوب ہے ۔ مہ آباد کے بعد تیرہ پیغمبر اور آئے اور سب کے سب آباد کہلائے اور مذہب مہ آباد کے موید اور حامی رہے ۔ ان کے بعد ان کی اولاد میں سے چودہ پیغمبر پشت بہ پشت اور پیدا ہوئے ۔ آخری پیغمبر کا نام

---

۱ ۔ ''شیرانی کے اس جواز کے باوجود تقدیم و تاخیر کی یہ فروگذاشت چشمۂ آب حیات کے شایان شان نہیں معلوم ہوتی'' دیکھیے ڈاکٹر اسلم فرخی کا مقالہ 'محمد حسین آزاد' جلد دوم صفحہ ۱۰۸ مطبوعہ انجمن ترقی اردو کراچی ۔ (مرتب)

آباد آزاد تھا - مہ آبادیوں کے بعد 'جیان' ہوئے - [ان میں سر سلسلہ جی افرام آباد آزاد تھا جو پہاڑوں میں یزدان پرستی میں مشغول تھا - خلق اللہ کی درخواست پر آبادی میں آ کر ان کا بادشاہ اور پیغمبر بنا] اس طبقے کا خاتم 'جیان جی آلاد' تھا [ان کا زمانہ ایک 'اسپار' سال کیوانی تھا] اب شائیوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے [جن میں پہلا شخص 'شائی کلیوبن جی آباد' تھا - شائیوں کا زمانہ ایک 'شار' سال بیان کیا گیا ہے] اس طبقے کے آخری پیغمبر بادشاہ کا نام 'شائی مہبول' تھا - ان سے پیچھے یاسانیوں کی باری آتی ہے جو یاسان کی طرف منسوب ہیں - یاسانی بھی مہ آباد کے پیرو تھے اور دساتیر پر ایمان رکھتے تھے [ان کی مدت نو 'سلام' سال اور 'یاسان آجام' ان کا آخری بادشاہ ہے] سلسلۂ پنجم گل شائی ہیں - یہ وہی ہیں جنھیں عام تاریخوں میں پیشدادی کہا جاتا ہے -

('اجمل التواریخ' صفحہ ۲ - ۶ از رضا قلی خان ہدایت - تبریز ۱۲۸۳ھ) -

لیکن 'دساتیر' نہ صرف ایک مجہول تالیف ہے بلکہ اس کی زبان بھی مجہول ہے اور بیانات خیالی ہیں - یہ کتاب یورپ میں تو انیسویں صدی عیسوی کی ابتدا ہی میں بے اصل تسلیم کر لی گئی تھی جب فرانس اور انگلستان میں 'اوستا' کی اصلیت اور 'دساتیر' کی مجہولیت کے متعلق زبردست بحث چھڑ گئی تھی - انگلستان میں سرولیم جونز بانی ایشیاٹک سوسائٹی عرصے تک 'دساتیر' کی صداقت پر ایمان رکھتے رہے، آخر ان کو شکست ہوئی - ہندوستان اور ایران میں 'دساتیر' کا جادو دیر تک چلتا رہا بلکہ اب بھی اس کے معتقدین شاید موجود ہوں - خان آرزو سے لے کر گزشتہ صدی کے اکثر فضلا جن میں صہبائی ، مرزا غالب اور ان کے تلامذہ شامل ہیں ، 'دساتیر' کے ماننے والے ہیں - مولانا نجف علی خاں نے اس کی شرح بنام 'سفرنگ دساتیر' شائع کی ہے - 'دری کشا' بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے - رضا قلی خان ہدایت صاحب 'انجمن آرای ناصری' بھی اس کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہے - مولانا محمد عمر، سابق پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور اپنے ایک رسالے 'اختر تاباں'

میں اس جعلی تالیف اور اس کے مہیّنہ مہ آبادی عہد کا تذکرہ پورے یقین کے ساتھ کر رہے ہیں۔ الغرض 'دساتیر' ایک سراب تھا جس کے پیچھے ہم دیر تک دوڑتے رہے۔

قولہ ، صفحہ ۱۴ : ''جب ۱۱۹۳ع میں شہاب الدین غوری نے رائے پتھورا پر فتح پائی تو چند کوی (ایک نامی شاعر) نے پرتھی راج راسا لکھا۔''

اس رائے کے اظہار میں مولانا بابو شیو پرشاد کے ایک لکچر کے زیر اثر معلوم ہوتے ہیں جو ۱۸۶۸ع میں زیر عنوان 'کچھ بیان اپنی زبان کا' بنارس انسٹی ٹیوٹ میں پڑھا جا کر ۱۸۶۹ع میں چھپا تھا۔ کبیر، جایسی، تلسی داس، سور داس وغیرہم کے سلسلے میں بھی اس لیکچر کا اثر 'آب حیات' پر معلوم ہوتا ہے لیکن مولانا کے بیانات بابو کے بیانات کے مقابلے میں بڑی حد تک ترقی یافتہ، مدلل اور مفصل ہیں۔ مثلاً بابو شیو پرشاد نے کبیر کا نمونۂ کلام حسب ذیل دیا ہے :

چھوڑ بدبخت تو قہر کی نظر کوں
کھوج دل بیچ جہاں بست حقا
عجب دیدار ہے عجب محبوب ہے
کرن کارن جہان سبد سچا
کھڑے درد وند دوس درگاہ میں
خیر اور مہر موجود مکا
ذکر کر کو فکر دور دفعے کر
کہے کبیر ایہہ سخن پکا

مولانا نے اس میں عربی فارسی الفاظ کی کثیر تعداد کے علاوہ جو کبیر کے عہد میں بعید معلوم ہوتی ہے، اس نمونے کو جدید رنگ کا پا کر رد کر دیا اور ذیل کا دوہرہ درج کیا جو ہر قسم کے شبہ سے بری مانا جا سکتا ہے :

کبیر سربر سرائے ہے کیوں سوئے سکھ چین
کوچ نگارا سانس کا باجت ہے دن رین

لیکن راسا کے متعلق مولانا کی رائے وہی ہے جو گزشتہ صدی میں اکثر علما کی تھی ۔ مغربی مصنفین نے اس کتاب کو غیر مستحقانہ عزت دی ۔ ٹاڈ نے اس کے مواد پر اپنی 'تاریخ راجستھان' کی بنیاد ڈالی ۔ گرووز ، بیمز اور ہرنلے لسانی نقطۂ نظر سے اس کو نہایت اہم ماخذ سمجھتے رہے ۔ گریرسن اس کے شاعرانہ محاسن کا افسانہ خواں ہے ۔ اس کی گونا گوں اہمیت کا اندازہ کرکے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے اس کی طباعت شروع کر دی اور ایک تہائی حصہ شائع بھی کروا دیا ۔ ۱۸۸۶ع میں کویراج شیامل داس جی نے راسا کی مجعولیت کے حق میں آواز بلند کی ۔ اس کا جواب بحمایت راسا موہن لال وشنو لال پنڈیا نے دیا ۔ ۱۸۹۳ع میں ڈاکٹر بیولر نے کشمیر سے ایک نئی دریافت شدہ تالیف پرتھی راج وجے نامی کی بنا پر راسا کی اصلیت سے صریح انکار کر دیا ۔ چنانچہ موصوف کے مشورے پر سوسائٹی نے اس کی طباعت بند کر دی ۔ ادھر مسٹر سیام سندر داس سیکرٹری ناگری پرچارنی سبھا نے راسا کی حمایت میں ۱۹۰۰ع میں بظاہر ایک مدلل تبصرہ لکھا ، جس سے اس کے مغربی معتقدین میں حوصلے کے آثار پیدا ہونے لگے ، جس کی صدائے بازگشت رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالے میں (بابت ۱۹۰۶ع) اور ولسنٹ اسمتھ کی 'تاریخ ہندوستان' میں نظر آتی ہے ۔ ۱۹۲۸ع میں ر ۔ ر ۔ ا ۔ س ، شاخ بمبئی میں (جلد سوم) ر ۔ ر ہلدر نائب کیوریٹر راجپوتانہ میوزیم اجمیر نے راسا کی تاریخوں کی عالمانہ انداز میں تغلیط ثابت کی ۔ اسی سال ناگری پرچارنی پترکا جلد نہم میں پنڈت رامچندر نے ایک اور مضمون راسا کی مخالفت میں سپرد قلم کیا ۔ ۱۸۲۹ع میں اسی رسالے میں ایک اور سیر حاصل مضمون رائے بہادر پنڈت گوری شنکر اوجھا کے قلم سے نکلا ، جس میں ہر پہلو سے راسا کی تغلیط و تردید کی گئی ہے ۔ راقم نے مسلمانی نقطۂ نظر سے اس کی تنقید میں ایک سلسلۂ مضامین لکھا ہے جو اورینٹل کالج میگزین کے مختلف نمبروں میں (یعنی مئی ۱۹۳۳ع ، اگست و نومبر ۱۹۳۵ع ، اگست و نومبر ۱۹۳۶ع ، فروری ، مئی ، اگست و نومبر ۱۹۳۷ع، فروری و اگست

۱۹۳۸ع) شائع ہوا ہے[۱] -

یہ داستانی تالیف جو مغلوں کے عہد میں کسی بے اصول بھاٹ نے ذاتی جلب منفعت کے خیال سے راجپوتانے کے کسی راجا کو اپنے دام تزویر میں لانے کی امید میں لکھی تھی ، مغرب کے بڑے علما کو جن کے نام تاریخ و لسانیات میں ادب سے لیے جاتے ہیں ، کامل طور پر گمراہ کرنے میں کامیاب ہوئی - آج بھی اس کا طلسم ٹوٹا نہیں ہے اور مدرسوں کے تاریخی کورسوں میں ہندو قومی رزمیہ کی حیثیت سے اس کو نمایاں جگہ دی جاتی ہے - ونسنٹ اسمتھ کی تاریخ 'قدیم ہندوستان' میں جو ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں ایک مقبول نصاب ہے ، اس کی اصلیت کو تسلیم کیا گیا ہے -

قولہ : ''رفتہ رفتہ شاہجہان کے زمانے میں کہ اقبال تیموری کا آفتاب عین اوج پر تھا ، شہر اور شہر پناہ تعمیر ہو کر نئی دلی دارالخلافہ ہوئی - بادشاہ اور ارکان دولت زیادہ تر وہاں رہنے لگے - اہل سیف ، اہل قلم ، اہل حرفہ اور تجار وغیرہ ملک ملک اور شہر شہر کے آدمی ایک جگہ جمع ہوئے - ترکی میں اردو ، بازار لشکر کو کہتے ہیں - اردوے شاہی اور دربار میں ملے جلے الفاظ زیادہ بولتے تھے - وہاں کی بولی کا نام اردو ہو گیا - اسے فقط شاہجہان کا اقبال کہنا چاہیے کہ یہ زبان خاص و عام میں اس کے اردو کی طرف منسوب و مشہور ہوگئی -'' **(صفحہ ۲۰ ، آبحیات)**

یہاں مولانا آزاد اس کوشش میں ہیں کہ شاہجہاں آباد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ جو ۱۰۵۸ھ میں وقوع میں آتی ہے ، اردو کا سنگ بنیاد رکھیں مگر یہ زبان اس تاریخ سے بہت قدیم ہے - اس کا تلفظ ، لہجہ اور محاورہ آٹھویں صدی ہجری کے اختتام سے پہلے ایک معیاری پائے کو پہنچ چکا تھا جس سے دہلوی اور غیر دہلوی کی شناخت ممکن ہو جاتی

---

۱ - یہ سلسلۂ مضامین مصنف کی نظرثانی کے بعد کتابی شکل میں 'پرتھی راج راسا' کے نام سے انجمن ترقی اردو ہند دہلی نے ۱۹۵۳ع میں شائع کر دیا تھا (مرتب)

ہے ۔ ناصرالدین محمد شاہ (۷۹۲ھ و ۷۹۵ھ) اپنے باپ فیروز شاہ کے غلاموں سے جو زیادہ تر پورب اور بنگالہ کے رہنے والے تھے اور امور سلطنت میں دخیل ہو کر بادشاہ گر بن چکے تھے ، تنگ آ کر دہلی سے ان کے اخراج کا حکم نافذ کرتا ہے اور شہر سے نکل جانے کے لیے تین دن کی مہلت دیتا ہے ۔ یہ غلام شہر نہیں چھوڑتے اور اپنے آپ کو اصیل ظاہر کرکے شہر ہی میں رہ جاتے ہیں ۔ آخر محمد شاہ اصلی اور نقلی دہلوی کی شناخت کے لیے ان سے ایک لفظ 'کھرا کھری' کہلواتا ہے ۔ اس امتحان سے یہ غلام دہلویوں سے بآسانی شناخت کر لیے گئے اور اپنی سزا کو پہنچے ۔ مورخ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں :

''بیشترے از ایشان دریں سہ روز از شہر بدر رفتند و آنہا کہ نرفتند بدست افتادہ بقتل رسیدند و بعضی از ترس جان میگفتند کہ ما اصیلیم ناصرالدین محمد شاہ فرمود کہ ہر کہ از شما 'کھرا کھری' گوید اصیل است و چون بطوریکہ بادشاہ میخواست تلفظ نمی توانستند نمود و بزبان پورب و بنگالہ ادا می کردند کشتہ می شدند ۔ چنانکہ بسیاری از مردم پورب کہ اصیل بودند و زبان ایشان خوب نمی گشت نیز بقتل رسیدہ ۔'' (صفحہ ۲۷٦ ، جلد اول ، تاریخ فرشتہ ، طبع پونا)

یہی روایت 'تاریخ مبارک شاہی' میں یوں مرقوم ہے :

''بیشتر بندگان مخذول بعد سیوم روز در دست شاہزادہ آمدہ اند ۔ ہریکی میگفتند کہ ما اصیلیم ، شاہزادہ فرمود ہر کہ از شما 'کھرا کھری کرجنا' گوید او اصیل است ۔ سبب آن بیشتری ہندوستانیان نا چیز شدند و بندگان فیروزشاہی علف تیغ گشتند ۔''
(صفحہ ۱۵۰ 'تاریخ مبارکشاہی' طبع ایشیاٹک سوسائٹی ، ۱۹۳۱ع)

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ زبان کا معیار قائم ہو چکا ہے ، جس سے دہلوی اور پوربی یا بنگالی بآسانی پہچانے جا سکتے ہیں ۔ شیخ باجن (متوفی ۹۱۲ھ) باوجودیکہ گجراتی ہیں ، دہلی کی زبان سے واقف ہیں اور اسے اسی نام سے یاد کرتے ہیں ۔ چنانچہ ایک مختصر نظم کا عنوان ان کی تصنیف میں یوں آتا ہے :

''صفت دنیا بزبان دہلوی گفتہ'' جس کی ابتدا ہے :
یہ فنی کہا کسے یہ ملتی ہے
جب ملتی ہے تب چھلتی ہے

ایک اور موقع پر اصحاب صفہ کے ذکر میں شیخ باجن فرماتے ہیں : ''مناقب حضرت ایشاں بزبان دہلوی نبشتہ شدہ است ۔'' یہی نہیں بلکہ حضرت امیر خسرو (متوفی ۷۲۵ھ) اور ابوالفضل ہندوستان کی زبانوں کے ذکر میں اس کو زبان دہلی کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔ بہر حال شاہجہان کی نئی دہلی کی تعمیر کے ساتھ مولانا کا اس زبان کو وابستہ کرنا بے بنیاد معلوم ہوتا ہے ۔

مولانا کا یہ بیان کہ آردو زبان شاہجہان کے آردو کی طرف منسوب ہے ، ثبوت کا محتاج ہے ، کیونکہ شاہجہانی عہد میں آردو پر زبان کے معنی کا اطلاق نہیں ہو رہا ۔ ہمارے بزرگوں کے اذہان میں یہ تخیل نہایت خوش آیند معلوم ہوتا ہے کہ نئے شہر کی تعمیر کے ساتھ ساتھ نئی زبان کی ترویج بھی عمل میں آئی ہو ۔ حالانکہ زبان کی نسبت شہر کے ساتھ ہے نہ شاہجہان کے ساتھ ۔ جب تک شہر کا نام دہلی تھا وہاں کی زبان 'زبان دہلی' کہلائی ؛ جب اس کا نام شاہجہان آباد رکھا گیا ، زبان کا نام بھی شہر کی نسبت سے تدرتاً زبان شاہجہان آباد ہوگیا ۔ اسی طرح آردو کو بازار لشکر کہنا محل تامل ہے ۔ اگرچہ مولانا ، سر سید اور میر امن کی تقلید میں ایسا فرما رہے ہیں لیکن زبان کے تعلق میں آردو بمعنی لشکر زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے ۔ زبان کے معنوں میں آردو کا سب سے قدیم استعمال سراج الدین علی خاں آرزو متوفی ۱۱۶۹ھ کے ہاں ملتا ہے ۔ 'نوادر الالفاظ' میں جو ان کی قدیم تالیفات سے ہے، اس لفظ کی کئی مثالیں ملتی ہیں ۔ مثلاً ایک موقع پر لکھتے ہیں :

''رجواڑہ ، بدین معنی اصطلاح شاہجہان آباد است بلکہ اہل آردو است کہ این قسم اماکن اکثر در لشکر راجہا می باشند ۔''

دوسرے موقع پر گزک کے سلسلے میں کہتے ہیں :

''لیکن گزک باصطلاح اہل آردو نوعی است از شیرینی کہ از کنجد و شکر سازند ۔''

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :

''نکتورہ در عرف آردو وغیرہ بمعنی حرف ناز و غرور است ۔''

ایک مثال یہ ہے :

''لیکن 'بڑبھنا' بزبان آردو اہل شہر ہا نیست ۔ شاید زبان قریات و مواضع باشد و بدین معنی 'نکلنا' شہرت دارد ۔''

ان چاروں فقروں میں اصطلاح شاہجہاں آباد ، اصطلاح اہل آردو ، عرف آردو ، زبان آردو ، اہل شہر ہا سے مراد ہی زبان ہے ۔ میر تقی میر زبان آردوے معلی شاہجہان آباد دہلی کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

''پوشیدہ نماند کہ در فن ریختہ کہ شعریست بزبان آردوی معلی شاہجہان آباد دہلی ، کتابی تا حال تصنیف نشدہ کہ احوال شاعران این فن بصفحۂ روزگار بماند ۔''

نظم کی مثالیں مصحفی کے کلام سے :

البتہ مصحفی کو ہے ریختہ میں دعویٰ
یعنی کہ ہے زباندان آردو کی وہ زبان کا

دیگر :

خدا رکھے زبان ہم نے سنی ہے میر و مرزا کی
کہیں کس منہ سے ہم اے مصحفی آردو ہماری ہے

اور محشر شاگرد میر درد :

گفتگو آردو زبان میں کوئی ہم سے سیکھ جائے
کیا ہوا دہلی میں محشر اپنی پیدایش نہیں

قولہ ، صفحہ ۹۸ : ''سولھویں صدی عیسوی شیر شاہی عہد میں ملک محمد جایسی ایک شاعر ہوا ۔ اس نے پدماوت کی داستان نظم کی ۔''

'پدماوت' جس کا اصل نسخہ بخط مصنف بہاولپور کے سرکاری کتب خانے میں محفوظ ہے ، ۹۴۷ھ (۱۵۴۰ع) و ۹۵۲ھ (۱۵۴۵ع) کے مابین کسی وقت تصنیف ہوئی ہے اور شیر شاہ کے نام پر منسوب ہے ۔ چنانچہ :

سیر ساہ دہلی سلطانوں　　چار ہوں کھنڈ پتی جس بھانوں

محمد جایسی کی یہ ادبی یادگار پوربی زبان میں کوئی تنہا مثال نہیں ہے بلکہ اس سے قبل بھی مسلمان مصنفین اس تحریک میں حصہ لیتے رہے ہیں - جایسی سے بیس پچیس سال پہلے قطبن ایک عشقیہ افسانہ 'مرگاوتی' تالیف کرتا ہے جس میں چندرگیری کے راج کنوار اور کنچن نگر کی شہزادی کی داستان عشق نظم ہوئی ہے - 'مرگاوتی' علاءالدین حسین شاہ والیِ بنگالہ (۸۹۹ھ مطابق ۱۴۹۳ع و ۹۲۵ھ مطابق ۱۵۱۸ع) کے عہد میں لکھی جاتی ہے - شاعر اس کے واسطے لکھتا ہے :

ساہ حسین آہے بڑ راجا　　چھتر سنگاسن ان کو ساجا
پنڈت او بدھ ونت سیانا　　پڑھے پوران ارتھ سب جانا

قطبن کے مرشد شیخ بڈھن ہیں جن کے حق میں وہ لکھتا ہے :

شیخ بڈھن ساچا پیرو　　نام لیت سدھ ہووے سریرو

ان دونوں تالیفوں سے زیادہ قدیم اور نادر ایک اور عشقیہ نظم ہے جو اسی علاقے اور اسی زبان میں پندرھویں صدی عیسوی مین لکھی جاتی ہے - اس کے متعلق میری معلومات نہایت ناقص ہے ، حتیٰ کہ مصنف کا نام تک معلوم نہیں - میں نے اس کتاب کے پچاسی ورق دیکھے جن میں ایک طرف پورے صفحے پر دکنی طرز کی تصویر اور دوسری طرف بے مثل خط نسخ میں کھلے کھلے اشعار لکھے ہوئے اور خط ثلث میں بزبان فارسی سرخیاں ہیں - سب سے زیادہ قابل افسوس یہ امر تھا کہ تصاویر کی خاطر سے تصویر دار اوراق نکال کر کتاب کو ہمیشہ کے لیے تلف کر دیا گیا - مختلف سرخیوں سے اس قدر اندازہ ہوتا ہے کہ پوری کتاب کافی ضخیم ہوگی اور اس میں چارسو پانسو کے قریب اوراق ہوں گے - کتاب اگرچہ اودھ کے علاقے میں تالیف ہوئی ہے مگر ایسا مکلف نسخہ دکن کے سوائے اور کہیں تیار نہیں ہو سکتا -

اس نامعلوم کتاب کا دیباچہ ملک‌الامرا ملک مبارک ابن ملک بیان مقطع شق دلمئو کی مدح سے مزین ہے - ایک سرخی میں کسی امیر مسعود کا نام نظر آتا ہے یعنی : ”آمدن امیر مسعود نزدیک بتخالہ و

استقبال آمدن خلق کیفیت باز نمودن ـ'' یہ امیر مسعود کون ہے ؟ میں نہیں جانتا ـ اکثر سرخیاں غلط فارسی میں لکھی ہیں جیسا کہ دکنی کا دستور ہے ـ

اس نظم میں لورک اور چاندا کی عشق بازی کا افسانہ مرقوم ہے ـ مگر قصے کے پلاٹ کا اندازہ ان منتشر اوراق سے نہیں لگایا جا سکتا ـ بعض سرخیاں یہ ہیں :

''ایضاً فی التوحید آفریدگار و صنعتہای عالم دنیاوی ـ'' ''باز آمدن راو جھیتم از شکار و پرسیدن حجام را ـ'' ''آمدند گردون کشان رو کرنکا و پرسیدند برائے چاندا ـ'' ''عاشق شدن چاندا بمجرد دیدن لورک ـ'' ''گفتن لورک از پیش رائے کرنکا، احوال خود را ـ'' ''نام و نیشانی خیاخالہٗ لورک گفتن سرجن پیش لورک را'' ـ ''شیرین زبانی نمودن راو روپ چند رسولان را و سلسلہ جنبا نیدن زو چاندا طلبیدن ـ'' ''دست بریدن باوکواتیان و شور کردن ز کواتیان پیش کرنکا ـ'' ''در روز رفتن منیان فروختن شیر و شناختن لورک طلب کردن و پرسیدن ـ'' ''دشمن نمودن لورک درخت باکر را بریدن خواست برائے سوختن چاندا را ـ'' ''خبر کرد حجاب مں لورک ...... کسی زبان دادہ آمدہ است باز بیرون آمد ـ'' ''دادن راو سواران و پیادگان او لورک تاکوور رسانیدہ آیند ـ''

ان سرخیوں میں کئی اور نام ملتے ہیں مثلاً سرجن ـ برسپت ـ کھیلن ـ باون ـ برمادر ـ دیوہان وغیرہ ـ کتاب میں ایک بارہ ماسہ بھی شامل ہے ـ ماہ ساون و اساڑھ اور بیساکھ کی سرخیاں علیحدہ علیحدہ آئی ہیں ـ ماہ بیساکھ کا بیان اس شعر سے شروع ہوتا ہے :

مانجہ اب آیو بیساکھو مدن بھونک نمانی ساکھو

قولہ ، صفحہ ۱۶ : ''امیر خسرو جو کہ ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ع) میں فوت ہوئے ان کی ایک غزل نظم آردو کی تاریخ میں دیکھو جس کا پہلا مصرع ہے : ع

ز حال مسکین مکن تغافل ورائے نیناں بنائے بتیاں

اس سے تمھیں کچھ کچھ حال اُس وقت کی زبان کا بھی معلوم ہوگا۔"

مجھے بسبب کثرت شہرت اس غزل کے نقل کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ بارھویں صدی ہجری میں یہ ریختہ بالعموم حضرت امیر خسرو کی طرف منسوب ہے۔ سب سے قدیم سند پرتاپ سنگھ ابن حکومت رائے کی ہے جو اپنی بیاض منقولہٗ سن ۹ جلوس محمد شاہی ۱۱۳۹ھ - ۱۷۲۶ع میں یہ غزل امیر کی طرف منسوب کر رہا ہے۔ مگر شاہجہاں کے عہد کی ایک اور بیاض کی رو سے جس کو ۱۰۶۲ھ-۱۶۵۱ع و ۱۰۶۷ھ-۱۶۵۶ع میں جیمل تھار تیار کرتا ہے اور جس میں بعض نامعلوم ریختے بھی درج ہیں، یہ ریختہ کسی شخص جعفر کی ملک بتایا گیا ہے۔ ریختۂ ہذا کا وزن جدید ہے نہ قدیم۔ اہل عروض کا بیان ہے کہ رودکی نے اس کے مربع وزن میں دو بیت لکھے ہیں:

گل بہاری بت تتاری نبیذ داری چرا نیاری

لیکن اس وزن کے مثمن میں جس شخص نے پہلی مرتبہ قصیدہ لکھا وہ خواجہ عصمت اللہ بخاری [متوفی ۸۲۹ھ — ۱۴۲۶ ع] ہیں۔ اس قصیدے کا مطلع ہے:

زہی دو چشمت بخون مردم کشادہ تیر و کشیدہ خنجر
رخ چو ماہت صباح دولت خط سیاہت شب معنبر

اس سے ظاہر ہے کہ مفاعلاتن مثمن ایک مستحدث وزن ہے جو امیر خسرو اور ان کے عہد سے قبل رائج نہیں۔ جب فارسی میں یہ وزن رائج نہیں تو ہندی میں اس کا موجود ہونا اور بھی ناقابل قبول ہو جاتا ہے۔ جو لوگ اس ریختے کو امیر خسرو کی طرف منسوب کرتے ہیں ان کی توجہ اس کے وزن کے مستحدث ہونے کی طرف منعطف نہیں ہوئی۔ میں تفصیلاً اس کے متعلق رسالہ اورینٹل کالج میگزین (بابت ماہ مئی ۱۹۳۹ع) میں بحث کر چکا ہوں[1]۔

قولہ، صفحہ ۷۸: "عروض فارسی نے پہلا قدم ہندوستان میں رکھا۔"

گویا مولانا کی رائے میں مذکورہ بالا غزل کی بنا پر ہندی زبان میں فارسی عروضی اوزان کا استعمال امیر خسرو کے عہد سے شروع ہو

---

۱ - دیکھیے مضمون "بعض جدید دریافت شدہ ریختے۔" (مرتب)

جاتا ہے ، لیکن یہ اس واقعہ نہیں ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عہد سے دو ڈھائی صدی بعد تک فارسی اوزان ہندی میں رائج نہیں ہوئے تھے ۔ البتہ جانی کے بعض ریختے ان اوزان میں ہیں مگر یہ شاہ علی جیوگام دھنی متوفی ۹۷۳ھ کا دیوان ہے جس میں شاید پہلی مرتبہ بحر ہزج و بحر رجز مربع لائی گئی ہیں ۔

مثال ہزج :

تیولو بول کچھ کا چو   جو لاگے پیار تم سانچو   تمنہ بھی اپنو ہی ناچو

مثال رجز مربع :

یہ جیو تو رہتا نہیں   ہور من دوکھ سہتا نہیں
کو جاے ہیو کہتا نہیں   رے بھائیو ہوں سوں کروں

ایک فارسی وزن جو قدیم زمانے سے ہندی میں مقبول ہے ، مضارع اخرب مثمن ، مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن ، ہے ۔ ہندی والے اس وزن کو ریختہ کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔ بعض ریختے کبیر کی طرف بھی منسوب ہیں ۔ ہندی اوزان کی کوتاہ دامنی کی بنا پر مسلمان ہندی کے میدان میں فارسی عروضی اوزان کے اختیار کرنے پر مجبور ہوئے ۔ چنانچہ محمد قلی قطب شاہ (۹۸۹ھ و ۱۰۲۰ھ) نے سب سے اول اپنا کلیات فارسی اوزان کے مطابق مرتب کیا ۔

قولہ ، صفحہ ۲۱ : ”اسی زبان کو ریختہ بھی کہتے ہیں کیوں کہ مختلف زبانوں نے اسے ریختہ کیا ہے جیسے دیوار کو اینٹ ، مٹی ، چونا سفیدی وغیرہ پختہ کرتے ہیں یا یہ کہ ریختہ کے معنی ہیں گری پڑی پریشان چیز ۔ چونکہ اس میں الفاظ پریشان جمع ہیں اس لیے اسے ریختہ کہتے تھے ۔“

میں ریختہ کے سلسلے میں ’پنجاب میں اردو‘ میں کافی بحث کر چکا ہوں[1] ۔ یہاں اسی قدر کہنا چاہتا ہوں کہ ریختہ کی وجہ تسمیہ جو مولانا نے دی ہے ، ہمارے دل کو نہیں لگتی ۔ اس کی ایک تشریح یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ ریختن اور معنوں سے قطع نظر ، موزوں کرنے اور ڈھالنے

۱ ۔ نیز ملاحظہ ہو مضمون ’ریختہ‘ ۔ (مرتب)

کے معنی بھی دیتا ہے ۔ اسی بنا پر امیر خسرو کی اصطلاح میں ایسا سرود ہے جس میں ہندی اور فارسی اشعار یا مصرعے یا فقرے جو مضمون ، تال اور راگ کے اعتبار سے متحد ہوں ، پائے جائیں جیسے قول اور ملبع ہوتے ہیں ۔ رفتہ رفتہ یہ اصطلاح ایسے کلام موزوں کے لیے خاص ہو گئی جس میں فارسی اور ہندی الفاظ یا فقروں کو ترکیب دیا گیا ہو جیسے 'تغلق نامہ' کا یہ شعر :

چو بکشادند تیر ے خطا را
بزاری گفت "ہے ہے تیر مارا"

(صفحہ ۱۲۸ ، تغلق نامۂ خسرو)

اور مولانا جامی کا یہ شعر :

بر درت آیم رقیبت گویدم در خانہ نیست
این چنین کم بخت با ما بات کھوٹی میکند

ستا کے یہ دو شعر بھی ریختہ ہیں :

بساز ھندو بچۂ قصد دلم دھرتی ہے
کوچہ نہیں جانو ازیں خستہ کہ کی کرتی ہے
چین بر ابرو زدہ بربستہ کتارہ بمیاں
چل چل ایدل منگر تو چکنی اولرتی ہے

ولی ، سراج اور میر و سودا بمعنی 'شعر و غزل ہندی' استعمال کرتے ہیں ۔ متأخرین زبان اردو پر اس کا اطلاق کرنے لگے کیوں کہ ان ایام میں اردو زبان کا سرمایہ تمام تر نظم تھا ۔ جب نثر وجود میں آئی ، وہ بھی اسی کے ذیل میں شامل کر لی گئی ۔ اس طرح ریختہ قدرتاً اردو زبان کا نام ہو گیا ۔

قولہ ، صفحہ ۲۲ : 'میز نامعلوم' اور حاشیے میں اضافہ کیا ہے :
"میز دری زبان میں ترجمہ ٹیبل کا ہے مگر اردو کو یہ لفظ فارسی مروجہ سے نہیں ملا ، صاحب لوگوں سے پہنچا ہے ۔"

میں اس قدر اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ فارسی میں ایک لفظ میزبان ہے جس میں 'بان' لاحقہ ہے اور میز وہی چیز ہے جسے انگریزی میں ٹیبل کہتے ہیں ۔ پہلوی میں 'میچ' اور ژندی میں 'میز' ٹیبل کے

لیے آتا ہے - قیاس چاہتا ہے کہ جب فرنگی آئے اور 'چیئر' اور 'ٹیبل' اپنے ساتھ لائے تو ان کے لیے لفظوں کی تلاش ہوئی - 'چیئر' کے واسطے لفظ کرسی پہلے ہی موجود تھا ، ٹیبل کے لیے میز مقرر ہوا ، ورنہ ہندوستان میں نہ میز کا رواج تھا نہ کرسی کا ، بہر حال ان کے لیے ہم فرنگیوں کے ممنون نہیں ہیں -

مرزا محمد حسن قتیل ایک عرضداشت میں جو مرزا سکندر شکوہ کی طرف سے اکبر شاہ ثانی کی خدمت میں سن ۲ جلوس مطابق ۱۲۲۷ھ میں بھیجی گئی ہے ، لکھتے ہیں :

''بالجملہ بعد اختلاط اسباب حاضری بر میچ چیدہ شدہ ، ہمین کہ از چای وغیرہ فارغ شدند درمکان دیگر رفتہ رسم خلعت بعمل آمد -''
(صفحہ ۳۷ ثمرات البدائع ۱۲۷۲ھ)

قولہ ، صفحہ ۲۲ : ''نیلام پرتگالی ہے -''

نیلام جسے لیلام بھی بول دیا جاتا ہے ، پرتگالی کے ذریعے عربی زبان سے آ رہا ہے - پرتگالی میں 'لیلاو' (Leilao) جس کی اور شکلیں Lailan, Laylon, Leylon ہیں جو اپنی عربی اصل 'اعلان' اور 'الاعلان' سے جا ملتی ہیں - انگریزی کی ایک تصنیف 'یو کرونولو جیکو' نوشتہ ۱۵۲۷ع میں اسے Leylam کی شکل میں لکھا ہے ، ہندوستان میں پرتگالی اور دیگر یورپین اقوام کا شروع ہی سے دستور رہا ہے کہ متوفیٰ کا مال و اسباب بذریعہ نیلام فروخت کر دیا جاتا تھا - ۱۵۱۵ع کی ایسی ہی ایک یادداشت محفوظ ہے - (ہوبسن جوبسن صفحہ ٦۲۱) 'پلیٹ' نے Leilam کو پرتگالی بتایا ہے -

قولہ ، صفحہ ۲۲ : ''کمرا اطالی ہے -''

پلیٹ نے Camara پرتگالی[۱] بتایا ہے مگر فارسی میں ایک لفظ 'کمرا' بمعنی طاق و ایوان ملتا ہے جو محراب دار اور خمیدہ ہو -

---

۱ - پرتگالی میں غالباً لاطینی سے آیا ہے - جہاں انھی معنوں میں لفظ 'Camera' موجود ہے - اسی سے محاورہ ''in Camera'' بنا ہے جو انگریزی میں بھی مستعمل ہے اور جس سے مراد 'بند کمرے میں' یا 'خفیہ' ہے - (مرتب)

زردشت کی کتاب 'زدادۂ خود (؟) در باب افلاک' میں ایک فقرہ آتا ہے:
''چرخ ہفتم یعنی ہفت است و بالائے آں کمرائے است کہ ستارۂ استادہ دروست یعنی ایوانی است کہ جای قرار ستارگان بے روش است یعنی ثوابت ۔''

ازرق کا شعر ذیل ملاحظہ ہو :

گہی از گردش کیوان بدریا بر زند کلہ
گہی از گوشۂ گردون بکیوان بربرد کمرا

قولہ ، صفحہ ۲۳ : ''محمد شاہ کے عہد میں ۱۱۴۵ھ میں فضلی تخلص ایک بزرگ نے دہ مجلس لکھی'' اور صفحہ ۲۷ پر فرمایا ہے :
''نثر اردو کی تصنیف ۱۱۴۵ھ سے پہلے نظر نہیں آتی ۔''

مولانا کے اس بیان کا ماخذ غالباً 'تذکرۂ کریم الدین' ہے جس میں فضلی کی 'کربل کتھا' کی تاریخ تصنیف غالباً کسی غلط فہمی کی بنا پر ایک قطعۂ تاریخ کی رو سے ۱۱۴۵ھ درج ہوئی ہے ۔ وہ قطعہ یہ ہے :

یہ جو نسخہ ہوا ہے اب تصنیف
بہر کسب ثواب و فیض بشر
چاہا تاریخ اس کی بولے سروش
''شیعیوں کی نجات کا مظہر''

مصرع آخر مادہ تاریخ معلوم ہوتا ہے جس سے ۲۰۹۶ اعداد برآمد ہو- ⁻ ہیں - ۱۱۴۵ء لفظ مظہر کے اعداد ہیں ۔ بظاہر حال پورا مصرع مادۂ تاریخ ہے ، نہ صرف 'مظہر' ۔ 'مظہر' کو لے لینا اور مصرعے کے باقی الفاظ کو ترک کر دینا بالکل بے قاعدہ اور مستبدانہ فعل ہے ۔ فضلی نے نظر ثانی کی تاریخ ذیل کے فارسی شعر میں دی ہے :

ہر کس از من کند بہ نیکی یاد
بجہان نامش ہم بہ نیکی باد

کریم الدین نے مصرع ثانی کے نیچے ۱۱۶۱ھ تحریر کیے ہیں - حالانکہ تمام شعر مادۂ تاریخ ہے جس سے ۱۱۷۰ھ برآمد ہوتے ہیں - ہمیں بجائے ۱۱۴۵ھ کے نظر ثانی کی تاریخ ۱۱۷۰ھ پر زیادہ اعتبار کرنا چاہیے -

دکنی میں نثر کی متعدد تصنیفات ہیں جو دسویں ، گیارھویں اور بارھویں صدیوں میں مرقوم ہوئیں مگر شمالی ہند میں فضلی کی تالیف سے قبل کی کوئی چیز معلوم نہیں ۔ البتہ اس کے بعد 'تفسیر مرادی' کا نمبر آتا ہے جس کے مصنف مولانا مراد اللہ مراد آبادی ہیں ۔ یہ تفسیر ۱۱۸۳ھ کے آخر اور ۱۱۸۵ھ کے آغاز میں ختم ہوتی ہے ۔ کئی مرتبہ چھپ چکی ہے ۔ نو طرز مرصع' کا نمبر تیسرا ہے جس کے لیے حضرت مولانا کا ارشاد ہے :

قولہ ، صفحہ ۲۶ : ''میر محمد عطا حسین خاں تحسین نے چار درویش کا قصہ اردو زبان میں لکھ کر 'نو طرز مرصع' نام رکھا ۔ شجاع الدولہ کے عہد میں تصنیف شروع ہوئی ۔ ۱۲۱۳ھ ۔ ۹۸-۱ع نواب آصف الدولہ کے عہد میں ختم ہوئی ۔''

حضرت مولانا نے جو تاریخ اختتام کتاب دی ہے ، غلط معلوم ہوتی ہے ۔ اس کا قصہ یوں ہے کہ جب تحسین فیض آباد آ کر نواب شجاع الدولہ کی سرکار میں ملازم ہو گئے ، آنھوں نے اپنے مجوزہ ترجمۂ 'چہار درویش' کا کچھ حصہ تیار کرکے نواب کو سنایا ۔ شجاع الدولہ کو پسند آیا اور اس کے ختم کرنے کی فرمائش کی ۔ تحسین اپنے کام میں مصروف ہو گئے ۔ جب ترجمہ مکمل ہو کر نواب کی خدمت میں پیش کیے جانے کے واسطے تیار ہوا ، اتفاقاً شجاع الدولہ اسی سال یعنی ۱۱۸۸ھ میں راہگرائے عالم جاودانی ہو گئے ۔ اس سانحے کی وجہ سے مصنف کو کچھ عرصہ خاموش رہنا پڑا ۔ پھر دیباچۂ کتاب میں ایک قصیدہ نواب آصف الدولہ کی تعریف میں اضافہ کرکے کتاب ہذا ان کی خدمت میں گزرانی ۔ ظاہر ہے کہ یہ امر نواب آصف الدولہ کی نوابی کے ابتدائی سالوں میں قیاساً ۱۱۸۸ و ۱۱۹۲ھ کے مابین وقوع پذیر ہو سکتا ہے ، نہ ۱۲۱۳ھ میں جو آصف الدولہ کی وفات سے بھی بعد کا سال ہے ۔ نواب آصف الدولہ ۱۲۱۲ھ میں وفات پاتے ہیں ۔

'نو طرز مرصع' کا ایک مخطوطہ جو میرے مجموعۂ کتب میں شامل ہے ، اس پر دو خاتمے ہیں ۔ خاتمۂ الف میں تاریخ کتابت ''بازدہم شہر شعبان المعظم روز چہار شنبہ اور سال ہجری ۱۲۰۹ فصلی'' درج ہے ۔

خاتمۂ ب میں ''روز یکشنبہ غرہ ماہ رجب المرجب ۱۲۱۳ھ'' مرقوم ہے اور کسی انگریز جیمز مارٹن کے واسطے نقل ہوا ہے اور مصنف کا نام حسین عطا خاں مذکور ہے اور اس نام کی یہی قدیم شکل ہے۔ میرا مطلب ہے کہ 'حسین' 'عطا' پر مقدم ہے۔

قولہ، صفحہ ۲۵: ''زبان اردو کی عام فہمی دیکھ کر مذہب نے بھی
اپنی برکت کا ہاتھ اس کے سر پر رکھا یعنی ۱۲۲۲ھ—۱۸۰۷ء میں مولوی شاہ عبدالقادر نے قرآن شریف کا ترجمہ اردو میں کیا۔ بعد اس کے مولوی اسماعیل صاحب نے بعض رسالے اہل اسلام کی فہمایش کے لیے اردو میں لکھے۔''

شاہ عبدالقادر صاحب نے اپنے ترجمے کی تاریخ اس کے دیباچے میں ۱۲۰۵ھ دی ہے، جو ۱۷۹۰ء کے مطابق ہے۔ اس ترجمے کا نام ''موضح القرآن'' ہے جو تاریخی مادہ معلوم ہوتا ہے۔ اس سے ۱۲۳۶ برآمد ہوتے ہیں، لیکن یہ عدد نہ شاہ صاحب کی بیان کردہ تاریخ کے مطابق ہیں، نہ مولانا کے ذکر کردہ سال سے ملتے ہیں۔ کافی غور کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ حضرت مترجم نے یہ نام 'موضح قرآن'[1] رکھا ہوگا جس سے ۱۲۰۵ھ نکلتے ہیں، نہ ''موضح القرآن'' جس میں الف لام اضافہ کرنے سے ہم ایک عالمگیر غلطی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں دیکھا جاتا ہے کہ عام طور پر ''موضح القرآن'' لکھا گیا ہے، حتیٰ کہ دہلی[2] کے شاہی کتب خانے سے شاہ صاحب کا جو ترجمہ انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہے، اس پر بھی صاف 'موضح القرآن' درج ہے۔ (ملاحظہ ہو فہرست ہندوستانی مخطوطات از بلوم ہارٹ صفحہ ۳ و صفحہ ۵)۔

قولہ، صفحہ ۲۷: ''امیر خسرو نے کہ جن کی طبیعت اختراع میں اعلیٰ

---

۱ - انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں 'موضح قرآن' ہی دیا گیا ہے۔ مولوی محمد شفیع مرحوم نے جو یہ مضمون شائع ہوتے وقت اورینٹل کالج میگزین کے ایڈیٹر تھے۔ حاشیے پر یہ نوٹ دیا ہے۔ (مرتب)

۲ - شاہان مغلیہ کے کتب خانے کا بڑا حصہ لارڈ کیننگ نے ۱۸۵۸ء میں لندن منتقل کر دیا تھا جو اب انڈیا آفس میں موجود ہے۔

درجہ صنعت و ایجاد کا رکھتی تھی ، ملک سخن میں برج بھاشا کی ترکیب سے ایک طلسم خانہ انشا پردازی کا کھولا۔ خالق باری جس کا اختصار آج تک بچوں کا وظیفہ ہے ، کئی بڑی بڑی جلدوں میں تھی - اس میں فارسی بحروں نے اول اول اثر کیا -''

اور صفحہ ۷۷ پر چمو کے قصے میں لکھا ہے :

''بھٹیاری کے لڑکے کے لیے 'خالق باری' لکھ دی -''

مولانا کا یہ ارشاد کہ 'خالق باری' کئی بڑی بڑی جلدوں میں تھی اور ایک بھٹیاری کے لونڈے کے لیے لکھی گئی تھی ، محض تخیل کی پرواز ہے - اس بیان کے لیے کوئی تاریخی یا روایتی سند ہمارے پاس موجود نہیں - علاوہ بریں فارسی اوزان میں اس کے اشعار کا پایا جانا اس کے جدید التالیف ہونے کی طرف دلالت کرتا ہے -

'خالق باری' کے متعلق میں اور موقعوں پر کافی بحث کر چکا ہوں[1] یہاں صرف اسی قدر کہنا چاہتا ہوں کہ 'خالق باری' کتب نصاب الاطفال سے تعلق رکھتی ہے - شرع کی رو سے دوسو سوا دوسو درہم کا مالک صاحب نصاب کہلاتا ہے - چونکہ یہ کتابیں بالعموم دوسو سوا دوسو اشعار پر شامل ہوتی ہیں اس لیے کتب نصاب کے نام سے یاد کی جاتی ہیں ، ابو نصر فراہی نے ۶۱۷ ہجری میں 'نصاب الصبیان' تالیف کی تھی - اس کی مقبولیت دیکھ کر بیسیوں کتابیں اس کی تقلید میں لکھی گئیں - اور ہم لک سے قطع نظر ہندوستان میں جو نصاب تیار ہوئے ، ان میں سب سے قدیم خود حضرت امیر خسرو کا 'بدیع النصاب' ہے جس کی ابتدا ہے :

مصر شہر و شہر ماہ و مآ آب و خوف سہم

سہم تیر و اجنحہ چہ بال باشد بال جان

یہ نصاب برابر درس میں شامل رہا ہے - 'نصیب اخوان' ایک اور نصاب ہے جو مطہر کڑا شاعر مشہور مداح فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ و ۷۹۰ھ) کی تصنیف ہے -

'قنیۃالفتیان' از شیخ صدر الدین بن بدرالدین بھی ایک قدیم

---

۱ - ملاحظہ ہو مضمون 'خالق باری -' (مرتب)

لصاب ہے ۔ 'نصاب مثلث' یا 'نصاب‌الاخوان' مولانا بدیعی کی ملک ہے ، اسی لیے اسے 'نصاب بدیعی' بھی کہتے ہیں ۔ چنانچہ شعر ذیل :

این چنین شعری بدیعی را بدیعی نظم کرد
تا بود در روزگار از وی ہمی نام و نشان

چونکہ یہ نصاب امیر خسرو کے نصاب مذکورہ بالا کے ساتھ برابر درس میں داخل رہا ہے اور پڑھا گیا ہے اس لیے متاخرین میں یہ عقیدہ واسخ ہو گیا کہ 'نصاب بدیعی' بھی حضرت امیر خسرو کی تالیف ہے ۔ مگر صحیح یہی ہے کہ مولانا بدیعی کی ملک ہے ۔ ان نصابوں کی تعلیمی زبان فارسی ہے اور مقصد عربی الفاظ کا سکھانا ہے ۔

'خالق باری' کو حضرت امیر کی طرف منسوب کرنے میں ہمیں کئی امور مانع آتے ہیں ؛ ایک تو یہ کہ اس کی تعلیمی زبان یا زبان تشریحی اس عہد کے دستور کے مطابق فارسی نہیں جیسا کہ دیگر نصابوں میں دیکھی جاتی ہے ۔ اب امیر خسرو کو کیا ضرورت پیش آئی تھی کہ خلاف روش زمانہ ایک نصاب ہندی زبان میں تیار کرتے اور اگر تیار کرتے تو اس زمانے کے اساتذہ اور پبلک کیوں تسلیم کرتی ۔ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ ہندی نصابوں کا بھی رواج تھا یا شروع ہو گیا تھا تو ہمیں ایسے ہندی نصاب اور بھی ملتے ۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ 'خالق باری' کے بعد سب سے قدیم نصاب جو ہمیں ملتا ہے وہ 'اللہ خدائی' ہے جو شاہجہان کے زمانے میں ۱۰۶۰ھ یا ۱۰۶۶ھ میں تالیف ہوتا ہے اور آٹھویں ، نویں اور دسویں صدی کا کوئی نصاب نظر نہیں آتا ۔ اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ 'خالق باری' گیارھویں صدی کی ابتدا یا دسویں صدی کے آخر میں کسی وقت لکھی گئی ہو[۱] ۔ اس کی تقلید میں

۱ ۔ سید ہاشمی صاحب فرید آبادی مرحوم ''تاریخ انجمن ترقی اردو'' میں رقم طراز ہیں :

''گیارھویں صدی ہجری کی ایک مشہور کتاب 'خالق باری' کا جو شمالی ہند میں تصنیف ہوئی ، یہاں ذکر کر دینا چاہیے ؛ اسے امیر خسرو سے منسوب کیا جاتا تھا ۔ پروفیسر محمود شیرانی مرحوم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲ پر)

اردو کے دو ، اور اگر پنجابی نصابوں کو بھی شامل کر لیا جائے ، تین چار اور نصاب ہمیں گیارھویں صدی میں ملتے ہیں - بارھویں صدی میں متعدد اور تیرھویں صدی میں تو بے شمار نظر آتے ہیں -

'خالق باری' کا نصاب بغیر کسی فرہنگ کی امداد کے تیار نہیں ہو سکتا - سرسری مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی تالیف میں کسی ایسی فرہنگ سے امداد لی گئی ہے جو اکبر کے عہد سے قبل ہندوستان میں تیار ہوئی ہے - یوں تو ایک درجن سے زیادہ کتب لغات ہیں جو مغلوں کی آمد سے پہلے آٹھویں اور نویں صدیوں میں مرقوم ہوئی ہیں ، مگر ان سب میں 'خالق باری' کا قریبی تعلق 'موید الفضلا' سے ہوتا ہے جو ۹۲۵ھ کی تصنیف ہے - 'موید' کا ذ تو 'خالق باری' میں کئی موقعوں پر دیکھا جا سکتا ہے - مثلاً 'موید' کی پیش رو فرہنگوں میں 'فلفل' کا لفظ موجود ہے لیکن ان فرہنگوں میں اس کی تقسیم بہ اعتبار شکل یعنی گولائی و لمبائی نہیں کی گئی - 'موید' میں اس لفظ کی تشریح یوں دی ہے :

''بکسر پلپل گرد کہ آنرا ہندی مرچ گویند - دوم پلپل دراز و آنرا ہندوی پلپل گویند -''

'خالق باری' میں تقریباً یہی الفاظ دہرائے گئے ہیں - چنانچہ :

''ہندوی پلپل بود فلفل دراز مرچ فلفل گرد را گویند باز''

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦١ سے)

نے آسی ژرف نگاہی سے جو آن کا حصہ تھی ، اسے مطالعہ کیا اور بتایا کہ 'خالق باری' کی زبان اکبر و جہانگیر کے عہد سے پہلے کی نہیں ہو سکتی - اس تحقیقی مقالے کی اشاعت کے تھوڑے ہی دن بعد جناب مولوی صاحب کو 'خالق باری' کا ایک قدیم نسخہ ملا جس میں مولف کا نام ضیاءالدین خسرو شاہ اور سن تصنیف ۱۰۳۱ھ تحریر تھا - اس نے شیرانی مرحوم کی حیرت انگیز بصیرت اور تحقیق کو قطعی طور پر ثابت کر دیا - پھر انھی کی تصحیح اور مقدمے کے ساتھ یہ کتاب انجمن ترقی اردو نے شائع کر دی -'' (صفحہ ۲۷۷) (مرتب)

اسی طرح 'مویدالفضلا' میں فارسی لفظ 'نیا' کے معنی 'ماموں' بھی دیے ہیں جو عہد مغلیہ کی لغات میں نظر نہیں آتے۔ 'خالق باری' میں بھی یہی معنی دیے ہیں۔ چنانچہ : ع

نیا خال ہندوی ماموں جان

'خالق باری' کے مصرع ذیل میں تدرو کو کبک کا مرادف بتایا گیا ہے : ع

فارسی سیمرغ عنقا ہے ، تدرو و کبک ہنس

حالانکہ دونوں پرندے مختلف ہیں مگر 'موید الفضلا' میں دونوں کو ایک مانا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :

''تدرو بفتحتین کبک و آں پرندہ ایست آتش خوار و خوش رفتار کہ بکوہہا بود۔''

اب ظاہر ہے کہ 'خالق باری' دونوں پرندوں کو ایک ماننے میں 'موید الفضلا' کی تقلید کر رہی ہے۔ ادھر امیر خسرو کے نزدیک تدرو اور ہے اور کبک اور ہے جیسا کہ ان کی تصنیف 'قران السعدین' سے ظاہر ہوتا ہے۔ و ھو ھذا :

آنکہ پریدی ز پر خود تدرو ماند چو پر گم شدگان زیر سرو
لالہ چو از کوہ برفت از شکوہ کبک ببرید دل از بیخ کوہ
(صفحہ ۴۷ طبع میر حسن رضوی)

'قران السعدین' میں دونوں شعر اسی ترتیب سے بلا فصل آ رہے ہیں ، جس سے اس قیاس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ حضرت امیر کے نزدیک کبک اور تدرو دو مختلف پرندے ہیں۔

ان مثالوں سے جہاں ایک طرف یہ واضح ہوتا ہے کہ 'خالق باری' کا ماخذ 'مویدالفضلا' ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امیر خسرو سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اس بیان کے لیے کہ 'خالق باری' کئی بڑی بڑی جلدوں میں تھی ، ہمیں کوئی تائیدی ماخذ معلوم نہیں۔ مروجہ خالق باریوں میں ایک سو اکانوے اشعار ملتے ہیں۔ اس کی زبان میں بہت کچھ ترمیم کر دی گئی

ہے اور قدیم الفاظ اور تراکیب کو بڑی حد تک صاف کر دیا گیا ہے ۔ قلمی نسخوں میں سب سے اہم نسخہ ۱۰۸۳ھ کتبخانہ انڈیا آفس ہے ، جس کا نام 'مطبوع الصبیان' اور اٹھاون فصلوں میں منقسم ہے ۔ ق فصل چار شعر جس سے کل اشعار کی تعداد دو سو بتیس بنتی ہے ۔ 'خالق باری' کے قلمی نسخوں میں اشعار کی تعداد مختلف ہے ۔ ۱۱۳۵ھ کے نوشتہ ایک نسخے میں ایک سو ستر شعر ہیں ۔ ایک اور قدیم نسخے میں ایک سو اکانوے ہیں ۔ 'خالق باری' کا سب سے پہلا حوالہ سراج الدین علی خاں آرزو (متوفی ۱۱۶۹ھ) کی تالیف 'نوادرالالفاظ' یا 'غرائب اللغات' میں آتا ہے ۔ یہ صرف بارھویں صدی ہجری کی روایت ہے ، جو 'خالق باری' کو حضرت امیر خسرو کی طرف منسوب کرتی ہے ورنہ اس سے پیشتر کی صدیوں میں کوئی اس کا ذکر تک نہیں کرتا ۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم اس معاملے میں غلط فہمی سے کام لے رہے ہیں ۔ ہمیں ایک خسرو کی بجائے دو خسروؤں کے نظریے کو ماننا چاہیے اور کہنا چاہیے کہ جدید مگر گمنام خسرو کے اس کارنامے کو لے کر پبلک نے نہایت مشہور امیر خسرو (متوفیٰ ۷۲۵ھ) کی طرف منتقل کر دیا ۔

قولہ ، صفحہ ۷۷ : ''محلے کے سرے پر ایک بڑھیا ساقن کی دکان تھی ۔ چمو اس کا نام تھا ۔ شہر کے بیہودہ لوگ وہاں بھنگ چرس پیا کرتے تھے ۔ جب یہ (امیر خسرو) دربار سے پھر کر آتے یا تفریحاً گھر سے نکلتے تو وہ بھی سلام کرتی ۔ کبھی کبھی حقہ بھر کر سامنے لے کر کھڑی ہوتی ۔ یہ بھی اس کی دل شکنی کا خیال کرکے دو گھونٹ لے لیا کرتے ۔''

بعض لوگ امیر خسرو کو بھنگڑوں اور چرسیوں کی صف میں کھڑا دیکھ کر معترض ہوں گے مگر قصے کا نا قابل قبول حصہ وہ ہے جس میں چمو ساقن حقہ بھر کر امیر کی خدمت میں لاتی ہے ۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے قدیم زمانے میں جیسا کہ امیر خسرو کا ہے ، حقہ موجود تھا ؟ بلکہ حقے کا وجود تمباکو کا تابع ہے ۔ حضرت مولانا صفحہ ۲۳ پر معترف ہیں کہ : ''تمباکو امریکہ کا لفظ ہے ۔ یورپ کے

راستے ہو کر اکبر کے عہد میں یہاں پہنچا ۔''

تمباکو پرتگالیوں کی وساطت سے ہندوستان میں آتی ہے ۔ جزائر ہند اور دکن میں پہلے پہنچتی ہے ۔ لیکن شمالی ہندوستان میں اواخر عہد اکبری تک نہیں پہنچتی ۔ ابوالفضل کا ملازم اسد بیگ جو سترہ سال تک اس کی خدمت میں رہا ، اپنی وقایع میں لکھتا ہے کہ ۱۰۱۳ھ کے قریب اکبر بادشاہ اس کو دکن بھیجتا ہے ۔ قیام بیجا پور کے زمانے میں اس نے تمباکو دیکھی جو ہندوستان میں بالکل نا معلوم تھی ۔ اسد بیگ کا بیان ہے کہ میں نے تمباکو کی ایک مقدار خرید لی ۔ ایک جڑاؤ حقہ تیار کروایا ۔ آچین کی ساخت کا نہایت اعلیٰ نیچہ حاصل کیا جو تین ہاتھ لمبا تھا ۔ اس پر مینا کاری ہو رہی تھی اور جواہرات جڑے تھے ۔ عقیق یمنی کی ایک خوبصورت منہال خریدی ۔ سونے کی چلم تیار کرائی ، چاندی کی بے لی جس پر مخمل چڑھی تھی ۔ یہ ان چیزوں کو سلیقے سے لگا کر اکبر بادشاہ کی خدمت میں مع دیگر تحائف کے لے گیا ۔ جب بادشاہ کی نگاہ حقے پر پڑی ، حیران ہوا ؛ غور سے تمباکو کو دیکھنے لگا ، جو ایک ایک چلم کی مقدار میں علیحدہ جالی رکھی تھی ۔ اس نے دریافت کیا ، خان اعظم نے عرض کی ، اس کا نام تمباکو ہے جو مکے اور مدینے میں رائج ہے اور اعلیٰ حضرت کے واسطے بطور دوا لائی گئی ہے ۔ اس پر بادشاہ نے مجھے حقہ بھرنے کا حکم دیا ۔ جب حقہ میں نے تیار کر لیا ، لا کر سامنے رکھا ، اعلیٰ حضرت نے پینا شروع کیا ، اُدھر شاہی حکیم نے آ کر منع کرنا شروع کیا ۔ مگر اعلیٰ حضرت نے نہ مانا اور فرمایا مجھے اسد بیگ کی خاطر سے پینا چاہیے ۔ یہ کہہ کر منہال منہ میں لی اور دو تین کش نکالے ۔ اس کے بعد خان اعظم کی طرف حقہ کر دیا ۔ اس نے بھی دو تین گھونٹ لیے ۔

اسد بیگ کا بیان ہے کہ میں تمباکو اور حقے کافی مقدار میں لایا تھا ۔ میں نے تھوڑی تھوڑی تمباکو اور ایک ایک حقہ مختلف امراء کی خدمت میں بھیج دیا ۔ انہیں ایسا شوق لگا کہ ہر امیر نے تمباکو پینی شروع کر دی ۔ رفتہ رفتہ اس کی تجارت ہونے لگی اور تمباکو کا عام

رواج ہو گیا ، مگر اعلیٰ حضرت نے اس کی کبھی عادت نہیں ڈالی ۔

اسی زمانے کے قریب نظیری نیشاپوری جو احمد آباد گجرات میں مقیم ہے اور تمباکو کا شیدائی معلوم ہوتا ہے ، اس کی تعریف میں ایک غزل لکھتا ہے ، جس کے چند شعر یہاں درج ہوتے ہیں :

نے سنبل تنباکوی نہ آتش رخسارۂ
دل بوی خامی میدہد بیداغ آتش پارۂ
مردم گیا از چین محر تنباکو آچین بخر
ہم مایۂ بیاپۂ ہم چارۂ بیچارۂ
خواہم دہد وجد آنقدر جام و نے تنباکویم
کافتم بطاق ابروے چون نرگس خمارۂ
اندر کمند دود او کز سنبل دلجویہ است
ہمچون کلیم افتادہ ام اندر دم مارۂ

قولہ ، **صفحہ ۹۷** : دکن میں ایک سعدی گزرے ہیں ۔ ان کا فقط اتنا حال معلوم ہے کہ اپنے تئیں ہندوستان کا سعدی شیرازی سمجھتے تھے ، اور تعجب ہے کہ مرزا رفیع سودا نے اپنے تذکرے میں ان کے اشعار مندرجۂ ذیل کو شیخ سعدی شیرازی ہی کے نام پر لکھا ہے ۔''

اس عبارت سے بظاہر یہی مفہوم ہوگا کہ سودا کا تذکرہ مولانا کی نظر سے گزرا ہے مگر حقیقت نفس‌الامر یہ ہے کہ نہیں گزرا ۔ اور ہمیں تو شک ہے کہ اس کا وجود بھی ہے یا نہیں ۔ خود مولانا اس کو 'نایاب' کہہ رہے ہیں (صفحہ ۱۵۵ آب حیات) ۔ لیکن مولانا کا بیان قاسم کے اس بیان کے اعتبار پر مبنی ہے :

''مظنۂ بیشتری از سخن پیرا خصوص سرآمد شعرای فصاحت آما مرزا محمد رفیع سودا نظر بر اتحاد تخلص آنکہ این سعدی ہمان سعدی شیرازی قدس سرہ کہ وارد دیار دکن شدہ و شعر ریختہ از طبع وقاد آن قدوۂ متغزلان ریختہ ۔ چنانچہ در تذکرۂ خود اشعار این سعدی دکنی را عفی اللہ عنہ بہ شیخ شیراز علیہ‌الرحمۃ والغفران نسبت نمودہ ۔''
(مجموعۂ نغز ، صفحہ ۲۹۸)

ولی

مولانا آزاد آن کا نام 'شمس ولی اللہ' لکھتے ہیں (صفحہ ۹۸ ، آبحیات)۔ ان کے مقلد حکیم عبدالحی صاحب نے شمس‌الدین لقب اور ولی اللہ نام دیا ہے ۔ معلوم نہیں ان بزرگوں نے شمس اور شمس‌الدین کس بنا[1] پر رکھا ہے ۔ 'مخزن نکات' ، 'تذکرۂ گلزار ابراہیم' ، 'تذکرۂ گلشن ہند' و تذکرۂ شعرائے اردو' میں شاہ ولی اللہ درج ہے ۔ مگر گردیزی ، شفیق ، مصحفی اور قدرت اللہ قاسم نے محمد ولی لکھا ہے ۔ ان سب سے قدیم سند ہمارے پاس ثناءاللہ فانی کی ہے جو ۸ سن جلوس محمد شاہ میں ولی کے دیوان کی ایک نقل تیار کرتا ہے اور شاعر کا نام سید ولی محمد تحریر کرتا ہے ۔ ثناءاللہ فانی اپنا خاتمہ بدیں الفاظ لکھتا ہے :

''دیوان اشعار ولی مسمی سید ولی محمد مرحوم بتاریخ چہاردہم شہر محرم‌الحرام ۸ سن از جلوس میمنت مانوس محمد شاہ بادشاہ غازی خلداللہ تعالیٰ ملکہ و سلطانہ روز چہار شنبہ وقت چاشت در بلدۂ خیرالبلاد احمد آباد حمیت عن‌الفساد ، بخط فقیر حقیر اضعف‌العباد کاسب محبوب سبحانی نمود ہی بود ثناءاللہ فانی سمت انجام و صورت اتمام پذیرفت ۔''

فانی کے بیان پر اشتباہ کرنے کی ہمیں کوئی وجہ معلوم نہیں ۔ وہ ولی سے یقیناً واقف معلوم ہوتا ہے ۔ اسے سید بھی لکھ رہا ہے اور مرحوم بھی ۔ جو لوگ ہمارے شاعر کو شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں وہ شاید ایک اور شاعر شاہ ولی اللہ اشتیاق کے ساتھ التباس کر رہے ہیں ۔

قولہ ، صفحہ ۹۰ : ''ولی ، احمد آباد گجرات کے رہنے والے تھے ۔'' اور حاشیے میں اضافہ کیا ہے : ''دیکھو تذکرۂ حکیم قدرۃ اللہ خاں قاسم ۔

---

۱ ۔ غالباً ولی کے نام کے سلسلے میں مولانا آزاد نے تذکرہ طبقات اشعرائے ہند کی پیروی کی ہے جہاں یوں درج ہے :

''شمس ولی اللہ : یہ شخص درمیان دکن کے تھا ، اوس کو ولی اللہ کہتے ہیں ۔ تخلص اوس کا ولی ہے ۔''

(صفحہ ۳۸ ، 'تذکرۂ طبقات الشعرائے ہند' کریم الدین) مرتب ۔

مگر تعجب ہے کہ میر تقی نے اپنے تذکرے میں اورنگ آبادی لکھا ہے۔''

سند میں تذکرۂ حکیم قدرۃ اللہ خاں قاسم یعنی 'مجموعۂ نغز' کا حوالہ دیا ہے ، لیکن اس موقع پر مولانا کو سہو ہوا ہے ، کیونکہ 'مجموعۂ نغز' میں ولی کو دکنی لکھا گیا ہے ، چنانچہ :

''وی عزیزی بود از سکنۂ دیار دکن و مریدان شاہ سعداللہ گلشن۔''
(صفحہ ۲۹۶ ، جلد ۲ ، مجموعۂ نغز)

قولہ ، صفحہ ۹۴ : ''ابتدائے عہد ، شاید عالمگیر کا آخری زمانہ ہوگا اور وہ مع اپنے دیوان کے سن ۳ محمد شاہی میں دلی میں پہنچے۔''

سن ۳ جلوس محمد شاہی ۱۱۳۳ ہجری کے مطابق ہے۔ ولی کا اس سال دہلی آنا کجا ، وہ تو اس سے پندرہ سال قبل یعنی ۱۱۱۹ھ میں انتقال کر چکے ہیں۔

ولی کا قطعہ وفات از مولوی حسن مفتی بقول مولانا عبدالحق ایک قلمی نسخۂ دیوان ولی نشان ۲۷۰۹ کتب خانۂ جامع مسجد بمبئی نوشتہ ۱۱۵۲ھ میں جو راقم کی نظر سے بھی گزر چکا ہے ، حسب ذیل مرقوم ہے :

مطلع دیوان عشق سید ارباب دل
والی ملک سخن صاحب عرفان ولی
سال وفاتش خرد از سر الہام گفت
باد پناہ ولی ساقی کوثر علی

مصرع آخر سے ۱۱۱۹ھ برآمد ہوتے ہیں۔ ۳ سنہ بلکہ ۲ سنہ جلوس محمد شاہی شاہ حاتم کی سند پر مصحفی نے دہلی میں ولی کے دیوان کی آمد کی تاریخ دی ہے۔ چنانچہ تذکرۂ ہندی :

''**روزی پیش فقیر نقل میکرد کہ در سن دویم فردوس آرامگاہ دیوان ولی در شاہجہان آباد آمدہ و شعارش بر زبان خورد و بزرگ جاری گشتہ۔''** (صفحہ ۸۰ ، تذکرۂ ہندی از مصحفی)

مجھے ایسا گمان ہوتا ہے کہ مصحفی کا جو نسخہ حضرت مولانا کے پاس تھا اس میں کاتب سے 'دیوان' کا لفظ کتابت میں رہ گیا ہے ، جس سے جملے کا مطلب یہ ہو گیا کہ خود ولی دلی آئے تھے ۔

قولہ ، صفحہ ۴۹ : ''کبھی کبھی خواجہ حافظ کی طرح بادشاہ وقت کے نام سے اپنے شعر کو شان و شکوہ دیتے تھے ۔ چنانچہ ولی کی تصنیفات میں سے ایک غزل میں کہتے ہیں :

دل ولی کا لے لیا دلی نے چھین
جا کہو کوئی محمد شاہ سوں''

'گل رعنا' میں حکیم عبدالحی بھی مولانا کے ہم آواز ہیں ، لیکن شعر ہذا نہ ولی کی ملک ہے اور نہ دیوان ولی میں موجود ہے ۔ یہی شعر کسی قدر اختلاف کے ساتھ شفیق اورنگ آبادی نے 'چمنستان شعرا' میں شرف‌الدین کے 'نمونۂ کلام میں درج کیا ہے ۔ چنانچہ :

اس گدا کا دل لیا دلی نیں چھین
کوئی کہو جا کر محمد شاہ سوں''

(صفحہ ۲۵۵ 'چمنستان شعرا')

ولی کے متعلق مولانا کا بیان ذیل جو میر تقی میر کے 'نکات الشعرا' پر مبنی کہا جاتا ہے ، جناب مرتب 'نکات الشعرا' نے بے اصل مانا ہے :

''ولی کہ بنی نوع شعرا کا آدم ہے اس کے حق میں (میر صاحب) فرماتے ہیں : ''ولی شاعری است از شیطان مشہورتر'' ۔ میر خاں کمترین اسی زمانے میں ایک قدیمی شاعر دلی کے تھے ۔ انہیں اس فقرے پر بڑا غصہ آیا ۔ ایک نظم میں اول بہت کچھ کہا ، آخر میں آ کر کہتے ہیں : ع

ولی پر جو سخن لائے اسے شیطان کہتے ہیں''

'نکات الشعرا' چھپ گیا ہے ۔ شیطان والا فقرہ بے شک اس میں موجود نہیں لیکن مولانا آزاد کا بیان حکیم قدرت اللہ خاں قاسم کے بیانات ذیل سے ماخوذ ہے :

''در تذکرۂ خود ہمہ کس را بہ بدی یاد کردہ ۔ در حق شاعر شان جلی المخلص بہ ولی نوشتہ کہ وی شاعریست از شیطان

مشہور تر و سزای این کردار ناہنجار از کمترین شاعر بواجبی یافتہ کہ وے ہجو ہای متعددۂ او کردہ ۔''
(صفحہ ۲۳۰ جلد ۲ مجموعۂ نغز)

''حقش بر جملہ سخن پردازان ہندی زبان ثابت است و سخن بر سخنش ابلیس منشی و شیطنت پر خن کمترین خداش بیا مرزد بسیار بموقع و بجا گفتہ کہ : ع

ولی ہر جو سخن لاوے اسے شیطان کہتے ہیں ۔''
(صفحہ ۲۹۷ ، جلد ۲)

'نکات الشعرا' مولانا کی نظر سے نہیں گزرا لیکن یہاں انھوں نے جو کچھ لکھا ہے ، قاسم کی سند پر لکھا ہے ۔

ایک امر قابل گذارش یہ ہے کہ کمترین کا نام مولانا نے میرخاں تحریر کیا ہے مگر مولانا کے اصل مأخذ 'مجموعۂ نغز' میں پیر خاں مسطور ہے ۔

قولہ ، صفحہ ۱۰۲ : ''خدمتگار خان بادشاہی خواجہ سرا تھا اور سرکار شاہی میں بڑا صاحب اختیار تھا ۔ اکثر بادشاہی نوکر اس کی سخت گیری اور بدمزاجی سے دق رہتے تھے ۔ انہیں بھی (شاہ آبرو کو) اس سے کام پڑتا تھا ۔ کبھی آسانی سے مطلب نکل آتا تھا ، کبھی دشواری سے ۔ چنانچہ ایک موقع پر یہ شعر کہا :

یارو خدمتگار خاں خوجوں کے بیچ
ہے تو مستثنٰی ولیکن منقطع''

شعر ہذا ظن غالب ہے 'مجموعۂ نغز' سے لیا گیا ہے جہاں بغیر کسی رائے زنی کے درج ہوا ہے ۔ مولانا نے اس کی جو شان نزول دی ہے وہ کسی تاریخی اطلاع پر مبنی نہیں ہے بلکہ قیاسی ہے ۔ خدمتگار خاں تاریخ میں حافظ خدمتگار خاں مشہور ہے ۔ وہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کا خواجہ سرا ہے ۔ محمد شاہی دور میں بھی متعدد خدمات مثلاً صرف خاص و داروغگی رسالۂ عنبری پر سرفراز تھا اور سن ۱۴ جلوس محمد شاہی میں وفات پاتا ہے ۔ (تاریخ مظفری)

قولہ ، صفحہ ۱۰۷ ، بذیل محمد شاکر ناجی : ''نادری چڑھائی اور محمد شاہی لشکر کی تباہی میں خود شامل تھے ۔ اس وقت دربار دہلی کا رنگ شرفا کی خواری ، پاجیوں کی گرم بازاری اور اس پر ہندوستانیوں کی آرام طلبی اور ناز پروری کو ایک طولانی مخمس میں دکھایا ہے ۔ افسوس کہ اس وقت دو بند اس کے ہاتھ آئے ۔''

یہاں مولانا کا ماخذ یقیناً 'مجموعۂ نغز' ہے جس کی عبارت اور مطالب کسی قدر مختلف ہے و ھو ہذا :

''و دو بند مخمس کہ در احوال یورش طہماسپ قلی نادر بر ہندوستان جنت نشان و پاشان شدن لشکر پادشاہی بنا بر کینہ توزی سران نفاق پیشہ و سپاہ آرام طلب تزئین اندیشہ گفتہ و ابن احقر برآں دست یافتہ رقم زدہ کلک وقائع سلک می شود ۔''

(مجموعۂ نغز ، جلد دوم ، صفحہ ۲۵۷)

مولانا اس کو ایک طولانی مخمس بیان کرتے ہیں جس سے گمان ہوتا ہے کہ یہ مخمس ان کی نظر سے گزرا ہے اور اس طولانی مخمس کا مضمون دربار دہلی کا رنگ ، شرفا کی خواری ، پاجیوں کی گرم بازاری اور ہندیوں کی آرام طلبی اور ناز پروردگی وغیرہ ہے ۔ لیکن 'مجموعۂ نغز' سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس مخمس میں نادر کے حملے اور شاہی امرا کی باہمی عداوت اور سپاہیوں کی آرام طلبی کا مذکور آتا ہے ۔

قولہ ، صفحہ ۱۰۷ ، بذیل محمد احسن احسن : ''احسن تخلص محمد احسن نام ۔''

لیکن 'مجموعۂ نغز' میں (صفحہ ۵۲ ، جلد اول) محمد احسن اللہ گردیزی صفحہ ۱۸ ، 'مخزن نکات' صفحہ ۲۲ ، 'چمنستان شعرا' صفحہ ۲۳ اور 'تذکرۂ گلزار ابراہیم' صفحہ ۳۳ میں احسن اللہ ۔ 'نکات الشعرا' صفحہ ۲۸ اور 'تذکرۂ شعرائے اردو' صفحہ ۵۴ میں میاں احسن اللہ ہے ، جس سے ظاہر ہے کہ شاعر کا نام احسن اللہ ہے ۔ ان کے ایک شعر سے بھی جو مولانا نے صفحہ ۱۰۸ پر نقل کیا ہے ، یہی ثابت ہوتا ہے ۔ چنانچہ :

یہی مضمون خط ہے احسن اللہ   کہ حسن خوبرویاں عارضی ہے

اشرف علی خاں فغاں

قولہ ، صفحہ ۱۲۹ : ''مصحفی نے اپنے تذکرے میں قزلباش خاں اُمید کا شاگرد لکھا ہے ، مگر ان کی اردو ابھی سن چکے ہیں ۔ شاید فارسی میں اصلاح لی ہو ۔ 'گلزار ابراہیمی' میں لکھا ہے کہ ندیم کے شاگرد تھے اور خود بھی جا بجا کہتے ہیں :

ہر چند اب ندیم کا شاگرد ہے فغاں
دو دن کے بعد دیکھیے اُستاد ہو گیا

دشت جنوں میں کیوں نہ پھروں میں برہنہ پا
اب تو فغاں ندیم مرا رہنما ہوا''

صاحب 'گل رعنا' کہتے ہیں :

''آبحیات' میں 'تذکرۂ مصحفی' کے حوالے سے لکھا ہے کہ قزلباش خاں اُمید کے شاگرد تھے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ آزاد نے مصحفی کا تذکرہ نہیں دیکھا ......میر تقی میر نے بھی ان کو قزلباش خاں اُمید کا شاگرد لکھا ہے ۔ ممکن ہے کہ پہلے ان سے اصلاح لیتے ہوں ، پھر ندیم کے شاگرد ہوئے ہوں یا فارسی میں ان کے شاگرد ہوں اور اردو میں ندیم کے ۔ جو کچھ بھی ہو ، مصحفی نے ان کو ندیم ہی کا شاگرد بتایا ہے ، اس لیے ازاد کا حوالہ غلط ہے ۔'' (صفحہ ۱۱۷-۱۱۸ گل رعنا)

مصحفی نے اردو میں بے شک ندیم کا شاگرد لکھا ہے : ''نسبت شاگردی بہ ندیم می رساند ۔'' 'تذکرۂ ہندی' کے الفاظ ہیں ۔ (صفحہ ۱۶) اور میر صاحب فارسی میں قزلباش خاں کا شاگرد مانتے ہیں ۔ چنانچہ کہتے ہیں :

''فکر غزل فارسی ہم میکند ۔ شاگرد قزلباش خاں مرحوم است ۔''
(صفحہ ۸۷ ، نکات الشعرا)

آزاد کا حوالہ اگرچہ غلط ہے لیکن صاحب 'گل رعنا' کا یہ کہنا کہ آزاد نے مصحفی کا تذکرہ نہیں دیکھا ، درست نہیں معلوم ہوتا ۔ تذکرہ مولانا نے ضرور دیکھا ہے لیکن فغاں کے حالات لکھتے وقت ان

کے پیش نظر نہیں تھا اس لیے جو کچھ لکھا ہے حافظے کے اعتبار پر لکھا ہے ۔ اسی وجہ سے ندیم کی جگہ قزلباش خاں کا نام لکھ گئے ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ 'گلزار ابراہیم' کا حوالہ بابت شاگردی ندیم درست ہے ۔ اسی طرح فغاں کا اپنے چچا ایرج کے پاس مرشد آباد جانے کا قصہ بھی اسی تذکرے سے ماخوذ ہے ، علی ہذا ان کا سال وفات بھی ۔ فغاں کے لکھنؤ جانے کے متعلق آزاد لکھتے ہیں :

صفحہ ۱۲۶ : ''نواب شجاع الدولہ مرحوم حاکم اودھ ان کے ساتھ بہت تعظیم سے پیش آئے اور اعزاز و اکرام کے ساتھ رکھا ۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ نازک مزاج بہت تھے اور زمانہ بھی ایسا ہی تھا کہ ایسے مزاجوں کی نزاکتیں پیش جاتی تھیں ۔ چنانچہ ایک دن اختلاط میں ان کا کپڑا نواب کے ہاتھ سے جل گیا ۔ یہ رنجیدہ ہو کر عظیم آباد چلے گئے ۔''

اس عبارت کا خلاصہ میرے خیال میں مصحفی کی عبارت ذیل سے ماخوذ ہے :

''و معرفت میر محمد نعیم خاں کہ ہم مکتب ایشاں بود ، بہ ملازمت نواب شجاع الدولہ بہادر رسیدہ یکے از مقرباں گردید ۔ در یہاں نزد [یکی] روزی نواب وزیر دستش را در عالم اختلاط بہ فلس سوختند ۔ آب در دیدہ گردانید و ہیچ نگفت و آخر بر ہمیں حرکت آزردہ شدہ بہ طرف عظیم آباد رفت ۔''

(صفحہ ۱۶۰ ، 'تذکرہ ہندی' از مصحفی)

ان بیانوں میں جو فرق ہے ظاہر ہے ۔ مثلاً میر محمد نعیم خاں کا نام آزاد بھول سکتے ہیں لیکن شجاع الدولہ کا پیسے کے ساتھ فغاں کے ہاتھ داغ دینے کے واقعے کو بھول کر نواب کے ہاتھ سے کپڑا جلنے کے ساتھ تاویل کرنا ناقابل قبول ٹھہرتا ہے ۔ بہر حال مصحفی کے سوا فغاں کے لکھنؤ جانے کا قصہ کوئی اردو تذکرہ نگار نقل بھی نہیں کرتا اس لیے ہمیں ماننا پڑے گا کہ بالواسطہ یا بلا واسطہ 'تذکرۂ مصحفی' تک مولانا کی رسائی تھی بلکہ بیان ذیل بھی اسی تذکرے پر مبنی ہے :

صفحہ ۱۲۶ : ''وہاں جا کر اس سے زیادہ عزت پائی اور راجہ شتاب رائے کی سرکار میں اختیار و اقتدار حاصل کیا ۔ راجہ صاحب بھی علاوہ خاندانی بزرگی کے ان کے کمال ذاتی اور شیریں کلامی اور علم مجلسی کے سبب سے نہایت عزیز رکھتے تھے۔ چنانچہ وہیں رہے اور باقی عمر خوشحالی میں بسر کرکے دنیا سے انتقال کیا ۔''

مصحفی کی روایت ہے :

''و در سرکار راجہ شتاب رائے بہ ندامت پیشگی پیش آمدہ اقتدار کلی بہم رسانیدہ بود ۔ چند سال است کہ ہمانجا زندگانی را جواب دادہ ۔''
(صفحہ ۱۹۰ ، 'تذکرۂ ہندی')

اس بیان سے تو واضح ہوتا ہے کہ فغاں باقی عمر راجہ شتاب رائے کے ہاں رہے اور چند سال بعد وہیں عظیم آباد میں وفات پائی ۔ مگر مولانا کا بیان ذیل جو قاسم سے ماخوذ ہے ، اس بیان کا نقیض مانا جا سکتا ہے ۔

صفحہ ۱۲۸ : ''ان کی لیاقت اور حسن تدبیر کو اس بات سے قیاس کر سکتے ہیں کہ حکام فرنگ سے اس عالم میں اس طرح رسائی پیدا کی کہ باقی عمر فارغ البالی اور خوش حالی میں گزری ۔''

قاسم کی روایت ہے :

''بنا بر افراط و تفریطے کہ در ہنگامۂ افاغنہ ابدالی بہ حضرت دہلی روداد بدیار شرقیہ شتافتہ رحل اقامت انداخت و بحسن سلیقہ کہ داشت بسران فرنگ در ساخت و در ہماں نواح رشتۂ زندگانی وے در گسست و بجوار رحمت حق در پیوست ۔'' (صفحہ ۲۷ ، جلد دوم ، 'مجموعۂ نغز')

شفیق کا بیان ذیل بھی نظر میں رہے :

''در زمان احمد شاہ از شاہجہان آباد برآمدہ بہ صوبۂ اودھ آمد و با نواب شجاع الدولہ نیشاپوری ناظم صوبۂ اودھ صحبت کوک گردید ۔ پس از چندی در اوائل عشرہ سابعہ بعد مأتہ و الف رخت جانب عظیم آباد کشید ۔ اعیان و ارکان آن مقام او را گرامی داشتند و بالفعل در مزاج شتاب رائے ناظم صوبۂ عظیم آباد دخل

تمام داود و در سنہ احدی و ثمانین و مأیۃ و الف بوساطت راجۂ مذکور خطاب ظریف الملک از پیشگاہ شاہ عالم عالی گوہر کہ درین ایام در بلدۂ الہ آباد نزول اجلال داود ، بنام خود گرفت و جاگیر آل تمغا حاصل نمودہ روزگار بفراغ بال می‌گزراند ۔'' (گل رعنا)

گویا ممالک شرقیہ پہنچ کر انگریزوں سے رسائی پیدا کر لی ۔

فغاں اپنے زمانے کے بڑے ظریف اور خوش طبع مانے گئے ہیں ۔ وہ ہر محفل کے زیور اور مجلس کا سنگھار تھے ۔ اپنے فقروں اور چٹکلوں سے جلسوں کی رونق دوبالا کر دیتے ۔ ان کے بعض لطیفے مولانا نے نقل کیے ہیں جن کا ماخذ مجھے معلوم نہیں ۔ ان میں ایک دل آزار لطیفہ بھی ہے ۔ فرماتے ہیں :

''افسوس یہ ہے کہ اس قسم کے لطائف بڑھتے بڑھتے ان سے اور راجہ سے بھی شکر رنجی ہو گئی ۔ اس کی بنیاد یہ ہوئی کہ احمد شاہ درانی نے جو سلطنت پر حملے کیے ، ایک دن اس کی دست درازی اور بے اعتدالیوں کا ذکر ہو رہا تھا ۔ خدا جانے طنز سے یا سادہ مزاجی سے ، راجہ صاحب نے کہا کہ نواب صاحب ! ملکہ زمانی کو احمد شاہ کیوں کر لے گیا ۔ انھیں یہ بات ناگوار ہوئی ۔ افسردہ ہو کر بولے کہ مہاراج ! جس طرح سیتا جی کو راون لے گیا تھا اسی طرح وہ لے گیا ۔'' (صفحہ ۱۲۷)

منجملہ آن افسانوں کے جو مغلیہ سلاطین کی ذلت اور رسوائی اور کمپنی بہادر کے ساختہ بادشاہان اودھ کی خوشنودی حاصل کرنے کے واسطے لکھنؤ والوں نے تراشے ہیں ، ملکہ زمانی کا یہ قصہ بھی ہے ۔ مجھے معلوم نہیں مولانا نے اس قصے میں کون سا لطیفہ دیکھا جو یہاں درج کیا ۔ ملکہ زمانی فرخ سیر شہید کی دختر تھیں اور ۱۱۳۳ھ میں محمد شاہ بادشاہ سے بیاہی گئیں ۔ عالمگیر ثانی (۱۱۶۷ھ و ۱۱۷۳ھ) کے دور میں جب احمد شاہ ابدالی ۱۱۷۰ھ میں ہندوستان آ کر ۱۱۷۱ھ میں واپس افغانستان جاتا ہے ، جانے سے پہلے وہ اپنی اور اپنے فرزند تیمور کی شادیاں خاندان تیموریہ میں کرتا ہے ۔ چنانچہ صاحب زمانی دختر

محمد شاہ سے جو صاحب محل کے بطن سے تھیں ، خود عقد کرتا ہے اور عزیزالدین عالمگیر کی دختر سے تیمور کا ۔ ملکہ زمانی اور صاحب محل جو آپس میں خالہ زاد بہنیں تھیں ، عالمگیر ، بالخصوص اس کے وزیر عمادالملک فیروز جنگ سے سخت ناخوش تھیں ، اس لیے انھوں نے احمد شاہ سے رشتہ کرکے دہلی کے قیام پر قندھار کو ترجیح دی اور دونوں شہزادیاں بیٹی اور داماد کے ساتھ افغانستان چلی گئیں ۔ صاحب 'سیرالمتاخرین' کہتے ہیں :

''مخفی نماند کہ بعد جس احمد شاہ خلف محمد شاہ و جلوس عالمگیر ثانی بر سریر سلطنت و اقتدار یافتن عمادالملک خبیث طینت روزگار غدار با ملکۂ زمانی دختر فرخ سیر زوجۂ محمد شاہ و صاحبہ محل زوجۂ ثانیہ او کہ خالہ زاد ملکۂ زمانی و محمد شاہ را از بطن ہمین صاحبہ محل دختری بہم رسیدہ محبوب ترین خلق پیش او بود نہایت نا سازگار افتادہ اوقات بکدورت می گزرانیدند ۔ و صدمۂ غارت مرہٹہ و نمک بحرامی عمادالملک دیدہ بودند ۔ خود در ہندوستان و تحت فرمان عمادالملک و عالمگیر نمی خواستند ۔ چوں معاودت شاہ ابدالی برین پا متحقق گردید پیغام رفاقت خود و داعیۂ ازواج دختر محمد شاہ بہ ابدالی فرستادند ۔ احمد شاہ درانی این کار را سرمایۂ افتخار و بقای بلندنامی خود در روزگار دانستہ قبول نمود و بپاپا اقامت بنمودہ دختر مذکور را بعقد ازدواج خود کشید و کارسازی سفر ملکۂ زمانی و صاحبہ محل مع احمال و اثقال آنہا نمودہ ہمراہ خودگرفت و عازم لاہور گشت ۔''

(صفحہ ۵۵ 'سیرالمتاخرین'، جلد دوم ، طبع ۱۱۴۸ھ)

مرزا مظہر جان جاں

ان کے ذکر میں مولانا فرماتے ہیں کہ حالات اور سال تاریخ وغیرہ 'معمولات مظہری' سے لیے گئے ہیں مگر راست یہ ہے کہ جس قدر توجہ مولانا کو ان پر مبذول کرنی چاہیے تھی نہیں کی ۔ مرزا مظہر کے متعلق یہ عذر نہیں کیا جا سکتا کہ 'بہول ہاتھ نہ آئے جو لڑی پروتا' بلکہ برعکس کثرت مواد کی شکایت ہو سکتی ہے ، نہ قلت مواد

ک ۔ مگر حضرت مولانا نے تمام تذکروں اور تاریخوں کو پس پشت ڈال کر چند بے سر و پا اور بے سند باتوں کو لے کر اور نمک مرچ لگا کر 'آبحیات' کی نقل محفل بنا دیا ہے ۔

مولانا اپنے افتتاحی فقرے میں لکھتے ہیں :

''اگرچہ نظم کے جوش و خروش اور کثرت کلام کے لحاظ سے میر و سودا کے ساتھ ان کا نام لیتے ہوئے تامل ہوتا ہے ۔''
(صفحہ ۱۳۹)

گویا مولانا 'آبحیات' کے دربار نشینوں میں ان کو روشناس کرتے ہوئے معذرت خواہ ہیں ، حالانکہ میرزا مظہر اردو شاعری کے ابتدائی معماروں میں سے ہیں ۔ ابھی میر و مرزا کا اردو کے میدان میں پتا بھی نہیں تھا کہ مرزا صاحب نے ریختہ کو ایہام گوئی کی لغویت سے پاک کرکے فارسی کی عام شاہراہ پر ڈال دیا تھا ۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مولانا اس موقع پر جادۂ مستقیم سے ہٹ کر ایسے میدانوں میں نکل گئے ہیں جن کا ادب سے کوئی تعلق نہیں ۔ اول سے آخر تک ان کا قلم بےچارے مرزا کی ہجو ملیح میں مصروف ہے ۔ ان کی حسن پسندی[1] ،

۱ ۔ مسعود حسن رضوی صاحب نے اپنی کتاب 'آبحیات کا تنقیدی مطالعہ' میں مرزا مظہر جانجاناں کی حسن پسندی کے ثبوت میں 'معمولات مظہری' 'مقامات مظہری' رائے بھگوان داس کی 'سفینۂ ہندی' مصحفی کی 'عقد ثریا' اور 'تذکرۂ ہندی' شیفتہ کی 'گلشن بے خار' مرزا علی لطف کی 'گلشن ہند' منشی عبدالکریم کی 'طبقات شعرائے ہند' اور سعادت خاں ناصر کی 'خوش معرکۂ زیبا' کے متعدد حوالے دیے ہیں اور آزاد کی حمایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''حقیقت یہ ہے کہ تصوف کے مسلک میں حسن پرستی اور عاشق مزاجی عیب نہیں ، ہنر ہے ۔''
(صفحہ ۳۸)

لیکن اس کا کیا علاج کہ مولانا آزاد کا انداز بیان مرزائے موصوف کے معاملے میں نہایت قابل اعتراض اور ذو معنی ہے ۔ ڈاکٹر اسلم فرخی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۸ پر)

اور میرزا منشی پر چھینٹے اڑائے ہیں ۔ لطیفوں کی آڑ میں ان کو تندخو اور بد مزاج ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ۔ میں یہاں حکیم عبدالحی صاحب مرحوم کی قابل قدر تالیف 'گل رعنا' سے ایک اقتباس نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں ۔ و ھو ھذا :

''افسوس ہے کہ شمس‌العلما مولوی محمد حسین آزاد نے حسب معمول ان کے حالات بیان کرنے میں چٹکیاں لی ہیں ۔ کہیں واقعے کی صورت ایسی بنائی ہے جس میں بجائے مدح کے ذم کا پہلو نکلتا ہے ۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ''ان کے باب میں بہت سے لطائف ایسے مشہور ہیں کہ اگر آج کسی میں پائے جائیں تو زمانے کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۷)

بھی اس انداز ، نیز واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کے خلاف احتجاج کرتے نظر آتے ہیں :

''انھوں نے (آزاد نے) یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مرزا مظہر کی شہادت کی وجہ ان کی حسن پرستی تھی ۔ اسی وجہ سے وہ قاتل کو 'جوانے صبیح و ملیح' کہتے ہیں ۔ صباحت و ملاحت کا آہنگ آزاد کے اس فقرے کے سوا کہیں اور نظر نہیں آتا ۔ معمولات مظہری میں قاتل کے لیے ''از دست ناحق پرسان بیدولت'' کے الفاظ ملتے ہیں ۔ آزاد اس کے مطالعے کے بھی مدعی ہیں لیکن شہادت کے واقعے کو پھر بھی ایسے انداز میں پیش کرتے ہیں جس سے خواہ مخواہ ان کی مورخانہ دیانت خطرے میں پڑتی ہے ۔ اس کے ساتھ ہی آزاد نے بے تحقیق یہ لکھ کر کہ ''مرزا صاحب نے ایک دھوبن گھر میں ڈالی تھی'' ایک بزرگ پر سنگین الزام عائد کیا ہے ۔ اگر یہ واقعہ صحیح تھا تو آزاد کو سند پیش کرنا چاہیے تھی تاکہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملتا اور خود آزاد پر بھی کوئی ذمہ داری نہ آتی لیکن سند موجود نہ ہونے کی وجہ سے آزاد یقیناً قابل الزام ہیں ۔''

(محمد حسین آزاد، صفحہ ۱۲۶ ، جلد دوم) مرتب

لوگ اچھا نہ سمجھیں ... کچھ تو اس اعتقاد سے : ع

خطاے بزرگاں گرفتن خطاست

اور کچھ میں روسیاہ بزرگوں کی ہر بات کو چشم عقیدت کا سرمہ سمجھتا ہوں .. '' الخ (صفحہ ۱۳۸)

تاباں کا حال جیسا چمکا کر لکھا ہے اور سرگوشیوں کا فسانہ جس طرح بیان کیا ہے ، وہ بھی ملاحظہ طلب ہے (صفحہ ۳۹) - شعر مندرجہ صفحہ ۱۰۴ کو پڑھیے ، پھر مرزا صاحب جیسے مہذب کو اور آزاد کی معذرت کو دیکھیے کہ تہذیب آنکھ دکھاتی ہے مگر کیا کیجیے - ایشیا کی شاعری کہتی ہے کہ یہ میری صفائی زبان اور طراری کا نمک ہے (صفحہ ۱۳۰) - مرزا رفیع سودا کی ہجو پر حاشیہ چڑھاتے ہیں کہ ایک دھوبن گھر میں ڈالی تھی (صفحہ ۱۳۳) - ('گل رعنا' صفحہ ۱۲۵-۱۲۴)

میرزا مظہر بارھویں صدی ہجری کے اُن مشاہیر میں سے ہیں جو آفتاب سے زیادہ مشہور و معروف ہیں - ان کی شہرت ان کی زندگی ہی میں ہندوستان کی اطراف میں دور و نزدیک پہنچ چکی تھی - ان کا پایہ میر و مرزا سے جن کے ساتھ مولانا آزاد ان کا نام لینا پسند نہیں کرتے ، بہت بلند ہے - شاعری ان کے کمالات کا ایک ادنیٰ جوہر ہے - تمام تذکرے ان کے حالات اور اوصاف سے پُر ہیں - ہر مصنف احترام کے ساتھ ان کا نام لیتا ہے - خود سراج الدین علی خان آرزو کہ بقول آزاد اہل اردو ان کے عیال کہلاتے رہیں گے ، اپنے تذکرہ 'منتخب‌النفائس' میں مرزا کے متعلق لکھتے ہیں :

''در دقت فہم و ذکاے طبع یکتاے لیل و نہار بلکہ تمثیل روزگار است - جدت طبیعت و جودت قریحت بمرتبہ دارد کہ بمصداق این مصرع است : ع

کہ سخن نگفتہ باشی بسخن رسیدہ باشد...الخ

... ریختہ کہ شعر آمیختہ ہندوی و فارسی است بطریقۂ خاصہ میگفت - حالا خلاف زی خود دانستہ ترک مطلق گفتہ - بعضی از

تلامیذ خود را تربیت بسیار کردہ حقا کہ بعضی میگویند خود گفتہ دادہ واللہ اعلم ۔ ہر چند شعر دون مرتبہ اوست ۔''

'سرو آزاد' میں مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کی رائے بھی سننے کے قابل ہے ۔ وہ انھیں بادشاہ مسند فقر و فنا اور مقیم آستان توکل و استغنا کہتے ہیں اور مثنوی معنوی کا ایک شعر نقل کرکے جس سے مرزا کا نام و تخلص اور ان کے والد کا نام برآمد ہوتا ہے ، مولانا روم کی کرامت کا استدلال کرتے ہیں ۔ وہ شعر یہ ہے :

جان اول مظہر درگاہ شد   جانجاں خود مظہراللہ شد

میرزا مظہر کے والد کا نام میرزا جان تھا جو دربار شاہی میں امیر تھے اور آخر عمر میں ترک منصب کرکے گروہ صوفیہ میں شامل ہو گئے ۔ جانجاں خود مرزا کا نام ہے اور مظہر تخلص ہے اور باعتبار ترک دنیا و طلب الٰہی مظہر اللہ ہیں ۔ کیا مولانا غلام علی آزاد اپنے ہم تخلص مولانا محمد حسین آزاد کو یہاں انتباہ نہیں کر رہے ؟

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ ''مرزا فقر و فضیلت اور شعر کے جامع ہیں اور اپنے نام کے اقتضا کے بموجب روح الروح معنی پروری ۔ عروس سخن کو ان کے ذہن کی مشاطگی نے طرز جدید بخشی اور پیکر خیال کو ان کی فکر کی چابکدستی سے حسن بے اندازہ ،اصل ہوا ۔''

ادھر میر تقی میر 'نکات الشعرا' میں ان کی تعریف میں وطب‌اللسان ہیں اور ان کی خدمت میں پہنچ کر اپنی سعادت اندوزی کا ذکر کرتے ہیں ۔ ان کی خوش تقریری کے بے انتہا مداح ہیں اور فارسی میں انھیں سلیم و کلیم کا ہم پلہ مانتے ہیں ۔ فرماتے ہیں :

''مظہر تخلص مردیست مقدس مطہر درویش عالم صاحب کمال شہرۂ عالم بے نظیر معزز مکرم ... بندہ بخدمت او رفتہ سعادت اندوز گشتہ است ۔ اکثر اوقات در یاد الٰہی صرف میکند ۔ خوش تقریر بمرتبہ ایست کہ در تحریر نمی گنجد ۔ دیوان مختصر شعر فارسی او بنظر فقیر مؤلف آمدہ است از سلیم و کلیم پایۂ کمی ندارد ۔ اگرچہ شعر ریختہ گفتن دون مرتبہ او است لیکن گاہی متوجۂ این

فن ے حاصل میشود ۔'' [(نکات الشعرا' صفحہ ۵)

مصحفی کا بیان ہے :

''ہنوز از میر و مرزا وغیرہ کسی در عرصہ نیامدہ بودہ در دور ایہام گویان اول کسی کہ شعر ریختہ بہ تتبع فارسی گفتہ اوست ۔''
(صفحہ ۳، 'تذکرۂ ہندی)

اس حساب سے مرزا مظہر جان جاں اردو کے ابتدائی محسنوں اور سرپرستوں سے ہیں اور اردو شاعری کے مؤرخ کے لیے ان کے حالات میں ادبی نقطۂ نظر سے دلچسپی لینا فرض اولین ۔ مصحفی اپنے بیان کے آخر میں لکھتے ہیں :

''فی الحقیقت نقاش اول زبان ریختہ باین وتیرہ باعتقاد فقیر مرزاست بعدہ تتبعش بہ دیگران رسیدہ ۔''

ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ جو شخص زبان ریختہ کا نقاش اول مانا جائے اور میر و مرزا جیسے بزرگوار جس کے مقلد کہلائیں ، مولانا آزاد کے ہاتھ سے بہتر سلوک کا مستحق تھا ۔

شفیق اورنگ آبادی مرزا کا معاصر اصغر ہے ۔ اگرچہ دکن سے تعلق رکھتا ہے ، مگر دوران بابصر سے ہے ۔ وہ رقم طراز ہے :

''مرزا جانجاں مظہر سلمہ اللہ تعالیٰ ، بادہ نوش خمخانۂ معانی و جرعہ چش ساغر سخندانی است...... حق جل جلالہ دیرگاہ سلامت دارد ۔ ہاے توصیفش نہ مرغی است کہ بچنگ شاہین تقریر آمد و صحرای تعریفش نہ خطہ ایست کہ خنگ تیزگام تحریر بپایہ ۔ کمال فضل از کلام یقین کہ یکی از تلامذۂ چون شہنشاہ جہان معنی است پیدا می شود ۔ والا رتبۂ اقتدارش از حدیث درد مند کہ حامگی خوار مائدہ آن ماہ آسمان سخندانی است ہویدا می گردد ۔''

احمد علی سندیلوی اپنے مشہور تذکرے 'مخزن الغرایب' میں تفصیلی حالات دیتے ہیں ۔ ان کا ذیل کا بیان قابل غور ہے :

''از بسکہ کانون سینۂ بے کینہ اش پر از آتش عشق بود ، بیشتر

اشعار عاشقانہ ٔ پر درد از قلمش می ریخت ۔ چون غرضش اظہار درد دل بود ، خواہش نام بر آوردگی دریں فن نداشت [بیشتر سرمایہ ٔ سخنش برباد رفت]......در زبان ہندی کہ مراد از اردوست خیلی فصیح و بلیغ بود بانی زبان اردو در ریختہ او بودہ است و الا بیشتر شعر گفتن یاران بتقلید ولی دکنی بود ۔''

گویا مرزا کا بڑا احسان یہ ہے کہ دکنی زبان و محاورے سے ہٹ کر دہلی کے محاورے میں شعر گوئی کی بنیاد ڈالی ۔ احمد علی کا قول ہے کہ مرزا فصاحت و بلاغت ، نشست و برخاست کے طور وطریق ، غیرت مندی کے وصف اور ہندوستان زائی پر فخر و افتخار کے واسطے اعلیٰ سوسائٹی میں نمونہ بنے ہوئے تھے اور ہیں :

''چہ در فصاحت و بلاغت و چہ در سلیقہ ٔ نشست و برخاست و چہ در غیرت و ہندوستان زائی ضرب المثل عالی قدران بودہ و ہست ۔''

ان مختلف بیانات سے صاف واضح ہوتا ہے کہ میرزا مظہر اپنے معاصرین میں نہایت معزز و محترم تھے ۔ میر صاحب بااین ہمہ بد دماغی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں ۔ انشا اللہ خاں انشا جو ہمارے مولانا کے اس قدر مقبول و محبوب کردار ہیں ، بڑے اشتیاق کے ساتھ تیاری کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں ۔ اس ملاقات کو انھوں نے ڈرامائی احساسات کے ساتھ جزئیات کی تفصیل کی حد تک 'دریائے لطافت' میں بیان کیا ہے ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب سے شرف ملاقات انشا کی زندگی کا ایک نہایت مسرت بخش واقعہ ہے ۔ مصحفی ان کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کے متعلق 'عقد ثریا' میں لکھتے ہیں کہ بادشاہ سے لے کر ادنیٰ غریب تک کوئی ایسا نہیں تھا جو ان کی آستان بوسی کو اپنا فخر نہ سمجھتا ہو ۔ امرا اور خوانین ان کی قدمبوسی کے آرزو مند رہتے مگر یہ ملاقات سے انکار کر دیتے ۔ غریبوں کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے ۔ ان کا فیض عام تھا ۔ مسلمان اور ہندو دونوں معتقد تھے ۔ اپنے کسی مرید کو 'کلمات طیبات' میں (۸۶ واں خط) لکھتے ہیں کہ دوندے خاں مجھ سے ملاقات کا خواستگار ہوا ، میں نے انکار کر دیا ۔ حافظ رحمت خاں میرے پاس آئے مگر

صحبت سازگار نہیں ہوئی : ''دوندے خاں کہ ارادۂ ملاقات فقیر داشت ، منع کردم کہ نیاید و حافظ رحمت خاں کہ پیش فقیر حاضر شدہ بود ، صحبت او با فقیر نا درست افتاد ۔'' ۔ ۶۱ ویں خط میں جو خانخاناں خلف نواب قمرالدین خاں وزیر کے نام ہے ، خفگی کی حالت میں بگڑ کر لکھتے ہیں :

''امرای اینجہان را باید کہ باسلاطین آنجہان یعنی فقرا با ادب باشند ۔ خصوصاً در اوقات استمداد و استعانت کہ دل فقیران ملتفت گردد ۔ در چنین اوقاتی بے پروائی کردن و تحریر مطالب بعہدۂ بی ادبان گذاشتن ضرور دارد ۔ اگر حسن ظنی درمیانست ادب واجبست و اگر نیست رجوع و انابت چہ ضرور است ۔ باندیشۂ ہمین امور اختلاط و رسم مراسلات ترک نمودہ ایم و دعا گفتہ ایم :

ز خلق گندہ دماغی چگونہ بر دارم
بابن دماغ کہ از بوی گل زکام کند''

ان کی نازک مزاجی اور زود حسی کا ایک قصہ 'مخزن الغرایب' میں منقول ہے کہ میرزا کے اشتیاق میں ایک روز دوپہر کے وقت عزیزالدین عالمگیر ثانی بادشاہ دہلی تشریف لائے ۔ میرزا قیلولے میں تھے ، انھیں اٹھایا گیا ۔ بہت بد دماغ ہوئے ۔ بادشاہ غصے میں آئے اور یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ اب میں آپ کا کبھی منہ نہیں دیکھوں گا ۔

نواب عمادالملک مرزا صاحب کی ملاقات کے مشتاق ہیں مگر مرزا صاحب (جیسا کہ ۶ ویں مکتوب میں مذکور ہے) اپنی شرائط پر ملنا چاہتے ہیں ، یعنی یہ کہ وطن کو لوٹتے وقت متھرا میں ٹھہریں گے ، وہاں نواب آ کر ملیں ، بشرطیکہ انھیں جاٹ کے قلعوں میں جانا نہ پڑے ۔ نیز یہ کہ نواب صرف دریا تک استقبال کریں ۔

اکثر روہیلے مرزا صاحب کے مرید تھے اور مرزا صاحب اس علاقے میں یعنی امروہہ ، سنبھل ، مرادآباد ، شاہجہان پور وغیرہ تشریف لے گئے ہیں ۔

جوبتیویں مکتوب میں فرماتے ہیں :

''ہجوم روہیلہا برای اخذ طریقہ بحدیست کہ تمام روز از توجہ فرصت نیست ـ طاقت طاق شدہ است اما سعادت خود میداند و زیادہ ازین عبادتی نہ ...... از دور و دراز این مردم باستماع خبر ورود فقیر احرام بستہ می آیند ـ از آدمیت عرفی کم آگاہند ...... از سنبھل و امروہہ تا شاہجہان پور در جمیع منازل دستہ دستہ و جماعہ جماعہ مردم از قوم روہیلہ اکثر و از مردم ہندی کمتر اخذ طریقہ علیہ نمودند و منور و متاثر گردیدند و جماعہٗ از آنہا ہمراہ آمدہ اند بقصد رفاقت بدہلی برائے کسب مقامات میروند ـ''

ان کے مریدوں کی تعداد ہزاروں سے گزر چکی ہے اور بعض ان میں نہایت مشہور ہیں ـ مثلاً (۱) قاضی ثناء اللہ پانی پتی جنھوں نے مرزا صاحب کے نام پر عربی میں ایک ضخیم تفسیر بنام 'تفسیر مظہری' تالیف کی ہے جو آج کل میرٹھ میں چھپ رہی ہے ـ ساتھ ساتھ اس کا اردو ترجمہ بھی کیا جا رہا ہے ـ مرزا صاحب قاضی صاحب کو 'علم الہدیٰ' اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی 'بیہقی ثانی' کے خطاب سے یاد کرتے تھے ـ (۲) مولوی غلام یحییٰ جنھوں نے معقول کی بعض کتابوں پر مفید حواشی لکھے ہیں ـ ان کا رسالہ وحدت وجود و وحدت شہود پر ہے ، جس پر مرزا صاحب نے بھی چند سطریں بطور پیش کلام تحریر کی ہیں ـ (۳) مولوی نعیم اللہ بہڑائچی جنھوں نے مرزا صاحب کے حالات و معمولات میں ایک تالیف بنام 'معمولات مظہری' اپنی یادگار چھوڑی ہے ـ (۴) شاہ غلام علی الملقب بہ شاہ عبداللہ جنھوں نے 'معمولات مظہری' کا ایک اختصار مع دیگر رسائل کے جن میں مرزا صاحب کے مکتوبات بھی شامل ہیں ، تیار کیا ہے ـ

مرزا صاحب کے مریدوں کی فہرست بہت لمبی ہے اس لیے اس کو حذف کیا جاتا ہے ـ اس عہد کے مشاہیر علما و فضلا کے ساتھ مراسلات و مکتوبات کا سلسلہ جاری تھا ـ حضرت شاہ ولی اللہ مرزا صاحب کو مکتوبوں میں ''قیم طریقہٗ احمدیہ و داعی سنت نبویہ'' لکھتے تھے ـ غلام علی آزاد 'سرو آزاد' میں رقم طراز ہیں :

''فقیر را با میرزا ملاقات صوری صورت نہ بستہ ، اما غائبانہ اخلاص کامل است و ہمیشہ بہ آمد و رفت مراسلات حظ ہم کلامی حاصل''۔
(صفحہ ۲۳۱ 'سرو آزاد')

جس شخص کے مشہور لوگ مرید ہوں ، بڑے بڑے مصنف اس کے اوصاف و کمال کے معترف ہوں اور شاہ ولی اللہ اور غلام علی آزاد جیسے فاضل اس کے احترام میں کوشاں ہوں ، یقین ہے کہ یہ شخص ہر لحاظ سے منتخب روزگار ہوگا ۔ خود مرزا کا ایک شعر اس موقع پر درج ہونے کے قابل ہے :

بتان اگرچہ ندانند قدر مظہر ما
خدا گواہ کہ دیوانہ سخت مغتنم است

مرزا کی تمام دلچسپیاں جیسا کہ قدرتاً ہونا چاہیے ، اپنے مریدوں اور ان کے سود و بہبود کے واسطے وقف ہیں ۔ اگرچہ امرا اور ارباب حکومت سے تعلق رکھنا نا پسند کرتے ہیں ، پھر بھی اس عالم بے تعلقی میں جس قدر ممکن ہوتا ہے مریدوں اور دیگر متوسلین کی کار برآری میں مصروف رہتے ہیں ۔ نجیب الدولہ اور اس کے فرزند ضابطہ خاں کے ساتھ ان کو کافی دلچسپی معلوم ہوتی ہے ۔ ان کے بعد عمادالملک سے ہے ۔ وہ اس کی حرکات سے ناخوش ہیں اور توبہ و انابت کا مشورہ دیتے ہیں ۔

تئیسویں خط میں لالہ برج لال کی ملازمت کے واسطے بہ سلسلۂ متصدی گری کسی امیر کے ہاں اس کے رفیق یا ملازم سے جو مرزا کا مرید بھی ہے ، سفارش کرتے ہیں ۔ چوالیسواں مکتوب ظفر علی خاں خلف نواب اعتضاد الدولہ ارشاد خاں بہادر کی سفارش میں ہے ۔ کہتے ہیں کہ حافظ رحمت خاں نے ملازمت دینے کا اس سے وعدہ کر رکھا ہے ۔ ۵۳ ویں خط میں کسی مرید کو نواب قاسم علی خاں سے میر سلطان کی سفارش کے واسطے جو حج کا ارادہ کر رہے ہیں ، لکھ رہے ہیں ۔

اس عہد کے سیاسی ور دیگر گزرنے والے واقعات کے متعلق بھی اشارے مرزا صاحب کے خطوں میں موجود ہیں ۔ اکتیسویں خط میں سکھوں کی لوٹ مار کا جو تھانیسر میں انھوں نے کی ہے ، ذکر کرتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں کہ مولوی قلندر بخش مع زن و فرزند لٹ لٹا کر

آے ہوئے ہیں اور میں بوجہ بے استطاعتی ان کی قرار واقعی امداد نہیں کر سکا ۔ سترھویں خط میں مرقوم ہے :

''اینجا از آوازۂ صلح نواب و جاٹ با نجیب خاں گوشہا پرست و آنچہ از راز داں معتبر طرفین معلوم شد جاٹ با روہیلہ بنا بر مصلحت خود بتوسط راجہ بہادر سنگھ و دلیر سنگھ آشتی میکند۔''
(صفحہ ٦۲ 'کلمات طیبات' ۱۸۹۳ع)

یہ خط غالباً ۱۱۷۷ھ کا نوشتہ ہے ، جب نجیب الدولہ اور جاٹ میں صلح ہوئی ۔ اکہترویں خط میں شاہ ابدالی کے پشاور پہنچنے کی خبر دی گئی ہے کہ اس نے اپنے بیٹے تیمور کو ایک بڑی فوج کے ساتھ ملک خراسان کے انتظام کے واسطے روانہ کیا ہے اور خود پنجاب اور ملتان کے انتظام کے واسطے آتا ہے ۔ پچاسویں خط میں سرہند پر سکھوں کے مظالم اور اس کی تباہی و ویرانی کا ذکر حضرت میر امداللہ کے واسطے امداد کی درخواست کے سلسلے میں آتا ہے ۔ چھیالیسویں مکتوب میں افواج جنوبی یعنی مرہٹوں کے غلبے اور روہیلوں کے فرار اور قصبات و دیہات کی عام تباہی کی طرف تلمیح کرتا ہے ، جو واقعہ غالباً ۱۱۷۳ھ میں پیش آیا ۔ اٹھائیسویں خط میں جو مولوی ثناءاللہ سنبھلی کے نام ہے ، پھر مرہٹوں کی طرف اشارہ ہوا ہے ۔

میرزا صاحب کے سال ولادت کے متعلق اختلاف آرا ہے جو خود میرزا صاحب کے اپنے بیانات کی وجہ سے ، جو مختلف اوقات میں آپ نے دیے ہیں ، پیدا ہو گیا ہے ۔ 'مقامات مظہری' میں آپ کی ولادت کا سال ۱۱۱۱ھ یا ۱۱۱۳ھ مذکور ہے اور ''تولد صاحب شرع'' اور ''طلوع شمس الملۃ والدین'' سے یہ سال برآمد ہوتا ہے ۔ ہمارے خیال میں 'طلوع' کی جگہ 'طلع' ہوگا ۔ دونوں مادوں سے ۱۱۱۰ھ نکلتا ہے ۔

مولانا غلام علی آزاد کو جو خط لکھا ہے اس میں مذکور ہے : 'در عشرۂ اوایل مأتہ ثانیہ بعد الف ولادتش اتفاق افتاد' (صفحہ ۲۲۲ 'سرو آزاد') ۔ اس بیان کی رو سے ۱۱۱۰ھ سے قبل ولادت ہونا چاہیے لیکن ان کے خطوط میں جو 'کلمات طیبات' میں چھپے ہیں ، پہلے خط میں یہ عبارت ملتی ہے :

''در ہزار و صد و سیزدہ ولادت فقیر و در عمر شانزدہ سالگی گرد یتیمی بر رو نشست ۔''

اور والد کے انتقال کے متعلق فرماتے ہیں :

''در سال ہزار و صد وسی ہجری انتقال ازیں عالم فرمود ۔''

اس سے ظاہر ہے کہ خود ۱۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور والد نے ۱۱۳۰ھ میں انتقال کیا ، جب آپ کی عمر سولہ سال تھی ۔ دیوان کے دیباچے میں حوالہ قلم کرتے ہیں :

''امروز کہ ہزار و صد و ہفتاد ہجری است و عمر بشصت رسیدہ از بیست سال بکنج عزلت آرمیدہ است ۔''

اس کی رو سے انھیں ۱۱۱۱ - ۱۱۱۰ھ میں پیدا ہونا چاہیے ۔ الغرض آپ کی ولادت کا سال ۱۱۰۹ و ۱۱۱۳ھ کے درمیان ہے ۔

فارسی کی تکمیل آپ نے اپنے والد مرزا جان سے کی ۔ کلام اللہ ، تجوید اور قرأت قاری عبدالرسول سے ، معقول و منقول دیگر علما سے ، علم حدیث و علوم متعلقہ حاجی محمد افضل سے تحصیل کیے ۔ اٹھارہویں سال میں حضرت نور محمد بداؤنی کے مرید ہوئے اور چار سال متواتر حاضر باش رہے ۔ ان کی وفات سے چھ سال بعد حاجی محمد افضل صاحب سے رجوع کی ۔ پھر حافظ سعد اللہ صاحب سے بارہ سال تک استفادہ کرتے رہے ۔ پھر سات سال تک شیخ محمد عابد سے سلسلۂ ارادت قائم رکھا ۔ یہ تقریباً انتیس تیس سال ہوتے ہیں جن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیباچۂ دیوان میں فرمایا ہے :

''مدت سی سال ہر در مدرسہ و خانقاہ جاروب کشید ۔''

آپ کے کلام کا اکثر حصہ ضائع ہو گیا کیوں کہ آپ نے مسودات کے جمع کرنے کی کبھی پروا نہیں کی ۔ دیباچۂ دیوان میں لکھتے ہیں :

''در ہنگام جوانی بتحریک شور عشقے کہ نمک خمیرش بود ، نالہہائے موزوں میکرد ۔ بایں تقریب نام خود را بشاعری بر آورد و از والا ہمتی سر جمع اجزائے مسودات و مواد کلیات نداشت ۔ بیشتر سرمایۂ سخنش برباد رفت ۔''

میں اب مرزا صاحب کے قصۂ شہادت کو لیتا ہوں جس کے متعلق مولانا آزاد فرماتے ہیں :

''اس قتل کا سبب دلی کے خاص و عام میں مشہور تھا کہ بموجب رسم کے ساتویں کو علم اٹھے تھے ۔ یہ سر راہ اپنے بالا خانہ پر خاص خاص مریدوں کو لیے بیٹھے تھے جیسا کہ عام جہلاءؔ کی عادت ہے ۔ شاید طرفین سے کچھ کچھ طعن و تعریض ہوئے ہوں ۔ وہ کسی جاہل کو ناگوار گزرے ۔ ان میں کوئی سنگدل فولاد خاں نام سخت جاہل تھا ۔ اس نے یہ حرکت کی ۔ لیکن حکیم قدرت اللہ خاں قاسم اپنے تذکرے میں فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب اپنے کلام میں اکثر اشعار حضرت علی کی مدح میں کہا کرتے تھے۔ اس پر بگڑ کر کسی سنی نے یہ حرکت کی :

نکرد مظہر ما طاعتی و رفت بخاک
نجات خود بتولاے بوتراب گزاشت

جد مرحوم ایک اُردو کا شعر ان کے نام سے پڑھا کرتے تھے :

ہوں تو سنی پر علی کا صدق دل سے ہوں غلام
خواہ ایرانی کہو تم خواہ تورانی مجھے''

(صفحہ ۱۲۷ ، 'آبحیات')

اور حاشیے میں اضافہ ہوا ہے :

''عجب مشکل ہے حکیم صاحب بھی ایک خوش اعتقاد سنت جماعت تھے ۔ وہ کہتے ہیں کہ سنی نے مارا ، لوگ کہتے ہیں شیعہ نے مارا ۔'' (صفحہ ۱۲۸ ، آبحیات')

لیکن حکیم صاحب کا مطلب جو مولانا سمجھے ہیں ، اس کے بالکل برعکس ہے ۔ حکیم صاحب کی اصل عبارت یہ ہے :

''ازانجا کہ مشرب صاف و مذہب اہل حق حق بوی ارزانی داشتہ بود ، ظالمی ناحق شناس در ایام متبرکۂ عاشور بہ تعصب مذہب بئے حقیقت کار ناپردہ کہ وی غریق حب جناب ولایت مآب و حریق عشق حضرت امامت انتساب مرتضوی بود ، سلام اللہ علیہ و کرم اللہ وجہہ ، چنانچہ بعض اشعار آبدارش ، خاصہ این بیت :

نکرد مظہر ما طاعتی و رفت بخاک
نجات خود بتولای بوتراب گذاشت
بر بیگناہیش گواہی دہد ، بے گناہ شہید ساختہ بحضور سراپا سرور
شہدای کربلای معلیٰ علیہم‌السلام و الرضوان رسانید ۔''
(صفحہ ۱۹۹ جلد دوم 'مجموعۂ نغز')

کہ کسی ظالم نے عشرۂ محرم کے ایام میں بر بنائے تعصب مذہب اس حقیقت کے معلوم کیے بغیر کہ وہ حضرت امامت انتساب علی کرم اللہ وجہہ کی بت میں غرق ہیں ، جیسا کہ ان کے بعض اشعار خصوصاً شعر بالا سے جو ان کی بے گناہی کی شہادت دیتا ہے ، بیگناہ قتل کر کے شہدائے کربلائے معلیٰ کی خدمت میں پہنچا دیا ۔

مولانا کا یہ عقیدہ کہ سنی نے مارا[۱] بالکل بے اصل ہے کیوں کہ سنی اور شیعہ مصنفین اس رائے میں بالکل متفق ہیں کہ قاتل کوئی شیعہ تھا ۔ علی ابراہیم ، جو شیعہ ہیں ، لکھتے ہیں :

''گویند بسبب تعصب مذہب منع تعزیہ سیدالشہدا علیہ‌السلام می‌نمود ، بدیں جہت از دست یکی از ساکنان دہلی در سنہ یک ہزار و یک صد و نود و چہار ہجری کہ عمرش قریب صد سال بود ، مقتول شد ۔'' (صفحہ ۲۱۶ 'تذکرۂ گلزار ابراہیم')

علی لطف ایک اور شیعہ مصنف 'گلشن ہند' میں بدیں تفصیل رقم طراز ہیں :

---

۱ ۔ قدرت اللہ قاسم کا بیان نہایت صریح ہے اور یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ مولانا اس کے ترجمے میں ایسی فاش غلطی کریں گے ۔ معلوم ہوتا ہے کسی مصلحت کی بنا پر جان بوجھ کر غلط ترجمہ کیا گیا ہے ۔ لیکن یہ غلطی چھپی رہنے والی نہ تھی اس لیے اس مصلحت کی خاطر گفتہ آید در حدیث دیگراں کے مصداق ایک جگہ حاشیے میں دروغ بر گردن اہل وطن کہہ کر جانجاں مظہر کے واقعۂ شہادت کے ڈانڈے دقیقی کے حادثۂ قتل سے جا ملائے اور خود ''یا شاید ایسا ہی ہو ، عالم‌الغیب خدا ہے'' لکھ کر الگ ہو گئے ۔ (مرتب)

''کہتے ہیں کہ ہفتم روز عاشورہ کو لب بام پہ اپنے گھر میں سر راہ بیٹھے تھے اور کوئی سردار روہیلوں کا بھی آیا تھا واسطے ان کی ملاقات کے کہ ناگاہ گذر شدوں کا ان کے زیر بام سے ہوا ۔ اس روہیلے نے کھڑے ہو کر سینہ زنی بھی کی اور موافق سلام سے ہوا اور میرزائے مذکور جس طرح بیٹھے تھے اسی طرح بیٹھے رہے ، بلکہ متبسم ہو کر فرمانے لگے کہ ''بارہ سو برس جس مقدمے کو ہو چکے ہوں، ہر سال اسے زیادہ تازہ کرنا کیا بدعت ہے اور لکڑیوں کو سلام و تسلم کرنا نہایت عقل کی خفت ہے'' ۔ یہ گفتگو بجنسہ وہ لوگ جو کہ علم اور شدوں کے ساتھ تھے ، اُنہوں نے سنی اور تعصب کی مرزائے مذکور کے امام باڑوں میں اور محفلوں میں دو تین شب گفتگو رہی ۔ آخر شب شہادت کو کہ عبارت شب چہاردہم (کذا) عاشورہ سے ہے ، کوئی شخص ان کے دروازے پر آیا اور ان کو باہر بلوایا ۔ جب باہر آئے تو بے گفتگو ایک چوٹ طپنچے کی نذر کی اور کام ان کا پورا کرکے نلوہ راہ اپنے گھر کی لی ۔ سن بھی ان کا قریب سو برس کے تھا ۔ ایسا زخم کاری کھایا لیکن استقلال طبیعت سے پھر اپنے تئیں کوٹھے کے اُوپر پہنچایا ۔ گیارہ سو چورانوے ہجری (۱۱۹۴ھ) تھے کہ اس روشن ساز مسائل صدیقی نے اور اس مصقلہ پرداز احکام فاروقی نے اس آئینہ زنگار آلود دنیا سے منہ پھیر لیا اور سفر خلفائے راشدین کی طریقت پر کیا ۔'' (صفحہ ۲۱۷ ، 'تذکرۂ گلزار ابراہیم' مع 'تذکرۂ گلشن ہند' مرتبہ ڈاکٹر زور انجمن ترقی اُردو ۱۳۵۲ھ)

شیخ غلام ہمدانی مصحفی کی روایت ہے :

''در عہد شاہ عالم بادشاہ کہ بہ سبب بودن امیرالامرا ذوالفقارالدولہ بہادر در دہلی غلوی اہل تشیع بیشتر بود ۔ این بزرگ مقتدائی متعصبان اہل سنت و جماعت گفتہ می شد ۔ شخصے از متعصبان اہل تشیع شب ہفتم محرم‌الحرام یک ہزار و یکصد و نود و پنج او را بگولۂ طپانچہ مجروح ساخت و صبح عجب ہنگامہ ازین ماجرای حیرت افزا در تمام شہر برپا شد ۔ ہیچ کس نبود کہ دندان تاسف

بلب نوسانید ۔'' (صفحہ ۵٦ - ۵۵ ، 'عقد ثریا' از مصحفی)

'معمولات مظہری' میں مولانا نعیم اللہ کا بیان ہے :

''تفصیش آنکہ ہفتم محرم الحرام سنہ یک ہزار و یکصد و نود و پنج ہجری از دست ...... شیعی زخم گولی طپنچہ بر سینۂ مبارک رسیدہ و از درد آں ضرب شدید بیتاب شدہ غشی کردہ بخاک و خون غلطید [ند] و بہ زبان حال اشعار دیوان خود را ترنم نمودند :

بنا کردند خوش رسمی بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را''

'مقامات مظہری' میں مسطور ہے :

''بدھ کی رات ، ساتویں محرم ۱۱۹۵ھ کو ایک پہر رات گئے کئی آدمی آپ کے گھر کے دروازے پر آئے اور دستک دی ۔ خادم نے اطلاع دی کہ بعض لوگ زیارت کے لیے حاضر ہوئے ہیں ۔ آپ نے فرمایا آنے دو ۔ اس پر تین شخص اندر داخل ہوئے ۔ ایک ان میں ولایت زا مغل تھا ۔ حضرت خوابگاہ سے نکل کر سامنے تشریف لائے ۔ مغل نے پوچھا مرزا جانجاناں آپ ہیں ؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا ۔ اس پر اس بدبخت نے طپنچے کا فیر کیا ۔ گولی بائیں طرف دل کے قریب لگی ۔ آپ صدمے سے گر گئے ، لوگوں کو اطلاع ہوئی ، جراح حاضر ہوا ۔ صبح نجف خاں نے فرنگی ڈاکٹر اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ جن شقیوں نے اس جرم کا ارتکاب کیا ان کا پتہ نہیں چلتا ۔ جب پتہ لگے گا ان کو سزا دی جائے گی ۔ آپ نے کہلا بھیجا کہ اگر ارادۂ الٰہی شفا سے تعلق رکھتا ہے ، میرا زخم اچھا ہو جائے گا ، جراح کی حاجت نہیں ۔ قاتل کا پتہ مل جائے تو سن رکھیے میں نے اس کو معاف کر دیا ، آپ بھی معاف کر دیا ۔ آپ تین روز زندہ رہے ۔ ضعف ہر روز بڑھتا گیا ۔ سنیچر کی شام کو وقت نماز مغرب جس کی صبح کو دس محرم تھی ، دو تین مرتبہ زور زور سے سانس لیا اور اس دار فانی سے عالم جاودانی کو تشریف لے گئے ۔ آپ کی تاریخ وفات اس حدیث سے نکلتی ہے :

''عاش حمیدا مات شہیدا ۔''

حضرت میرزا کا واقعۂ شہادت ایک سیاسی معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ نجف خاں کو شاہ عالم بادشاہ الہ آباد سے اپنے ساتھ لے کر ۱۱۸۵ھ—۱۷۷۱ع میں دہلی آئے ہیں ۔ نجف خاں کی آمد سے شیعیت کو فروغ ہو گیا ۔ ادھر رعیت بھی ان سے خوش نہیں تھی ۔ میرزا صاحب اپنے ۳۳ ویں خط میں لکھتے ہیں :

''حال مردم این شہر از روزیکہ نجف خاں آمدہ است ، از شاہ تا گدا تباہ است و ذکر خلاص مجدالدولہ بر زبان خاص و عام است ۔ خداے تعالیٰ زود بظہور آرد ۔'' (صفحہ ۴۳ ، 'کلمات طیبات')

نجف خاں نے روہیلوں کی طاقت کو پامال کیا اور ضابطہ خاں کو مرہٹوں کی مدد سے شکست دی ۔ روہیلے بے شمار تعداد میں مرزا صاحب کے مرید تھے ۔ نجف خاں شیعہ تھے اور میرزا صاحب جیسا کہ مصحفی نے مرقوم کیا ہے ، اہل سنت کے پیشوا مانے جاتے تھے ۔ میرزا کے مریدوں کا بیان ہے کہ نجف خاں کے استظہار پر یہ جرم عمل میں آیا ۔ 'مقامات مظہری' کی عبارت ہے :

''نجف خاں کہ بر قفای او مرتکب این امر شدہ بودند و وی در اجرای حد تغافل کرد عنقریب مردود اتباع او باہم مجادلات نمودہ رخت حیات بر بستند ۔ نشانی ازان ظالمان نیست ۔''

('مقامات مظہری' صفحہ ۶۲)

'معمولات مظہری' میں یہ شعر ملتے ہیں :

نجف خاں نماند و نجف خانیش
نہ افراسیاب و نہ ہمدانیش
نہ لشکر بماند و نہ مرزا شفیع
شود حاکم نو بفضل ربیع

یہ بیانات مرزا صاحب کے مریدوں کے جذبات کے آئینہ دار ہیں ۔

مرزا رفیع سودا

سال پیدائش حضرت مولانا نے ۱۱۲۸ھ لکھا ہے لیکن شیخ چاند قائم کی سند پر یہ استدلال لاتے ہیں کہ ''مرزا رفیع شاہ عالم بہادر شاہ

(۱۱۱۹ھ و ۱۱۲۳ھ) کے دور میں شاہی فوج کے ساتھ دکن گئے ہیں۔ اس بیان کی رو سے اس زمانے میں ان کی عمر فوجی خدمت کے لیے کم از کم اٹھارہ سال ہوگی۔ اس لحاظ سے ان کی ولادت ۱۱۰۶ھ سے قبل ہونی چاہیے۔ (صفحہ ۳۵ 'سودا')

مگر میں مولانا کے بیان کو ترجیح دوں گا کیوں کہ میرے خیال میں سودا کی شاعری ۱۱۵۰ھ کے قریب شروع ہوتی ہے۔ اگر ان کا سال ولادت ۱۱۰۶ھ میں مانا جائے تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ مرزا نے تقریباً چوالیس پینتالیس سال کی عمر میں شاعری شروع کی اور یہ امر سودا جیسے شاعر طبیعت انسان سے نہایت بعید ہے کہ شباب گزار کر عالم کہولت میں قدم رکھنے کے بعد شعر کو پیشے کی حیثیت سے اختیار کرے۔

قائم کے جس بیان پر شیخ چاند نے اعتماد کیا ہے، حسب ذیل ہے:

''میرزا ابوطالب المتخلص بہ طالب مردی بود ہفتاد سالہ از متوطنان قصبۂ بلندہ کہ در نواح اورنگ آباد است، در لشکر بہادر شاہ سابقہ آشنائی بہ عموی بزرگوار حضرتم میرزا رفیع سودا بہم رساند۔ ہمراہ لشکر ظفر اثر برفاقت ایشان برای کار جاگیر خود بدارالخلافہ شاہجہان آباد رسیدہ تا مدتی کہ اقامت نمود، ہم خانۂ ایشان بود۔ بعضی ازین احوال و اشعار کہ سابق مرقوم شدہ زبانی مرزا ابوطالب مسطور بمرزا صاحب رسیدہ بود و ازیشان علیٰ سبیل ذکر و مذکور بفقیر معلوم گردیدہ۔''

(صفحہ ۹، 'مخزن نکات')

اس عبارت سے تو وہ مطلب اخذ نہیں ہوتا جو شیخ چاند سمجھے ہیں، بلکہ قائم کا مطلب تو یہ ہے کہ مرزا ابوطالب طالب تخلص نے جو ستر سال کے بوڑھے اور قصبہ بلندہ واقع نواح اورنگ آباد کے رہنے والے تھے، حضرت مرزا رفیع سودا کے عم بزرگوار کے ساتھ دوستی کا تعلق پیدا کر لیا اور انھی کی رفاقت میں لشکر ظفر پیکر کے ہمراہ اپنی جاگیر کے معاملات کے سلسلے میں دارالخلافہ شاہجہان آباد آئے وغیرہ وغیرہ۔ ہاں تو یہ مرزا رفیع نہیں ہیں جو بہادر شاہ کے لشکر کے ساتھ

دکن سے دلی آئے بلکہ ان کے چچا ، لہذا اس شہادت کی بنا پر مرزا رفیع کی ولادت ۱۱۰۶ھ یا اس کے قریب نہیں مانی جا سکتی ۔ ادھر میر حسن اپنے تذکرے میں جو ۱۱۸۸ھ کے قریب لکھا جاتا ہے ، کہتے ہیں :

''سن شریفش بہ ہفتاد رسیدہ باشد''

اس قیاس سے انہیں ۱۱۱۸ھ یا ۱۱۲۰ھ میں پیدا ہونا چاہیے ۔

قولہ ، صفحہ ۱۷۸ : ''جب مرزا رفیع لڑکے تھے ، آس وقت میر جعفر زٹلی کا بڑھاپا تھا ۔ اگلے وقتوں کے لوگ رنگین[1] جریبیں جن پر نقاشی کا کام ہوتا تھا ، اکثر ہاتھ میں رکھا کرتے تھے ۔ ایک دن شام کے قریب میر موصوف ایک سبز رنگ جریب ٹیکتے ٹہلنے کو باہر نکلے ۔ مرزا بغل میں کتابوں کا جزدان لیے سامنے سے آتے تھے ۔ آس زمانے میں ادب کی بڑی پابندی تھی ۔ بزرگوں کو سلام کرنا اور ان کی زبان سے دعا لینے کو بڑی نعمت سمجھتے تھے ۔ مرزا نے جھک کر سلام کیا اور انھوں نے خوش ہو کر دعا دی ۔ چونکہ بچپن میں ہی مرزا کی موزونی طبع کا چرچا تھا ، میر صاحب کچھ باتیں کرنے لگے ۔ مرزا ساتھ ہو لیے ، انھوں نے نوخیز طبیعت کے بڑھانے کے لیے کہا کہ مرزا بھلا ایک مصرع پر مصرع تو لگاؤ : ع

لالہ در باغ داغ چوں دارد

مرزا نے سوچ کر کہا : ع

عمر کوتاست غم فزوں دارد

میر صاحب نے فرمایا ۔ واہ مرزا ، دن بھر کے بھوکے تھے 'د' کھا گئے ۔ مرزا نے پھر کہا : ع

از غم عشق سینہ خوں دارد

میر صاحب نے فرمایا : واہ بھئی ، دل خون ہوتا ہے ، جگر خون

---

۱ رنگین اور منقش جریبوں کا رواج ، میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ دہلی میں نادر شاہ کی آمد کے بعد ہوا ہے ۔

ہوتا ہے ، بھلا سینہ کیا خون ہوگا ؟ سینہ ؑپر ز خون ہوتا ہے ۔
مرزا نے پھر ذرا فکر کیا اور کہا : ع
چہ کند سوزش دروں دارد
میر صاحب نے کہا ہاں مصرع تو ٹھیک ہے لیکن ذرا طبیعت پر زور دے کر کہو ۔ مرزا دق ہوگئے تھے ، جھٹ کہہ دیا : ع
یک عصا سبز زیر کوں دارد
میر جعفر مرحوم ہنس پڑے اور جریب اٹھا کر کہا ۔ کیوں یہ ہم سے بھی ! دیکھو کہوں گا تیرے باپ سے ۔ بازی نوبش بابا ہم بازی ۔ مرزا لڑکے تو تھے ہی ، بھاگ گئے ۔''

حضرت مولانا کی سحر بیانی نے اس قصے کو بالکل حقیقت کا رنگ دے دیا ۔ ہم اس کی دلآویزی اور دلکشی پر لوٹ جاتے ہیں مگر یہ قصہ اپنی قدیمی شکل میں بالکل مختلف تھا ۔ میر حسن دہلوی جو مولانا سے ایک صدی پیشتر گزرے ہیں ، اسی قصے کو خود جعفرزٹلی کی طرف منسوب کر رہے ہیں ۔ چنانچہ :

''نقل است کہ روزی پیش مرزا بیدل رفت ۔ مرزا در فکر مصرعی مصروف بودند ، ملتفت نشدند ۔ پرسید کہ صاحب و قبلہ کدام مصرعے فرمودہ اند ۔ گفت بلی و آن این مصرع بود : ع
لالہ بر سینہ داغ چوں دارد
میر مسطور گفت دربن تامل چیست : ع
چوبکی سبز زیر.....دارد
میرزا ازبن معنی ہم برآمد ۔ زود چیزی دادہ رخصت نمود ۔''

اس قدیم شہادت کے موجود ہوتے ہوئے سودا کے ساتھ اس قصے کا انتساب بے اصل ٹھہرتا ہے ۔

قولہ ، صفحہ ۱۵۲ : ''جب کلام کا شہرہ عالمگیر ہوا تو شاہ عالم بادشاہ اپنا کلام اصلاح کے لیے دینے لگے اور فرمائشیں کرنے لگے ۔ ایک دن کسی غزل کے لیے تقاضا کیا ۔ انھوں نے عذر بیان کیا ۔ حضور نے فرمایا 'بھئی مرزا کے غزلیں روز کہہ لیتے ہو؟' مرزا نے

کہا ، پیر و مرشد ! جب طبیعت لگ جاتی ہے تو دو چار شعر کہہ لیتا ہوں ۔ حضور نے فرمایا ، بھئی ہم تو پائیخانہ میں بیٹھے بیٹھے چار غزلیں کہہ لیتے ہیں ۔ ہاتھ باندھ کر عرض کی ۔ حضور ویسی بو بھی آتی ہے ۔ یہ کہہ کر چلے آئے ۔ بادشاہ نے پھر کئی دفعہ بلا بھیجا اور کہا کہ ہماری غزلیں بناؤ ، ہم تمھیں ملک الشعرا کر دیں گے ، یہ نہ گئے اور کہا کہ حضور کی ملک الشعرائی سے کیا ہوتا ہے ۔ کرے گا تو میرا کلام ملک الشعرا کرے گا ۔"

شاہ عالم جن کا شاہزادگی کا نام عالی گوہر ہے ، ۱۱۴۰ھ میں پیدا ہوئے ۔ ۱۱۷۲ھ میں عمادالملک غازی الدین کے خوف سے جو ان کے باپ عالمگیر ثانی کا وزیر تھا اور ان کی گرفتاری کے در پے تھا ، دہلی سے نکل کر بنگالے کی طرف چل دیے ۔ ۱۱۷۳ھ میں جب بہار میں مقیم تھے ، عالمگیر ثانی کے قتل کی اطلاع ان کو پہنچی اور ۴ جمادی الثانی سنہ مذکور کو بہار میں ہی تخت نشین ہو گئے ۔ بکسر کی جنگ کے بعد ۱۱۷۸ھ میں بادشاہ انگریزوں کی معیت میں الہ آباد روانہ ہوتے ہیں ، جہاں پہنچ کر کمپنی کو سند دیوانی بنگالہ عطا کرتے ہیں اور ان کے زیر اقتدار ۱۱۸۵ھ تک رہتے ہیں ۔ بادشاہ شہر میں رہتے تھے اور ان کا انگریز محافظ جنرل اسمتھ جو نہایت بد مزاج معلوم ہوتا ہے ، قلعے میں رہتا تھا ۔ بد ذات کو بادشاہی نوبت کی آواز برداشت نہیں تھی لہذا حکماً اس نے نوبت بند کروا دی ۔ بد نصیب شاہ عالم کو کیسی نرالی اور رنگا رنگی رعیت ملتی ہے ۔ ایک اس کی غزلوں میں پاخانے کی بو سونگھتا ہے ، دوسرا اس کی نوبت کو بند کروا دیتا ہے ۔ قصہ مختصر بادشاہ اسی سال یعنی ۱۱۸۵ھ میں دہلی پہنچ جاتے ہیں اور پورے تیرہ چودہ سال باہر رہتے ہیں ۔ ادھر مرزا سودا ۱۱۷۰ھ میں نواب عمادالملک غازی الدین خاں کے ساتھ فرخ آباد پہنچتے ہیں ۔ دیوان فرخ آباد مہربان خاں رند جس کو شعر و شاعری کا بڑا ذوق تھا اور متعدد شعرا اس کی سرکار میں ملازم تھے ، سودا کو نواب سے مانگ لیتا ہے ۔ اس وقت سے تقریباً ۱۱۸۳ھ تک مرزا فرخ آباد میں رہتے ہیں ۔ اس کے بعد فیض آباد پہنچ

کر شجاع الدولہ کی سرکار سے تعلق پیدا کر لیتے ہیں اور ۱۱۸۸ھ میں جب آصف الدولہ لکھنؤ آ جاتے ہیں ، یہ بھی لکھنؤ میں قیام پذیر ہو کر ۱۱۹۵ھ میں اسی شہر میں انتقال کرتے ہیں ۔ اس لیے اگر ہم یہ کہیں کہ ۱۱۷۰ھ سے تا دم وفات سودا کی شاہ عالم سے ملاقات ہی نہیں ہوئی تو یہ تمام گفتگو جو شاہ عالم بادشاہ اور سودا کے مابین غزل گاری کے متعلق کرائی گئی ہے ، بالکل بے اصل اور بے معنی ٹھہرتی ہے ، جس میں ذرہ بھر صداقت نہیں ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس موقع پر مولانا لکھنؤ کی روایت کے تابع بن گئے ہیں جس کا مقصد مغلوں کو بدنام کرنا ہے ۔

رہی ملک الشعرائی ، مغلوں میں اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کے عہد سے یہ عہدہ متروک ہو چکا تھا ، لیکن میر تقی میر نے ملک الشعرائی کا تاج سودا ہی کے سر پر رکھا ہے ۔ کہتے ہیں :

"پیش فکرعالیش طبع عالی شرمندہ ۔ شاعر ریختہ ، چنانچہ ملک الشعرائی اورا شاید ۔"

فی الحقیقت اس منصب کے سودا اور صرف سودا ہی مستحق تھے ۔

قولہ ، صفحہ ۱۵۲ : گزشتہ سے پیوستہ : مرزا دل شکستہ ہو کر گھر میں بیٹھ رہے ۔ قدردان موجود تھے ، کچھ پروا نہ ہوتی ۔ ان میں اکثر رؤسا و امراء خصوصاً مہربان خاں اور بسنت خاں خواجہ سرا تھے ۔"

مرزا کی دل شکستگی بالکل بے جا معلوم ہوتی ہے ۔ خود ہی بادشاہ کی غزلیں بنانے سے انکار کرتے ہیں ، آس کی غزلوں کو بدبودار بتاتے ہیں ، جا کر گھر بیٹھ رہتے ہیں اور دل شکستہ بھی ہو جاتے ہیں ۔ مرزا نہ ٹھہرے چھوئی موئی ٹھہرے ۔

دہلی میں مرزا کا کوئی ممدوح مہربان خاں نامی نہیں ہے بلکہ یہ مہربان خاں فرخ آباد میں ہے جو مرزا کو عمادالملک سے ۱۱۷۰ھ میں مانگ لیتا ہے ۔

دہلی میں مرزا کے ممدوحین میں بسنت خان محمد شاہی کے علاوہ نواب سیف الدولہ احمد علی خاں بہادر پسر صلابت خان بخشی احدیان تھے ۔ دوسرے نواب عمادالملک غازی الدین خان جن کی تعریف میں کلیات میں چار قصیدے موجود ہیں ۔

قولہ ، صفحہ ۱۵۳ : ''غرض ۶۰ یا ۶۶ برس کی عمر میں دلی سے نکل کر چند روز فرخ آباد میں نواب بنگش کے پاس رہے ۔ اس کی تعریف میں بھی کئی قصیدے موجود ہیں ۔ وہاں سے ۱۱۸۵ھ میں لکھنؤ پہنچے ۔''

اس سے قبل مرزا کا سال پیدائش حضرت مولانا نے ۱۱۲۵ھ بیان فرمایا ہے ۔ اس حساب سے ان کی ساٹھ اور چھیاسٹھ برس کی عمر کے وقت سال ہجری ۱۱۸۵ و ۱۱۹۱ھ ہونا چاہیے ۔ مگر اس عہد سے پندرہ بیس سال قبل وہ دہلی کو خیرباد کہہ چکے ہیں اور فرخ آباد پہنچ جاتے ہیں ۔ قائم 'مخزن نکات' میں بذیل مہربان خان بہادر لکھتا ہے :

''درین اثناً یگانۂ جہان اشرف زمان حضرتم مرزا محمد رفیع سودا سلمہ اللہ تعالیٰ برفاقت وزیرالمالک نواب غازی الدین خان بہادر در بلدۂ فرخ آباد رسیدند ۔ خان موصوف از نواب وزیر درخواستہ مرزاے موصوف را برفاقت خود گرفت ۔'' (صفحہ ۵۵)

وزیرالمالک نواب غازی الدین خاں عماد الملک بروایت 'تاریخ مظفری' و 'سیر المتاخرین' وصولی زر کے لیے حسب الحکم احمد شاہ ابدالی ۱۱۷۰ھ میں فرخ آباد پہنچتے ہیں ۔ اس طرح سودا ۱۱۷۰ھ میں فرخ آباد پہنچ گئے اور کم از کم ۱۱۸۳ھ تک تو ضرور یہاں رہے کیونکہ اسی سال وہ ایک خط فرخ آباد سے میر اولاد محمد خاں بلگرامی کو دکن میں بھیج رہے ہیں ۔ شفیق اورنگ آبادی اپنے مشہور تذکرے 'گل رعنا' میں مرزا کے سلسلے میں رقم طراز ہے :

''بعد تحریر این تذکرہ خطے محررۂ غرہ ربیع الآخر سنہ ثلاث و ثمانین و مأیتہ الف بنام میر اولاد محمد خاں بلگرامی از فرخ آباد بدکن فرستادہ ۔''

بہرحال مرزا سودا تیرہ چودہ سال فرخ آباد میں رہے اور ۱۱۸۵ھ میں یا اس سے قبل لکھنؤ نہیں بلکہ فیض آباد تشریف لے گئے کیونکہ شجاع الدولہ کا دارالحکومت فیض آباد تھا ۔

کلیات سودا میں نواب احمد خاں بنگش کی تعریف میں مجھے کوئی قصیدہ نہیں ملا ۔ مولانا کو ممکن ہے احمد علی خان (سیف الدولہ) کے نام پر بنگش کا دھوکا ہو گیا ہو ۔

اب میں اُس ادبی بحث و مباحثہ کا ذکر کرتا ہوں جو رسالہ 'عبرت‌الغافلین' تالیف ہونے کی بنا پر سودا اور مرزا فاخر مکین کے درمیان وقوع میں آیا اور بہت جلد بعد مجادلے و مناقشے کی صورت میں بدل گیا ۔ آزاد نے تفصیل کے ساتھ 'آبحیات' میں اسے بیان کیا ہے ۔ بہ ظاہر آزاد کے پاس اس قصے کا ماخذ نو سو ابیات کا وہ قصیدہ ہے جو کلیات سودا (طبع مصطفائی دہلی ۱۲۷۰ھ) کی ابتدا میں چھپا ہے ، لیکن تعجب اس امر پر آتا ہے کہ مولانا آزاد نے خاص طور پر آخری بیانات میں اپنے اصل سے بالکل اختلاف کیا ہے جس کے لیے بظاہر ہمیں کوئی وجہ جواز معلوم نہیں ۔ میں اس قصے کو اُسی موقع سے لیتا ہوں جب شیخ زادے سودا کو پکڑنے آتے ہیں اور کہتے ہیں ، ''جلد چلیے، مرزا نے آپ کو بلایا ہے'' ۔ مرزا خفقان کا بہانہ کرتے ہیں اور کل پر ٹالتے ہیں ، وہ نہیں مانتے ۔ ایک شخص نے ان کے کوکھ پر چھری دھر دی اور دو شخص ننگی تلواریں لیے کھڑے ہو گئے اور بولے ''ہم تمہیں اسی وقت لے جائیں گے اور وہ رسالہ بھی جو آپ کی تصنیف ہے ، ساتھ لے لیجیے ۔''

الغرض سودا نے جب یہ درشتی دیکھی ، ناچار میانہ منگوا کر اُس میں بیٹھے ۔ ان بد معاشوں میں سے ایک ننگی چھری لیے میانے میں آ بیٹھا ۔ اب یہ شیطانی لشکر روانہ ہوا ۔ حکیم اصلح الدین جس کی طرف یہ قصیدہ منسوب ہے ، کہتا ہے کہ مرزا اپنے گھر سے ابھی دس قدم ہی گئے ہوں گے کہ سامنے سے نواب سعادت علی خاں بہ سواری فیل آ رہے تھے ۔ مرزا کو میانے میں اور گرد وہ شیطانی لشکر دیکھ کر پوچھنے لگے کہ کیا معاملہ ہے اور جب اصل حقیقت معلوم ہوئی ، سودا کو اپنے پاس خواصی میں بٹھا لیا ۔ چنانچہ اصل اشعار :

سودا نے ان اشرار کی دیکھی جو یہ شدت
سمجھا کہ کریں گے نہ یہ بدذاتی میں تقصیر

ناچار میانے کو منگا اس میں وہ بیٹھا
جب دیکھی کوئی اس نے بجز اس کے نہ تدبیر

ان میں سے چھری کھینچ وویں آن کے جلدی
چڑھ بیٹھا میانے میں بھی اک بچۂ خنزیر

اس طرح سے جب لے چلا تنہا اسے پا کر
وہ لشکر شیطان دغا پیشۂ بے پیر

گھر اس کے سے لے پہنچے تھے تا دس قدم اس کو
نا گاہ تماشہ یہ دکھائی انہیں تقدیر

نواب سعادت علی خاں ہاتھی کے اوپر
با فوج و حشم اس گھڑی آ کر ہوئے رہگیر

دیکھیں تو ہے مرزا رفیع اک میانے کے اندر
اور گرد ہے اس میانے کے اک جم متاہیر

سودا سے لگے پوچھنے یہ ماجرا کیا ہے ؟
سن کر، کی اس احوال کی کچھ تھوڑی سی تقریر

بٹھلا لیا نواب سعادت علی خاں نے
سودا کے تئیں اپنی خواصی میں بتوقیر

جیسے ہی نواب سودا سے مخاطب ہوئے وہ نابکار بھاگ گئے اور سیدھے اپنے استاد کے گھر پہنچے ۔ ادھر نواب سودا کو لے کر اپنے گھر آئے ۔ سودا سے فرمانے لگے ''افسوس ہے کہ میں صاحب اختیار نہیں ورنہ تم دیکھتے کہ میں ان بد ذاتوں کو کیسی سزا دیتا ۔ اب تم کچھ عرصہ میرے پاس رہو ورنہ ممکن ہے کہ وہ پھر آ کر تم سے پرخاش کریں ۔'' الغرض سودا نے تمام قصہ دہرایا اور اسی شب اپنے گھر پہنچ گیا ۔ جب اس واقعے کی خبر نواب آصف الدولہ کو ہوئی ، بہت برافروختہ ہوئے ۔ اپنے نائب مختار کو بلایا اور حکم دیا کہ ''شیخوں کا محلہ کھدوا کر

پھینک دو اور گنگا پار اخراج کر دو ۔ سب سے پہلے مکین کو نکالو جس نے ان اشرار کو مامور کیا تھا ۔ میرے حکم کی فوراً تعمیل کرو ۔ اگر تم نے دیر کی ، میں خاصہ نہیں کھاؤں گا ۔''

یہاں میں بخوف طوالت حشو و زوائد کو حذف کرکے صرف ضروری اشعار پر قناعت کرتا ہوں :

سودا سے جوہیں ٹک متوجہ ہوئے نواب
یک چشم زدن میں یہ ہوئے واں سے ہوا گیر

جز پیر کے گھر اپنے کہ تا کہ آن میں پہنچے
ٹھہرے نہ کہیں بیچ میں ، یہ بھاگے وہ بے پیر

نواب جو سودا کے تئیں لے گئے ہمراہ
داخل ہو مکاں میں لگے فرمانے یہ تقریر

''حاکم نہیں اس عہد کا ، مجبور ہوں ورنہ
تم دیکھتے دیتا میں جو ان کے تئیں تعزیر''

فرمایا پھر اُس کے تئیں از راہ تقاضا
''تم یاں رہو یک چند کہ جاتا نہیں تدبیر

تم سے کریں پھر اُن کے شاید کہ خلش وہ
ان موذیوں کا بس کہ ہے بدذاتی سے تخمیر''

سودا نے کہا ''یہ ہے مرا خانۂ امید
حق اس کو رکھے حشر تلک فیض کی جاگیر''

....

احوال یہ کر عرض ، ہو نواب سے رخصت
کر آیا اُسی رات کو گھر اپنے میں شبگیر

پہنچی جب اُسے یہ خبر آفاق میں جو تھا
فریاد رس آہو و کلہ شکن شیر

وہ آصف جمجاہ کہ عدل اُس کے سے دائم
شاہیں رہا عہد اُس کے میں محکوم عصافیر

یہ شعلہ‌ور آتش خشم و قہر کی اس کے
اس لحظہ تھی ، قاصر ہے بیاں جس کے میں تقریر
مختار تھا اس عصر میں نواب کا نائب
لایا تھا ممالک کو وہ سب اس کے یہ تسخیر
فرمایا اسے آصف دوراں نے بلا کر
''ان شیخوں کی تم نے سنی یہ بدعت و تقصیر
ناحق متعرض ہوئے سودا سے وہ جا کر
واللہ کہ ہے ان کی خطا کی بھی تعزیر
کھدواؤ محلے کو ابھی جا کے انھوں کے
اور منہدم اس کو کرو جو ان کی ہو تعمیر
پھر ان میں سے ایک ایک کو گنگا کے کرو پار
اخراج سبھوں کو کرو لے طفل سے تا پیر
اور پہلے اسے پار اترواؤ کہ جس نے
بھیجا تھا ان اشرار کو از بہر زد و گیر
لاؤ مرے احکام کو تم جلد عمل میں
خاصہ میں نہ کھاؤں گا اگر اس میں ہوئی دیر''
(صفحہ ۲۰۰ ، 'کلیات سودا' ، طبع مصطفائی دہلی ، ۱۲۷۰ھ)

نائب مختار شیخوں کے سردار کا دوست تھا ۔ اس کے لحاظ سے اس نے یہ تدبیر کی کہ اپنے عہدہ داروں کے ساتھ مرزا مکین اور تمام شیخ زادوں کو مرزا سودا کے پاس معافی مانگنے اور قصور معاف کرانے کے لیے بھجوا دیا ۔ پوری ٹولی نے ندامت اور شرمندگی کے ساتھ اپنی خطا بخشوائی ۔ مرزا نے ان کا قصور معاف کر دیا اور عطر و پان دے کر ان کو رخصت کیا ۔ نواب آصف الدولہ کے ہرکارے موجود تھے ۔ انھوں نے سارا ماجرا نواب کے گوش گذار کر دیا اور اس پر یہ معاملہ ختم ہو گیا :

نائب نے جو نواب کے اس وقت میں دیکھی
اس مرتبہ نار غضب و غصہ کی تاثیر

حیراں تھا کہ کیا بات بناؤں میں کہ جس سے
نواب کے نزدیک معاف ان کی ہو تقصیر

تھا اس کو سلوک اس سے ان ایام میں منظور
رکھتا تھا وہ شیخوں کی بہ سرداری جو تشہیر

خاطر کا تھا پاس اس کے جو مختار کو ملحوظ
از بہر رفاہ اس کے یہ نائب نے کی تدبیر

ارکانوں کو تب اپنے بلا کر کہا اس نے
''یہ کام کرو جلد ، کرو اس میں نہ تاخیر

سب شیخ بچوں کے تئیں تم اور مکیں کو
سودا کنے لے جا کے ، کرو اس سے یہ تقریر

حاضر ہوئے ہیں آ کے گنہگار تمھارے
جس طرح انھیں چاہیے اب دیجیے تعزیر''

القصہ جو تھے نائب مختار کے ارکان
آ شیخوں کے گھر میں وہ لگے کرنے یہ تقریر

''سودا کے گھر اب تم چلو سب لے کے مکیں کو
اس میں ہی بھلائی ہے تمھاری نہ کرو دیر''

سودا کنے جس وقت کہ اُن کے تئیں لائے
خجلت سے ہر اک آن میں تھا غرق خوی تشویر

خفت سے انھوں کے تھا جو کچھ چہروں کا عالم
احوال وہ زنہار نہیں قابل تحریر

سودا کے حضور آن سبھوں کو لائے وہ اشخاص
اور بولے کہ ان خاطیوں کی بخشیے تقصیر

سودا نے کہا ''اُن کی میں تقصیر سے گذرا
سر آ کے انھوں نے مرے آگے کیے جب زیر

یہ کیا کریں اس میں کہ مقدر مرے یوں تھا
انسان کو لازم ہے رہے تابع تقدیر''

رخصت انھیں سودا نے کیا عطر دے اور پان
حاصل یہ انھیں اس حرکت سے ہوئی توقیر

ہرکارے نواب آصف‌الدولہ کے تھے حاضر
جا عرض کیا دیکھ گئے تھے جو یہ تفسیر

سودا کا کشاکش وہ ہوا موجب عزت
اس سے بڑھی اور اس کی تو استادی کی توقیر

اے مصحفی اس طرح سے یہ سانحہ گذرا
جو تو نے بقا ساتھ کیے معرکے تحریر
(صفحہ ۲۰، 'کلیات سودا' - ۱۲۷۰ھ)

یہ بیان مولانا آزاد کے بیان سے بالکل مختلف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ :

''اتفاقاً سعادت علی کی سواری آ نکلی - مجمع کو دیکھ کر ٹھہر گئے اور حال دریافت کر کے سودا کو اپنے ساتھ ہاتھی پر بٹھا کر لے گئے - آصف‌الدولہ حرم سرا میں دسترخوان پر تھے - سعادت علی خان اندر گئے اور کہا کہ بھائی صاحب ! بڑا غضب ہے ، آپ کی حکومت اور شہر میں یہ قیامت ! آصف‌الدولہ نے کہا کیوں بھئی خیر باشد - انھوں نے کہا کہ مرزا رفیع جس کو باوا جان نے برادر اور مشفق مہربان کہہ کر خط لکھا ، آرزوئیں کر کے بلایا اور وہ نہ آیا ؛ آج وہ یہاں موجود ہے اور اس حالت میں ہے کہ اگر - اس وقت میں نہ پہنچتا تو شہر کے بدمعاشوں نے اس بے چارے کو بے حرمت کر ڈالا تھا - پھر سارا ماجرا بیان کیا - آصف‌الدولہ فرشتہ خصال گھبرا کر بولے کہ بھئی مرزا فاخر نے ایسا کیا تو مرزا کو کیا ، گویا ہم کو بے عزت کیا - باوا جان نے انھیں بھائی لکھا تو وہ ہمارے چچا ہوئے - سعادت علی خان نے کہا کہ اس میں کیا شبہ ہے - اسی وقت باہر نکل آئے - سارا حال سنا ، بہت غصے ہوئے اور حکم دیا کہ شیخ زادوں کا محلہ اکھڑوا کر پھینک دو اور شہر سے نکلوا دو - مرزا فاخر کو جس حال میں

ہو ، اسی حال سے حاضر کرو - سودا کی ایک نیتی دیکھنی چاہیے، ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ "جناب عالی ! ہم لوگوں کی لڑائی کاغذ قلم کے میدان میں آپ ہی فیصل ہو جاتی ہے - حضور اس میں مداخلت نہ فرماویں ، غلام کی بد نامی ہے - جتنی مدد حضور کے اقبال سے پہنچی وہی کافی ہے -" غرض مرزا رفیع بہ اعزاز و اکرام وہاں سے رخصت ہوئے - نواب نے احتیاطاً سپاہی ساتھ کر دیے -

حریفوں کو جب یہ راز کھلا تو امرائے دربار کے پاس دوڑے - صلاح ٹھہری کہ معاملہ روپیہ یا جاگیر کا نہیں - تم سب مرزا فاخر کو ساتھ لے کر مرزا رفیع کے پاس چلے جاؤ اور خطا معاف کروالو - دوسرے دن آصف‌الدولہ نے سر دربار مرزا فاخر کو بھی بلایا اور کہا کہ تمھاری طرف سے بہت نازیبا حرکت ہوئی ، اگر شعر کے مرد میدان ہو تو اب روبرو سودا کے ہجو کہو- مرزا فاخر نے کہا : "این از ما نمی آید" - آصف‌الدولہ نے بگڑ کر کہا : "دوست ، این از شا نمی آید ، این می آید کہ شیاطین خود را بر سر میرزای بیچارہ فرستادید از خانہ ببازارش کشیدند و میخواستند آبرویش بخاک ریزند؟" پھر سودا کی طرف اشارہ کیا ، یہاں کیا دیر تھی ، فی‌البدیہ رباعی پڑھی :

تو فخر خراسانی و 'فا' ساقط ازو
گوہر بدہان داری و 'را' ساقط ازو

روزان و شبان ز حق تعالٰی خواہم
مرکب دہدت خدای و 'با' ساقط ازو

یہ جھگڑا تو رفع دفع ہوا مگر دور دور سے ہجووں میں چوٹیں چلتی رہیں -" ('آبحیات' صفحہ ۱۷۱-۱۷۲)

حضرت مولانا نے اپنے زور قلم سے اس بیان کو بالکل حقیقی اور راست تما بنا دیا ہے - لطف یہ ہے کہ شیخ چاند 'سودا' کے قابل مصنف نے بغیر مزید تلاش و مقابلہ اسی کو قبول کر لیا ہے - مگر اس ڈرامے

کا جو نواب کے سامنے ہوتا ہے ، سید اصلح الدین خاں کی نظم میں کہیں مذکور نہیں ۔ قصے کو ڈرامائی چاشنی دینے کے لیے فاخر مکین اور نواب کی گفتگو فارسی زبان میں کرائی جاتی ہے مگر یہ رباعی جو مرزا سودا ، فاخر مکین کی ہجو میں آصف الدولہ کے سامنے فی البدیہہ پڑھتے ہوئے دکھائے گئے ہیں ، حقیقت میں سودا کی مِلک نہیں ہے بلکہ قدیم ہے ۔ راقم کے پاس ایک بیاض ہے جو شاہجہاں کے عہد میں ۱۰۶۲ھ میں نقل ہوئی ہے ۔ اس بیاض میں یہ رباعی موجود ہے ۔ یوں بھی یہ امر قابل حیرت ہے کہ مرزا مکین جن کا نام فاخر ہے ، رباعی میں فخر کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں ۔ وہ خراسانی نہیں ہیں بلکہ کشمیری الاصل ، اس لیے سودا کو کیا ضرورت تھی کہ اپنی رباعی میں فاخر کا نام اور وطنیت غلط دیتا ۔ فاخر فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے ۔ جب شاہ عالم بادشاہ الہ آباد میں مقیم تھے ، مکین کو اودھ سے الہ آباد بلواتے ہیں ۔ بیٹھنے کا حکم دیتے ہیں ۔ اپنے کلام کا طومار اصلاح کے لیے پیش کرتے ہیں ۔ یہ مکین ہیں جو شاہ عالم بادشاہ کا تخلص آفتاب رکھتے ہیں ۔

حضرت مولانا کا آصف الدولہ کے سامنے سعادت علی خاں کے منہ سے یہ فقرہ کہلوانا کہ ”مرزا رفیع جس کو باوا جان نے برادر اور مشفق مہربان کہہ کر خط لکھا ، آرزوئیں کر کے بلایا اور وہ نہ آیا ، آج وہ یہاں موجود ہے اور اس حالت میں ہے کہ اگر اس وقت میں نہ پہنچتا تو شہر کے بدمعاشوں نے اس بے چارے کو بے حرمت کر ڈالا تھا“ (صفحہ ۱۷۱) دور از حقیقت معلوم ہوتا ہے ، کیوں کہ سودا شجاع الدولہ کے دور میں فیض آباد پہنچ کر اس کی سرکار میں تعلق پیدا کر لیتے ہیں اور نواب مذکور بقول مصحفی ”بودن او را در سرکار خود بسیار غنیمت می دانستند“ (’تذکرۂ ہندی‘ صفحہ ۱۲۶) ۔ کلیات سودا میں شجاع الدولہ کی تعریف میں چھ قصیدے موجود ہیں ۔ جو صفحات ۸۳ ، ۸۴ ، ۸۶ ، ۸۷ ، ۸۸ ، ۸۹ پر درج ہیں ۔ آخری قصیدہ ۱۱۸۸ھ میں حافظ رحمت خاں اور روہیلوں پر شجاع الدولہ کی فتح یابی کے موقع پر مرقوم ہوا ہے ۔ اس قصیدے سے معلوم ہوتا ہے کہ خود سودا اس جنگ میں شریک تھے ۔ روہیلوں کی صف بندی کے ذکر میں لکھا ہے :

تھا عزم یہ ہر ایک کا گاویں گے بیٹھ ہم
تیغوں کو کھینچ کھینچ کے ، قلقاری مار مار

آئے تھے وہ چنانچہ اسی طرح روز جنگ
پایا تھا جوں دلوں میں خیال ان کے نے قرار

گاتے بجاتے ناچتے اور کودتے ہوئے
سائے میں جھنڈیوں کے صفیں باندھ بے شمار

وہ جھنڈیاں نظر پڑیں اک دم میں اس طرح
گاڑر بچھاویں پارچے جوں نہر کے کنار

سودا ان فراریوں سے جو حافظ رحمت خاں کی لاش میدان میں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے ، اس کا سبب استفسار کرتے ہیں ۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ مشیت ایزدی یوں ہی تھی ، ہمارا اختیار نہیں تھا :

آن میں سے اس غلام کے تھے اکثر آشنا
میں نے کہا انھوں سے کہ تم جیسے جاں گزار

یک قوم و یک برادری و یک گروہ کے
ہو سامنے حریف کے بے حد و بے شمار

حافظ کی لاش ڈال گئے معرکے میں تم!
فتح و شکست مردوں کو ہے پر یہ اضطرار!

ان میں سے ایک نے بدم سرد یہ کہا
خواہش خدا کی یوں تھی نہ تھا اپنا اختیار
(صفحہ ۸۹ 'کلیات سودا')

مختصر یہ کہ ان قصائد سے سودا کا تعلق شجاع الدولہ کی سرکار میں کافی سے زیادہ ثابت ہوتا ہے ۔ خود مولانا ارشاد فرما چکے ہیں کہ سودا ''۱۱۸۵ھ میں لکھنؤ پہنچے'' (صفحہ ۱۵۳) ۔ سودا اور فاخر مکین کا قصہ آصف الدولہ کے دور میں واقع ہوتا ہے ۔ (جو ۱۱۸۸ھ سال وفات شجاع الدولہ اور ۱۱۹۵ھ سال وفات سودا کے درمیان کسی وقت رونما ہوا ہوگا) ۔ سودا کے کئی سال فیض آباد اور لکھنؤ میں گزارنے کے

باوجود آصف‌الدولہ کی ان کے وجود سے بے خبری تقریباً ناممکن ہے ۔ اس لیے سعادت علی خاں کا ایک اجنبی پیرائے میں آصف‌الدولہ کا ان سے تعارف کرانا اور نواب کا سادہ لوحانہ انداز میں کہنا کہ ''باوا جان نے انھیں بھائی لکھا تو وہ ہمارے چچا ہوئے'' اور ''فاخر نے ایسا کیا تو مرزا کو کیا ، گویا ہم کو بے عزت کیا'' محض حضرت مولانا کا دلاویز پیرایۂ بیان مگر غیر تاریخی ہے ورنہ اصلح‌الدین اس گفتگو کا اپنے قصے میں ذکر کرتا ۔

قولہ ، صفحہ ۱۷۳ : ''آصف‌الدولہ ایک دفعہ شکار کو گئے ۔ خبر آئی کہ نواب نے بھیلاوں کے جنگل میں شیر مارا ۔ باوجودیکہ ہمیشہ انعام و اکرام کے انباروں سے زیر بار تھے ، مگر فوراً کہا :

یارو یہ ابن ملجم پیدا ہوا دوبارا
شیر خدا کو جس نے بھیلوں کے بن میں مارا

نواب کو بھی خبر ہوئی ۔ جب پھر کر آئے تو خود شکایت دوستانہ کے طور پر کہا کہ مرزا! تم نے ہم کو شیر خدا کا قاتل بتایا ۔ ہنس کر کہا کہ جناب عالی ! شیر تو اللہ ہی کا تھا ؛ نہ حضور کا ، نہ فدوی کا ۔''

حضرت مولانا نے اس لطیفے میں شیر کی تشریح تو کر دی مگر ابن ملجم کی کوئی تشریح نہیں کی ۔ نواب پر ابن ملجم کی پھبتی یقیناً قابل اعتراض ہے ۔ اس سلسلے میں جناب صفدر میرزا پوری اپنی تالیف 'حسن خیال' میں تحریر کرتے ہیں :

''آبحیات میں مولانا آزاد نے اس واقعے کو بدل کر نواب کے حق میں منسوب کر دیا ۔ سودا کو کچھ سودا تو تھا نہیں کہ نواب کی شان میں ایسا گستاخانہ شعر کہتے ۔'' (صفحہ ۹۵)

صفدر صاحب اس لطیفے کو 'حضرت زاہد' کی سند پر اس طرح لکھتے ہیں :

''نواب آصف‌الدولہ بہادر ایک دفعہ شکار کو گئے ۔ ایک ولایتی اور سودا ہمراہ تھے ۔ ولایتی کا نام عبدالرحمان تھا ۔ اس نے پیادہ

تلوار سے شیر کو مارا ۔ آصف الدولہ کو یہ دیکھ کر کچھ خفت ہوئی ۔ اس کے رفع کرنے کو سودا نے فوراً کہا :

یارو یہ ابن ملجم پیدا ہوا دوبارا
بھیلوں کے بن میں جس نے شیرخدا کو مارا

(چوں کہ قاتل شیر خدا حضرت علی کا نام بھی عبدالرحمان تھا) اس لیے ولایتی کو بہت جوش آیا اور وہ تلوار کھینچ کر سودا پر جھپٹا اور فحش دشنام دینے لگا ۔ سودا نے کہا : ''جناب آغا خیر است ۔ این مقالات شایان شان شما نیست ۔'' ولایتی نے جواب دیا ''آنچہ تو گفتی (بہ) نظم بود ۔ نظم از ما نمی آید ۔ حالا این نثر را گوش کن ۔'' سودا جھٹ آصف الدولہ کی آڑ میں ہو گئے ۔ نواب نے ولایتی کو روکا ، تب جان بچی ۔'' ('حسن خیال' صفحہ ۹۳-۹۵)

ہم اس موقع پر 'العلم عند اللہ' کہہ کر آگے بڑھتے ہیں ۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ جناب صفدر صاحب کے قصے میں معقولیت کی طرف میلان ضرور موجود ہے ۔ کسی مسلمان رئیس کو 'ابن ملجم' کہہ دینا ، خواہ قائل مرزا سودا ہوں یا کوئی اور بزرگ ، بظاہر حال برے نتائج کا بانی ہوتا ۔

میر ضاحک

'آب حیات' کے کرسی نشینوں کے متعلق حضرت مولانا نے اپنا انتخابی نظریہ اس طرح بیان فرمایا ہے کہ :

''کسی مجلس میں بیٹھا ہوا انسان جبھی زیب دیتا ہے کہ آسی سامان و شان اور وضع و لباس کے ساتھ ہو جو اہل محفل کے لیے حاصل ہے ۔ نہ ہو تو ناموزوں معلوم ہوتا ہے ۔'' (صفحہ ۳۳)

اس نقطۂ نظر سے سودا ، میر تقی اور میر درد کی صف میں میر ضاحک کو کھڑا کرنا ادبی تضحیک معلوم ہوتی ہے ۔ کہاں گنگا تیلی کہاں راجہ بھوج ۔ مگر مولانا کے بیان سے کچھ ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ چوں کہ طبع اول میں میر ضاحک کا تذکرہ شمولیت سے رہ گیا اس لیے ان پر اعتراض ہوئے ۔ فرماتے ہیں :

''پھول ہاتھ نہ آئے جو لڑی پروتا ۔ اسی واسطے طبع اول میں مقصر رہا ۔ بے درد بے انصاف کہ اصول فن سے بے خبر ہیں ، کیا جانیں ، انھیں اپنے مضامین اخباروں میں چمکانے کے لیے روشنائی ہاتھ آئی اور جہاں اور شکایتیں چھاپیں ان میں ایک نمبر شمار یہ بھی بڑھایا ۔'' (صفحہ ۱۸۵)

اس بیان سے یہی رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ ضاحک کے عدم ادخال پر احتجاج ہوئے ، لہذا اس کمی کو دوسرے ایڈیشن میں پورا کیا گیا ، لیکن ہمیں حیرانی ہوتی ہے کہ وہ کون بزرگ تھے جو اور سینکڑوں مشہور اور نامور شعرا کو چھوڑ کر ضاحک کے واسطے مصر ہوئے ۔ ہمارے نزدیک یہ افراط و تفریط کی مثال ہے جس میں مولانا کے ادبی ذوق پر سادات پرستی کا جذبہ غالب آ گیا۱ ۔ مولانا مشاہیر شعرائے اردو کی

---

۱ ۔ ڈاکٹر اسلم فرخی اپنے مقالے (صفحہ ۱۰۶ ، جلد دوم) میں فرماتے ہیں :

''شیرانی کا یہ اعتراض بہت درشت ہے ۔ ضاحک کے عدم ادخال پر آزاد نشانۂ ملامت بنے اور ان کا تذکرہ لکھنے پر بھی رسوا ہوئے ۔ غرض دو گونہ عذاب است جان مجنون را ۔''

معلوم ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب نے شیرانی صاحب کا یہ فقرہ :

''لیکن ہمیں حیرانی ہوتی ہے کہ وہ کون بزرگ تھے جو اور سینکڑوں مشہور اور نامور شعرا کو چھوڑ کر ضاحک کے واسطے مصر ہوئے ۔''

غور سے نہیں دیکھا جس سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ وہ ضاحک کے عدم ادخال پر آزاد کے نشانۂ ملامت بننے کو حقیقت نہیں سمجھتے ۔ ان کے نزدیک آزاد نے ضاحک کو آب حیات کے کرسی نشینوں میں شامل کرنے کے لیے یہ سہارا تلاش کیا تھا حالانکہ اس کا اصل سبب ان کا سادات پرستی کا جذبہ تھا ۔

ڈاکٹر صاحب آگے چل کر صفحہ ۱۰۹ پر لکھتے ہیں :

''لیکن آب حیات کی طبع اول میں صرف ضاحک ہی نہیں میر حسن ،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۱ پر)

میر مستحسن خلیق اور میر انیس کے ترجمے بھی شامل نہیں تھے۔ ضمنی طور پر ان کا تذکرہ آ گیا تھا ۔ سادات پرستی کہیے یا ادبی ذوق و شوق یا مورخانہ دیانت داری کہ آزاد نے طبع ثانی میں اردو شاعروں کے اس جلیل‌القدر خانوادے کے اہم اراکین کو بھی اپنے دامن میں جگہ دی اور حسب دستور نشانۂ ملامت بنے : ع

انھیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں دراز''

یہ طرز استدلال جذباتی اور غیر منطقی ہے ۔ اہم اراکین کو اپنے دامن میں جگہ دینے پر کوئی معترض نہیں ہو سکتا بشرطیکہ یہ جگہ ان کی شعر و ادب میں اہمیت سے متناسب ہو ۔ البتہ اہم کے ساتھ غیر اہم کو مہم بنا دینا افراط و تفریط ہی سے تعبیر کیا جائے گا ۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب مؤلف کا دعویٰ یہ ہو :

''کسی مجلس میں بیٹھا ہوا انسان''.....الخ

خود ڈاکٹر صاحب مولانا کی افراط و تفریط کے ہاتھوں نالاں ہیں اور اپنے مقالے میں جا بجا اس کا صریحاً تذکرہ کرتے ہیں ۔ مثلاً صفحہ ۲۶۰ پر ذوق کے بیان کے دوران میں فرماتے ہیں :

''تسلیم کہ ذوق شعر کے وہ پتلے تھے جن کا کوئی رونگٹا بھی بے کار نہیں تھا لیکن یہ ضروری نہیں کہ محض اس وجہ سے دوسرے تمام شاعروں پر فضیلت دی جائے اور ان کے تذکرے میں باسٹھ صفحے لکھ دیے جائیں ۔ مومن کے تذکرے میں آزاد خود لکھ چکے تھے کہ : ''میں نے بعض عبارتیں اور بہت سی روایتیں مختصر کر دیں یا چھوڑ دیں جن سے ان کے نفس شاعری کو تعلق نہ تھا'' تو پھر یہاں بھی وہی اصول کارفرما کیوں نہ رہا.. ...انھیں احساس ہے کہ لوگ تذکرۂ ذوق کی بہت سی باتوں کو فضول سمجھیں گے مگر وہ جوش عقیدت میں اس کی پروا نہیں کرتے اور تذکرۂ شعرا کے جو اصول خود انھوں نے مقرر کیے ہیں ، ان پر عمل نہیں کرتے ۔ اپنی اسی کمزوری کی وجہ سے آزاد جذبات کے سیلاب میں بہہ گئے اور حقیقت نگاری کے راستے سے دور ہٹ گئے۔'' (مرتب)

ضاحک اس قدر نامعلوم ہیں کہ اکثر تذکروں میں ان کا ذکر نہیں ملتا ۔ خود مولانا کو بڑی کاوش اور تلاش کے بعد صرف ایک شعر ان کا ہاتھ آیا ۔ مصحفی 'ریاض الفصحا' میں ان کے حالات میں ڈھائی سطریں اور نمونۂ کلام میں ایک شعر دیتے ہیں ۔ حالات کے متعلق کہا ہے کہ میر حسن کے باپ تھے اور سودا سے ہجووں کا تبادلہ کیا ہے اور بس ۔ 'گلزار ابراہیم' میں مذکور ہے کہ میر حسن تذکرہ نویس کے باپ ہیں ۔ ہزل اور موسیقی کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں ۔ اب کہ ۱۱۹۶ھ ہے ، فیض آباد میں وارستگی کے عالم میں بسر کرتے ہیں اور وہی شعر جو 'آب حیات' میں منقول ہے ، درج ہے ۔ یہ کل کائنات ہے میر ضاحک کے امتیازی کارنامے کی ۔ ان کے فرزند میر حسن اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں : "میر غلام حسین المتخلص بہ ضاحک ابن میرعزیزاللہ میرے والد ہیں ۔ عالم و فاضل ، ناثر و ناظم ، بڑے ہزل دوست ، بذلہ گو ، نکتہ سنج ، درویش مزاج اور متوکل ۔ تیس سال ہوئے ترک روزگار کرکے بےفکری سے زندگی بسر کر رہے ہیں ۔ موسیقی کے سمجھنے میں طاق ہیں ۔ علمیت کے اس بلند پائے کے باوجود جو آپ نے مولوی ساجد کی ہجو میں دکھایا ہے ، سامعین کو طالب نہ پا کر آن کے مذاق کے مطابق قلم مشکیں رقم کی عنان ہزل کی طرف موڑ دی لیکن بڑی انوکھی اور نرالی زبان استعمال کرتے ہیں کہ حضرت آدم سے لے کر آج تک کسی نے نہیں بولی ۔ میں صرف ایک مطلع پر کفایت کرتا ہوں :

یا ایہا التلانکہ کرو جھلانکہ
کل توچھی ہرایہ فرو بکا ـــرہ

ان کی غزل اور ہزل چالیس پچاس بیت سے کم نہیں ہوتی اور ہر غزل اور ہزل کی ابتدا میں کسی قدر نثر بھی ضرور لکھتے تھے ۔" میر حسن نے ذیل کے تین شعر نمونۂ کلام میں دیے ہیں :

در پیش اگر روز اجل آہ نہ ہوتا
قصہ تھا بت کا یہ کوتاہ نہ ہوتا

کیا دیجیے اصلاح خدائی کو تو لیکن
کافی تھا ترا حسن اگر ماہ نہ ہوتا

اُس آن تھنیے آنسو جس آن کہ جی ڈوبا
تب جان سے ہم اٹھے، جب دیدۂ نم بیٹھے
(صفحہ ۱۳۳ 'تذکرۂ شعرائے اردو' از میر حسن)

نساخ نے 'سخن شعرا' میں ایک شعر اور دیا ہے:
جیسے اُس طفل پری رو نے چھپائیں آنکھیں
بس مرا کچھ نہ چلا رو کے سجائیں آنکھیں

ذیل کی فارسی رباعی بھی میر حسن نے انھی کے نام پر دی ہے، مگر مجھے یقین نہیں آتا۔ قدیم معلوم ہوتی ہے:

افسوس دلا کہ غمگساران رفتند — سیمین بدنان و گلعذاران رفتند
چون بوی گل آمدند بر باد سوار — در خاک چو قطرہای باران رفتند

ان کی ایک اور فارسی رباعی میر حسن نے یہ دی ہے:

کشاف حقائق و نکات توحید — آں راکب دوش احمدی شاہ شہید
خود معنی آیات کلام اللہی ست — تفسیر حسینی است بقرآن مجید

مگر مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی مرتب 'تذکرۂ میر حسن' رقم طراز ہیں کہ یہ رباعی مولانا لطف اللہ شیرازی کی ہے، اور فارسی تذکروں میں ان کے نام سے درج ہے۔

حضرت مولانا کو شکایت ہے کہ سید خورشید علی صاحب نفیس ان کے چراغ خاندان نے 'شعاع توجہ سے دریغ' فرمایا اور مولوی غلام محمد خاں تپش نے 'شفقت کے ساتھ جواب باس دیا'۔ میں اضافہ کرتا ہوں کہ خود ان کے فرزند ارجمند میر حسن اپنے پدر بزرگوار کے ادبی کارناموں میں سے تین بیت سے زیادہ کی اشاعت کی جرأت نہ کر سکے، اس لیے ہمیں تسلیم کر لینا چاہیے کہ میر ضاحک کی بساط، شاعری میں سوائے ہجو و ہزل و زٹل اور مہملات کے کچھ نہیں تھی۔

اب ہمیں آن بھولوں کا بھی جائزہ لینا چاہیے جو مولانا نے سادات عظام کے روضوں پر چڑھائے ہیں۔ مولانا کو ضاحک کے والد کا نام معلوم نہیں لیکن ان کی وضع قطع، لباس، لباس کا رنگ، گلے کا کنٹھا، داہنے ہاتھ میں چوڑی جس پر دعائیں کندہ، انگلیوں میں کئی کئی انگوٹھیاں، ڈاڑھی ریش بچہ اور مہندی وغیرہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ معلوم نہیں کن ذرائع سے یہ حلیہ ان تک پہنچا ہے[۱]۔ اس کے بعد سودا اور ضاحک میں ہجو گوئی چلنے کے اسباب بیان ہوئے جن کو مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے کہ 'من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو'۔ پھر فرماتے ہیں:

''میر ضاحک کا انتقال ہوا تو سودا فاتحہ کے لیے گئے اور دیوان اپنا ساتھ لیتے گئے۔ بعد رسم عزا پرسی کے اپنی یاوہ گوئی پر، جو کہ اس مرحوم کے حق میں کی تھی، بہت سے عذر کیے، اور کہا کہ سید مرحوم نے دنیا سے انتقال فرمایا، تم فرزند ہو، جو کچھ اس سیاہ رو سے گستاخی ہوئی معاف کرو۔ بعد اس کے نوکر سے دیوان منگا کر جو ہجویں ان کی کہی تھیں، سب چاک کر ڈالیں۔ میر حسن نے بمقتضائے علو حوصلہ و سعادت مندی اسی وقت دیوان باپ کا گھر سے منگایا اور جو ہجویں ان کی تھیں وہ پھاڑ ڈالیں۔'' (صفحہ ۱۸۵-۶)

لیکن یہ بیان ناقابل قبول ہے۔ حضرت مولانا، سودا کی وفات کا سال بھول گئے جو ۱۱۹۵ھ ہے (صفحہ ۱۵۳)۔ ادھر بروایت 'گلزار ابراہیم' جو اوپر درج ہے، ۱۱۹۶ھ میں میر ضاحک زندہ فیض آباد

۱۔ اسلم فرخی صاحب ضاحک کے جبہ و عمامہ، ڈاڑھی اور قد و رنگ کی حد تک مولانا آزاد کا ذریعۂ معلومات تذکرۂ کریم الدین کو قرار دیتے ہیں۔ باقی چیزوں کی بابت ان کا قیاس ہے کہ ''کیا یہ ممکن نہیں کہ ان کی اطلاع غلام محمد تپش، نے ہم پہنچائی ہو یا ان کی بابت خود آزاد نے لکھنؤ میں سنا ہو۔'' (جلد دوم، صفحہ ۱۴۷) لیکن اس قیاس کا کم از کم پہلا حصہ خود آزاد کے بیان کی روشنی میں درست نہیں معلوم ہوتا (مرتب)

میں موجود ہیں - یہی روایت خود مولانا نے بھی صفحہ ۱۸۸ پر نقل کی ہے - اگرچہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ ضاحک کب فوت ہوئے مگر یہ یقینی ہے کہ مرزائے مرحوم ضاحک کی وفات پر تعزیت کے لیے نہ آئے اور نہ آسکتے اور نہ ہجویں چاک کر سکتے تھے کیونکہ مرزا، ضاحک سے پہلے گلزار عالم سے رحلت کر چکے ہیں - یہ ہجویں آج بھی کلیات سودا میں موجود ہیں -

آگے میر حسن فراغ کی روایت سے مخمس : ع
''یارب یہ دعا مانگتا ہے تجھ سے سکندر''

کی شان نزول بیان ہوئی ہے -

جناب صفدر مرزا پوری نے اپنی تالیف 'حسن خیال' میں (صفحہ ۹۵-۹٦) ضاحک کے چار شعر جو سودا کی ہجو میں ہیں ، حضرت زاہد سہارنپوری کی سند پر دیے ہیں -

منجملہ ان جوابات کے جو 'آبحیات' کے بزم نشینوں کے سلسلے میں مولانا کو پہنچے ، مجھے محبی ڈاکٹر پروفیسر صادق سے ایک خط ملا ہے جس میں میر ضاحک کے متعلق ایک عجب اطلاع درج ہے ؛ یہ بزرگ جن کے نام سے میں ناواقف ہوں ، ضاحک اور ان کے خاندان سے پورے واقف معلوم ہوتے ہیں - ضاحک کو وہ میر زاہد کے نام سے یاد کرتے ہیں - ان کے فرزند میر حسن، ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد کا نام بنام ذکر کرتے ہیں - وہ کہتے ہیں :

''یہ لوگ قوم سادات سے صحیح النسب نجیب الطرفین شریف ہیں - ان کے مورث جو دہلی میں نیشا پور یا خراسان سے ائے ، ان کے دہلی میں آنے کا یہ سبب ہوا کہ بادشاہ دہلی جو فیل پر سوار ہوتے تھے تو آگے بیٹھنے والا فیلبان بادشاہی ایک شخص معزز و محترم سید شریف الطرفین چاہیے تھا تاکہ بادشاہ کی طرف پشت کرکے بیٹھے اور ایسا شخص بجز سید نجیب کے دوسرا ممکن نہ تھا اس لیے سادات صحیح النسب کی تلاش ہوئی تو ولایت سے طلبی مورث میر ضاحک کی ہوئی اور عہدۂ فیلبانی شاہی پر بمشاہرہ بیش قرار و جاگیر وغیرہ

پر تقرری ان کی ہوئی ، اس لیے میر زاہد کے مورث بعد تحقیق کے نیشاپور سے طلب ہو آئے ۔ ان کو یہ خدمتِ فیلبانی ملی ۔ بادشاہ نے فرمایا کہ ان کے پیچھے البتہ ہم بیٹھ سکتے ہیں ۔ اور رضوی سید تھے، ان کی سیادت و نجابت میں کوئی کلام نہیں ہے اور نجابت میں مطلق شک نہیں ہے ۔''

چوں کہ مولانا نے اس روایت کو قبول نہیں کیا اس لیے میں خیال کرتا ہوں کہ وہ غیر مستند اور غیر مصدقہ ہے ۔ نہ کوئی تذکرہ نگار ہی اس کا ذکر کرتا ہے ۔

شمس العلما مولانا محمد حسین آزاد اور دیوان ذوق

[زیر نظر مضمون کے آغاز میں خود حافظ صاحب نے اس کا تعارف کرایا ہے - یہ انھوں نے اپنی زندگی کے آخری سالوں میں سپرد قلم کیا تھا جب آن کی صحت بہت گر گئی تھی اور وہ اپنے وطن ٹونک میں مقیم تھے - کتب خانے کا بیشتر حصہ پنجاب یونیورسٹی کے سپرد کر چکے تھے - چنانچہ کہتے ہیں : ''میں ایک ایسے مقام میں مقیم ہوں جہاں بیٹھ کر انسان پر تلاش کے تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں -'' یہی وجہ ہے کہ اس مضمون میں دو ایک جگہ بعض سنین وغیرہ سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ہے - ان کی عادت تھی کہ جب تک واقعات و سنین کی پوری تحقیق نہ کر لیتے تحریر میں نہ لاتے تھے -

یہ مضمون تین حصوں میں منقسم ہے :

۱ - تنقید دیوان ذوق مرتبہ آزاد -
۲ - دیوان ذوق پر آزاد کی اصلاحات -
۳ - دیوان ذوق میں آزاد کے اضافے -

یہ تینوں حصے رسالۂ 'ہندوستانی' الہ آباد میں سات قسطوں میں شائع ہوئے- پہلی قسط اکتوبر ۱۹۴۳ع کے شمارے میں اور آخری قسط حافظ صاحب کی وفات کے بعد جنوری و اپریل ۱۹۴۷ع کے پرچے میں چھپی - (مرتب)]

یہ سطور اگرچہ دیوان ذوق مرتبہ مولانا محمد حسین آزاد پر تنقید کے طور پر لکھی جاتی ہیں ، لیکن دراصل انھیں آزاد کی ایک اور نہایت

مشہور تالیف 'آب حیات' کی تنقید کے سلسلے کی قسط شمار ہونا چاہیے ، جو راقم نے اب سے دو تین سال قبل اورینٹل کالج میگزین لاہور میں شروع کی تھی - 'آب حیات' میں ذوق کے حالات دیوان کے مقابلے میں بعض لحاظ سے زیادہ مفصل ہیں -

ذوق کی وفات سے آٹھ سال بعد ۱۲۸۹ھ میں 'دیوان ذوق' مع قصائد بہ سعی' حافظ غلام رسول ویران و سید ظہیرالدین و آمراؤ مرزا انور شاگردان ذوق بہ اہتمام مرزا اموجان مہتمم مطبع احمدی شاہدرہ دہلی میں پہلی مرتبہ شائع ہوا - خود انور نے اس کی کتابت کی تھی - غزلیات کے اشعار کی تعداد ، جس میں قصائد شامل نہیں ، اٹھارہ سو تینتیس ہے - ذوق کی شہرت کا دار و مدار اسی دیوان پر ہے اور ایسے اشعار جو مشہور ہو کر ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں ، اسی دیوان سے منقول ہیں -

۱۸۸۰ع میں ، جب کہ 'آب حیات' شائع ہو رہی تھی ، مولانا نے وعدہ کیا تھا کہ :

''یہ تذکرہ چھپ لے تو آس (دیوان ذوق) پر توجہ کروں - مسبب الاسباب سرانجام کے اسباب عنایت فرمائے !''

(آب حیات ، صفحہ ۴۶۹) -

یکم مارچ ۱۸۸۳ع کو کشن گنج سے حافظ غلام رسول ویران نے مولانا کو ایک خط لکھا جس میں منجملہ دیگر آمور کے دیوان ذوق کے جلد شائع کرنے کے واسطے تاکید کی تھی - حافظ ویران کے الفاظ ہیں :

''افسوس کہ تم طبع کرنے دیوان استاد میں تاخیر کیوں کرتے ہو ، جن کا تم اتنا دم بھرتے ہو - زندگی کا کیا اعتبار ہے -''

معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ویران کی زندگی میں مولانا کا ترتیب دادہ دیوان ذوق شائع نہ ہو سکا - اس دیوان میں غزل و قطعہ و مثنوی کے ابیات کی تعداد غیر از قصائد چونتیس سو بارہ ہے - یہ امر موجب مسرت ہے کہ مولانا نے اپنے مآخذ اور مساعی سے دیوان ذوق کو تقریباً مضاعف کر کے حق شاگردی ادا کیا -

مولانا آزاد نے اپنے دیوان کے تمام مآخذ نہیں بتائے ۔ صرف ایک عام بیان دے دیا ہے کہ :

''میرے پاس بعض قصیدے ہیں ، اکثر غزلیں ہیں ۔ یہ داخل ہو جائیں گی یا ناتمام غزلیں پوری ہو جائیں گی ، مگر تصنیف کے دریا میں سے پیاس بھر پانی بھی نہیں ۔''

('آب حیات ، صفحہ ۴۶۹ ، بار دوازدہم ، مبارک علی)

خیال ہوتا ہے یہ قصائد اور غزلیں غالباً مولانا نے آسی جنگ سے حاصل کی ہیں جو ہنگامۂ غدر میں انھوں نے اپنا آباد گھر چھوڑتے وقت اٹھا لیا تھا اور جس کے واسطے کہتے ہیں :

''یہ بھی خیال آیا کہ محمد حسین ! زندگی باقی ہے تو سب کچھ ہو جائے گا مگر استاد کہاں سے پیدا ہوں گے جو غزلیں پھر آکر کہیں گے ۔ اب ان کے نام کی زندگی ہے اور ہے تو ان پر منحصر ہے ۔ یہ ہیں تو مر کر بھی زندہ ہیں ، یہ گئیں تو نام بھی نہ رہے گا ۔ وہی جنگ اٹھا بغل مارا ۔ سجے سجائے گھر کو چھوڑ ، ۲۱ نیم جانوں کے ساتھ گھر سے بلکہ شہر سے باہر نکلا ۔''

(دیوان ذوق ، طبع ۱۹۲۲ع ، صفحہ ۲۷)

'دیوان ذوق' مولانا آزاد نے پہلی مرتبہ کس سن میں شائع کیا ؟ ہمیں معلوم نہیں[۱] ، لیکن اس میں شک نہیں کہ مولانا نے اپنے ایڈیشن کی تہذیب و آراستگی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ۔ جہاں تک ہو سکا اسے جاذب نظر اور دل فریب بنانے کی کوشش کی ہے ۔ ان کا مقصد تھا کہ استاد کو ادبی دنیا میں ایسا بلند اور روشن مقام ملے جسے دیکھ کر ، ستارے تو ایک طرف ، چاند سورج کو بھی رشک آئے ۔

شیخ محمد ابراہیم ذوق ایک نامعلوم دور کے شاعر نہیں جن کا کلام یاقوت احمر کی طرح نایاب ہو ۔ وہ تاریخ کے ایک روشن زمانے

---

۱ ۔ اسلم فرخی صاحب کی تحقیق کے مطابق دیوان کی تکمیل ۱۸۸۸ عیسوی میں اور اشاعت ۱۸۹۱ عیسوی میں ہوئی تھی ۔ (ملاحظہ ہو 'محمد حسین آزاد' ، جلد دوم ، صفحہ ۵۱۸) ۔ (مرتب)

سے تعلق رکھتے ہیں جس میں مطابع موجود تھے ، اخبار شائع ہو رہے تھے اور مشاعرے کثرت سے منعقد ہوتے تھے - ۱۸۵۷ع کے ہنگامے سے قبل آن کے قصیدے اور غزلیں اخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں ، شائقین اپنی بیاضوں میں نقل کرتے رہے ہیں - تذکرہ نگاروں نے آن کے کلام کا انتخاب اپنی تالیفات میں درج کیا ہے - حافظ ویران نے اپنا مرتبہ دیوان شائع کرتے وقت سب سے اول ان ذرائع کا استعمال کیا ہے - میرے خیال میں اب بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ اگر باقاعدہ تلاش جاری رکھی جائے تو آستاد ذوق کا ایسا کلام ، جو اب تک نامعلوم رہا ہے ، دستیاب ہو سکے - حضرت آزاد نے اپنا 'دیوان ذوق' شائع کرتے وقت مزید تلاش سے غالباً کام نہیں لیا - ان کا بڑا ماخذ مذکورالصدر جنگ اور حافظ ویران والا دیوان ہیں -

میں ایک ایسے مقام میں مقیم ہوں جہاں بیٹھ کر انسان پر تلاش کے تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں - مجھ کو ۱۸۵۷ع سے قبل کے جو ذرائع ملے ، ان میں سب سے مقدم 'مجموعۂ نغز' ہے ، جو ۱۲۲۱ھ میں تالیف ہوتا ہے - باوجودیکہ 'مجموعۂ نغز' بہ خط مصنف مولانا کے کتب خانے میں موجود تھا اور 'آب حیات' کی تصنیف کے وقت کثرت کے ساتھ اس سے امداد بھی لی گئی ہے ، تاہم ذوق کے کلام کے متعلق مولانا آزاد نے اس تذکرے سے فائدہ نہیں آٹھایا اور جو شعر قاسم نے دیے ہیں آن کو بھی شامل دیوان نہیں کیا -

دوسرا تذکرہ 'گلشن بے خار' ہے جو نواب مصطفٰی خاں شیفتہ نے ۱۲۵۰ھ میں تصنیف کیا ہے - شیفتہ نے ذوق کے کلام کا ایک اچھا انتخاب (جو صفحہ ۱۱۱ سے تا صفحہ ۱۱۳ ہے) دیا ہے - اس کے علاوہ میرے پاس 'گلشن بے خار' کا جو نسخہ ہے وہ آردو اخبار پریس دہلی کا طبع شدہ ہے - یہ مطبع مولانا محمد باقر یعنی مولانا آزاد کے والد بزرگوار کا مملوکہ تھا اور دہلی کا سب سے پہلا اخبار 'آردو اخبار' اسی مطبع میں چھپتا تھا - 'گلشن بے خار' کی اس اشاعت میں (اشاعت دوم ۱۲۵۹ھ - ۱۸۴۳ع) مہتمم مطبع نے ، جو بظاہر مولانا محمد باقر یا موتی لعل پرنٹر و پبلشر ہو سکتے ہیں ، ذوق کے کلام کا ایک اور انتخاب بڑی

محنت سے تیار کرکے اضافہ کیا ہے - یہ انتخاب صفحہ ۱۱۳ سے شروع ہو کر صفحہ ۱۲۴ پر ختم ہوتا ہے -

اسی طرح کریم الدین کے 'تذکرۂ طبقات الشعرا' تالیف ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۷ع) ، سید احمد خان بہادر کی 'آثار الصنادید' طبع ۱۲۶۳ھ (۱۸۴۷ع) اور 'گلستان سخن' طبع ۱۲۷۱ھ میں بھی ذوق کے کلام کا انتخاب درج ہے - ظفر نے ذوق کی بعض غزلوں پر مخمس کہے ہیں جو شامل کلیات ظفر ہیں - یہ تمام ذرائع ذوق کے زمانۂ حیات سے تعلق رکھتے ہیں اور اُن کے کلام کے اختلاف کی صورت میں معتبر رہ نما کا کام دے سکتے ہیں ؛ لیکن یہ بحث اُس وقت چھیڑی جائے گی جب میں آزاد ایڈیشن کے متن سے بحث کروں گا اور اُس پر مولانا کی اصلاحات کا ذکر کروں گا -

دیوان ذوق میں ایک حصہ ایسی غزلیات کا بھی داخل ہے جس کو بعض وجوہ کی بنا پر ذوق کا کلام تسلیم نہیں کیا جا سکتا - مولانا اس کو اُستاد کے بچپن کا کلام بیان کرتے تھے - اس طرح قدرتاً یہ تنقید تین حصوں میں منقسم ہو گئی ہے ؛ یعنی (۱) تنقید دیوان - (۲) اصلاحات آزاد (۳) غزلیات اضافۂ آزاد -

(۱) تنقید دیوان ذوق :

ان الفاظ کے ساتھ میں اصل دیوان کی طرف رجوع کرتا ہوں ؛ میرے زیر نظر دیوان ذوق مطبع رفاہ عام لاہور ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۲ع) کا طبع شدہ ہے - تمام حوالے اسی ایڈیشن سے دیے گئے ہیں اور صورت یہ اختیار کی ہے کہ ایک حوالہ نقل کرنے کے بعد اُس کے ذیل میں ، میں نے اپنا بیان یا اختلاف اُس حوالے سے متعلق درج کر دیا ہے - 'آب حیات' کا جو نسخہ استعمال ہوا ہے اُس پر کوئی تاریخ مرقوم نہیں ، لیکن شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور نے اسے اپنے اتحاد پریس ، بل روڈ میں چھپوایا ہے اور بار دوازدہم اُس پر مرقوم ہے -

''شیخ مرحوم کے والد شیخ محمد رمضان ایک غریب سپاہی تھے مگر زمانے کے تجربے اور بزرگوں کی صحبت نے انھیں حالات زمانہ سے

ایسا با خبر کیا تھا کہ ان کی زبانی باتیں کتب تاریخ کے قیمتی سرمائے تھے ۔''

اس بیان کی تردید یا اس پر شبہ کرنے کی میرے پاس کوئی وجہ نہیں لیکن مرزا فرحت‌اللہ بیگ نے 'دہلی کی آخری شمع' میں ایک حاشیہ دیا ہے :

''خدا محفوظ رکھے دلی والوں سے ۔ جو باہر سے آیا اس کے حسب و نسب میں انھوں نے کیڑے ڈالے ۔ استاد ذوق کو شہر بھر نائی کہتا ہے ۔ یہ دوسری بات ہے کہ آزاد مرحوم نے ان کے ہاتھ میں استرے کی بجائے تلوار دے کر ان کو سپاہی زادہ بنا دیا ہے ۔'' (صفحہ ۲۰)

''حافظ غلام رسول نام ایک شخص بادشاہی حافظ ان کے گھر کے پاس رہتے تھے ۔ محلے کے اکثر لڑکے انھی کے پاس پڑھتے تھے ۔ انھیں بھی وہیں بٹھا دیا ۔ حافظ غلام رسول شاعر بھی تھے ، شوق تخلص کرتے تھے ۔ اگلے وقتوں کے لوگ جیسے شعر کہتے ہیں ، ویسے شعر کہتے تھے ۔ محلے کے شوقین نوجوان دلوں کی امنگ میں ان سے کچھ کچھ کہوا لے جاتے تھے ۔ اکثر اصلاح بھی لیا کرتے تھے ۔'' (صفحہ ۳)

حاشیے پر نمونۂ کلام میں دس شعر نقل کیے ہیں جن میں سے تین شعر میں یہاں درج کرتا ہوں :

''مزا انگور کا ہے رنگترے میں
عسل زنبور کا ہے رنگترے میں

کزلک مژگاں چشم ستم گر آ کے جگر میں گھوپ چلی
آہ کی ہمدم ساتھ ادھر سے جنگ کو اپنے دھوپ چلی

فاقے مست عدوے بد ایسا ہی چھٹی کا رجا ہے
نائی جس کی آفی چھٹی میں دھوم سے لے کر گھی کھچڑی''

مولانا نے شوق کا ذکر ایسے الفاظ میں کیا ہے جن سے ان کے متعلق غلط رائے قائم ہوتی ہے ۔ ان کے اشعار بھی ایک خاص رنگ کے

دے ہیں ۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ شوق صرف گھی کھچڑی اور رنگترے کے رنگ کے ابیات لکھتے تھے اور بس ۔ نہ شوق اس قدر گمنام ہیں جو بہ حیثیت ملاے مکتب صرف محلے کے لڑکوں میں مشہور ہوں اور باقی اہل دہلی ان سے ناواقف محض ہوں ۔ ایک شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر شعرا کے تذکروں میں ملتا ہے ۔ قاسم ان کے متعلق 'مجموعۂ نغز' میں لکھتے ہیں :

''عزیزے حافظ کلام رب الانام میاں غلام رسول نام ۔ ولے مرد سپاہی منش و عزیز خوش روش است از باشندگان این شہر دلپذیر و شاگردان محمد نصیرالدین نصیر ۔'' (صفحہ ۳۵۲ ، جلد اول) اور نمونۂ کلام میں یہ شعر دیے ہیں :

آپ کو رکھتا تھا جیسے کرکے سو تدبیر کھینچ
لے گئی کوچے میں اس کے مجھ کو پھر تقدیر کھینچ

اے مصور دیکھا ہم نے اب تسلی کے لیے
صفحۂ دل پر رکھی ہے یار کی تصویر کھینچ

کروں تعریف کس منہ سے اب اے شیریں دہن تیری
حلاوت بات میں پاتا ہوں ہر دم قند و مصری کی

بتاؤں سر بسر میں کیا تری اس مانگ کا نقشہ
میاں شب ہے روشن ہے چہیں ، یہ زور بتی سی

شیفتہ بھی اپنے تذکرے میں شوق کو جگہ دیتے ہیں کہ عزیز آبادی مسجد کی امامت حضرت ولی عہد بہادر نے ان کو عطا کی ہے ۔ بچوں کو پڑھاتے ہیں ۔ شاہ نصیر سے شاگردی کی نسبت رکھتے ہیں ۔ کلام بھی استاد کی طرز میں لکھتے ہیں ۔

'طبقات الشعرا' میں کریم الدین لکھتا ہے :

'' شوق تخلص ، غلام رسول شاہجہان آبادی ہے ۔ شاہ نصیر کے شاگردوں میں ہے ۔ اکثر کلام اس کے اچھے ہیں '' وغیرہ ۔

جو شخص بادشاہ کے فرزندوں کو تعلیم دیتا ہے ، حاجی زندگی کے اعتبار سے اگر اس کا درجہ اعلیٰ نہیں ہے تو ادنیٰ بھی نہیں ہے ۔ بہر حال مولانا نے اپنے دادا استاد کے ذکر میں ایک حد تک بد لحاظی اور بے ادائی سے کام لیا ہے[1] ، حالاں کہ 'شوق' تخلص کی رعایت سے ذوق کا تخلص 'ذوق' رکھا گیا ہے ۔ ع

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

''بعض موقع پر ایسا ہوا کہ شاہ صاحب نے ان کی غزل کو دیکھ کر بے اصلاح پھیر دیا اور کہا کہ طبیعت پر زور ڈال کر کہو ۔ کبھی کہہ دیا کہ یہ کچھ نہیں ، پھر سوچ کر کہو ۔ بعض غزلوں کو جو اصلاح دی تو اس سے بے ادائی پائی گئی ۔ ادھر انہیں کچھ تو یاروں نے چمکایا ، کچھ اپنی غریب حالت نے یہ آزردگی پیدا کی کہ شاہ صاحب اصلاح میں بے توجہی یا پہلوتہی کرتے ہیں ۔ چنانچہ اس طرح کئی دفعہ غزلیں پھیریں ۔ کبھی بہت سے شعر کٹ گئے ۔ زیادہ تر قباحت یہ ہوئی کہ شاہ صاحب کے صاحب زادے شاہ وجیہ الدین منیر تھے جو براق طبع میں اپنے والد کے خلف الرشید تھے ۔ اُن کی غزلوں میں توارد سے یا خدا جانے کس اتفاق سے وہی مضمون پائے گئے ، اس لیے انہیں زیادہ رنج ہوا ۔'' (صفحہ ۳)

میری توجہ اس عبارت کے پچھلے حصے کی طرف ہے ۔ توارد اور پھر غزل میں توارد کا نظریہ ناقابل قبول ہے ۔ مولانا کا اصل مقصد

---

۱ ۔ ''آزاد نے محض اس وجہ سے کہ شوق و ذوق میں ناچاق ہو گئی تھی ، شوق کو ہیچ و پوچ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ۔ شوق سے ذوق کی ابتدائی عقیدت کا اندازہ صرف دونوں کے تخلص سے ہو سکتا ہے ۔ اصل میں آزاد کا مقصد یہ تھا کہ وہ ذوق کو تلمیذ رحمانی ثابت کر دکھائیں اور یہ ثابت کر دکھائیں کہ انہیں دلیاوی اساتذہ سے کوئی فیض نہیں پہنچا ۔ چنانچہ اسی وجہ سے انہوں نے ذوق کے مقابلے میں شوق اور شاہ نصیر دونوں کو مطعون کیا ہے ۔''

('محمد حسین آزاد' از ڈاکٹر اسلم فرخی ، جلد دوم ، صفحہ ۲۶۱) مرتب

کچھ اور معلوم ہوتا ہے جو اس فقرے ''یا خدا جانے کس اتفاق سے وہی مضمون پائے گئے'' کی تہہ میں مضمر ہے ۔ ذوق اور منیر کی غزلوں میں انھی مضامین کا پایا جانا اتفاق نہیں ہو سکتا ۔ کھلے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ جناب مولانا اپنے دادا استاد (شاہ نصیر) پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ وہ ذوق کی غزلوں کے مضامین لے کر اپنے فرزند وجیہ الدین منیر کی غزلوں میں داخل کر دیتے تھے ۔ جب ذوق کو آن کی اس حرکت کا علم ہوا تو بہت رنجیدہ خاطر ہوئے ۔ گویا شاہ نصیر کی بے مروتی نہیں بلکہ آن کی کمینگی استاد اور شاگرد میں فساد کی بنیاد ٹھہرتی ہے[1] :

''اکبر شاہ بادشاہ تھے ۔ انھیں تو شعر سے رغبت نہ تھی ۔ مرزا ابو ظفر ولی عہد کہ بادشاہ ہو کر بہادر شاہ ہوئے ، شعر کے شیدا تھے اور 'ظفر' تخلص سے ملک شہرت کو تسخیر کیا تھا ، اس لیے دربار شاہی میں جو جو کہنہ مشق شاعر تھے ، مثلاً حکیم ثناء اللہ خاں فراق ، میر غالب علی خاں سید ، عبدالرحمٰن خاں احسان ، برہان الدین خاں زار ، حکیم قدرت اللہ خاں قاسم ، ان کے صاحب زادے حکیم عزت اللہ خاں عشق ، میاں شکیبا شاگرد میر تقی مرحوم ، مرزا عظیم بیگ عظیم شاگرد سودا ، میر قمر الدین منت اور ان کے صاحب زادے میر نظام الدین ممنون وغیرہ سب شاعر وہیں آ کر جمع ہوتے تھے ۔ ''(صفحہ ۶)

'مجموعۂ نغز' میں قاسم نے اکبر شاہ کا ذکر بہ حیثیت شاعر کیا ہے ۔ ان کا تخلص شعاع بتایا ہے اور کہا ہے کہ :

---

۱ ۔ اسلم فرخی صاحب لکھتے ہیں :
''آزاد کا یہ اعتراض بہت سنگین ہے اور اس سے صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ شاہ نصیر ذوق کے مضامین چرا کر اپنے بیٹے کی غزل مرتب کر دیتے تھے........ نصیر جیسے مشاق اور قادرالکلام شاعر کے خلاف اس قسم کا الزام آزاد کی بہت بڑی جسارت ہے'' ۔ (جلد دوم صفحہ ۲۶۲) مرتب

''بنا بر موزون بودن گاہ گاہ مائل بشعر و سخن می شدہ و ازان دو اشعار متفرقۂ آن سلطنت شعار صفحۂ روزگار زیب رخسار خود دارد ۔'' (صفحہ ۴۴۳ ، جلد اول)

قاسم نے نمونۂ کلام میں دو شعر دیے ہیں :

تجھ زلف کے عہدے سے یہ دل کیوں کہ بر آوے
تا حشر نہ چھوٹے یہ بلا جس کے سر آوے

واں یار شعاع ذرہ نمط ہم کو کہاں ہے
دن رات جہاں مجرے کو شمس و قمر آوے

اکبر شاہ ثانی ، شاہ عالم کے ولی عہد ١٢٢١ھ میں تخت نشین ہوتے ہیں اور مرزا ابو ظفر بھی اسی سال ولی عہد بنا دیے جاتے ہیں ۔ مولانا نے جن جن شعرا کے نام دیے ہیں ان میں میر قمرالدین منت کا نام تو کم از کم کسی غلط فہمی کی بنیاد پر شامل کر لیا گیا ہے کیوں کہ منت اکبر شاہ کی تخت نشینی اور مرزا ابو ظفر کی ولی عہدی سے بہت عرصہ پہلے ١٢٠٨ھ میں وفات پا چکے ہیں ۔ دیگر شعرا کے سنین وفات ہمیں معلوم نہیں ۔

''دلی میں نواب الٰہی بخش خاں معروف ایک عالی خاندان امیر ، علوم ضروری سے باخبر اور شاعری کے کہنہ مشاق ؛ اس فن سے ایسا عشق رکھتے تھے کہ فنا فی‌الشعر کا مرتبہ اسی کو کہتے ہیں ۔ جہاں متاع نیک دیکھتے تھے ، نہ چھوڑتے تھے ۔ زمانے کی درازی نے مسلّمات شاعروں کی نظر سے اُن کا کلام گزرانا تھا ۔ ابتدا میں شاہ نصیر مرحوم سے اصلاح لیتے رہے اور سید علی خاں غمگین وغیرہ وغیرہ استادوں سے بھی مشورہ ہوتا رہا ۔'' (صفحہ ۷)

معروف کو ان کے معاصر تذکرہ نگار نواب کے خطاب سے یاد نہیں کرتے ۔ مصحفی 'تذکرۂ ہندی' میں ''الٰہی بخش معروف تخلص'' (صفحہ ۲۳۵) اور قاسم 'مجموعۂ نغز' میں ''معروف تخلص ، الٰہی بخش خاں ملمہ الرحمان'' (صفحہ ۲۰۱ جلد دوم) اور نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ 'گلشن بے خار' میں ''معروف تخلص ، الٰہی بخش خاں نام'' (صفحہ ۲۶۷)

تحریر کرتے ہیں ، جس سے ظاہر ہے کہ وہ بذات خود نواب نہ تھے ، البتہ اس لحاظ سے کہ نواب کے بھائی تھے ، اعزازاً بعضوں نے لکھ دیا ہو تو سند نہیں ۔ مجھے کوئی ایسی روایت معلوم نہیں جس سے معروف کی درازی عمر کا احتمال ، جیسا کہ عبارت ''زمانے کی درازی نے'' الخ سے مفہوم ہوتا ہے ، قائم ہو ۔

مولانا کا یہ بیان کہ سات شاعروں نے ان کا کلام دیکھا ہے ، صحت سے دور معلوم ہوتا ہے ۔ معروف کے ذاتی جاننے والے مصحفی اور قاسم ان کو شاہ نصیر کا شاگرد بتاتے ہیں ۔ غمگین شاگرد رنگین سے مشورے کی روایت بھی کسی تذکرے میں نہیں ملتی ۔ ''جہاں متاع نیک دیکھتے تھے نہ چھوڑتے تھے'' قابل غور ہے اور پہلودار ہے ۔

''جب شیخ مرحوم کا شہرہ ہوا تو انھیں (معروف کو) اشتیاق پیدا ہوا ؛ یہ موقع وہ تھا کہ نواب موصوف نے دولت فقر کی برکت سے ترک دنیا کرکے گھر سے نکلنا بھی چھوڑ دیا تھا ۔ استاد مرحوم فرماتے تھے کہ میری ۱۹ ، ۲۰ برس کی عمر تھی ۔'' (صفحہ ۸)

معروف کے کوچۂ فقر میں آنے کا ذکر قاسم بھی کرتا ہے ۔ چنانچہ :

''درین ایام نیک فرجام دلش از دنیا سرد گردیدہ و بہ دل گرمیٔ سوز و درد وا رسیدہ اعتقاد وافی و عقیدت کافی بحضرت چشتیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم ، خصوصاً بجناب ولایت انتساب زبدۃ الواصلین قدوۃ العارفین سلطان مشائخ زمان و زمین حضرت محبوب رب العالمین روح اللہ تعالیٰ ارواحہم دارد و بیشتر ہمت بخدا طلبی و اکثر اوقات شریف عمر گرامی بیاد ربی تعالیٰ شانہ می گمارد و می گذارد ۔'' (صفحہ ۲۰۲ 'مجموعۂ نغز' جلد دوم)

یہ گویا ۱۲۲۱ھ یا اس سے کچھ قبل کا واقعہ ہے ۔

ذوق بقول آزاد ۱۲۰۴ھ میں پیدا ہوتے ہیں ۔ انیس بیس برس کی عمر میں معروف کے ہاں آنے جانے لگے ہیں ۔ اس وقت سن ہجری ۱۲۲۳ھ یا ۱۲۲۴ھ ہونا چاہیے ۔

''اس دن سے معمول ہو گیا کہ ہفتے میں دو دن جاتے ۔ ان سے غزل لے آتے اور اصلاح کی ہوئی دے آتے ۔ چنانچہ جو دیوان معروف اب رائج ہے وہ تمام و کمال انہی کا اصلاح کیا ہوا ہے ۔ نواب مرحوم اگرچہ ضعف پیری کے سبب سے خود کاوش کرکے مضمون کو لفظوں میں بٹھا نہیں سکتے تھے مگر اس کے حقائق و دقائق کو اب ایسا پہنچتے تھے کہ جو حق ہے ۔'' (صفحہ ۹)

۱۲۲۱ھ میں قاسم ، معروف کو ''جوانی است خوش خلق و یک رو ، محبت سیر ، نیک خو ، شیریں کلام ، مودت التیام ، شگفتہ جبین، فرحت آگین بار باش ، خوش معاش'' (مجموعۂ نغز' صفحہ ۲۰۲ جلد دوم) لکھ رہے ہیں ۔ جیسا کہ ہم اوپر دیکھ آئے ہیں ، ۱۲۲۳ھ یا ۱۲۲۴ھ میں مولانا آزاد معروف کو اس قدر بوڑھا بتا رہے ہیں جو بر بنائے ضعف پیری مضمون کو لفظوں میں بٹھا نہ سکتے تھے ۔ ان بیانات میں رات دن اور صبح شام کا فرق ہے ۔ ہم جانتے ہیں کہ قاسم کے معروف کے ساتھ ذاتی تعلقات ہیں ۔ وہ ان سے اور ان کے خاندان سے اچھی طرح واقف ہے ۔ ادھر مولانا سنی سنائی باتیں بیان کرتے ہیں جو بعد زمانی کی وجہ سے ان کے حافظے کی یادداشت میں مسخ ہو کر کچھ کی کچھ بن گئیں ۔ نظامی ترپسٹھ برس کی عمر میں سکندر نامہ ختم کرتے ہیں ۔ فردوسی ۸۰ سال کے قریب تھا جب شاہ نامے کا خاتمہ لکھ رہا تھا ۔ معروف معلوم نہیں کس قدر بوڑھے ہو چکے تھے جو کثرت ضعف کی بنا پر مضمون کے طائر کو الفاظ کے قفس میں بند نہ کر سکتے تھے ، جس کے لیے انھیں ایک مزدور رکھنا پڑا ۔ حضرت آزاد کے بیان کا یہ حصہ کہ جو دیوان معروف اب رائج ہے ، وہ تمام و کمال ذوق کا اصلاح دادہ ہے ، پھر ناقابل قبول ہے ، کیوں کہ حضرت معروف بقول شیفتہ دو دیوانوں کے مالک ہیں ۔ پہلا دیوان ۱۲۲۱ھ سے قبل ختم ہو چکا ہے ۔ قاسم کہتے ہیں :

''حالا بتائید ذہن رسائے خود دیوانے مملو بیشتر انواع سخن تالیف فرمودہ ۔'' (صفحہ ۲۰۲ 'مجموعۂ نغز' جلد دوم)

قاسم نے اکتالیس اشعار اس دیوان سے بطور نمونۂ کلام دیے ہیں ۔ مولانا آزاد نے یہ سمجھ کر کہ معروف صرف ایک ہی دیوان کے

مالک ہیں ، وہی دیوان اپنے استاد کی اصلاح کی نذر کر دیا ۔ اس سے ایک احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر آزاد کو یہ علم ہوتا کہ معروف کے دو دیوان ہیں تو یقیناً دونوں دیوان اپنے استاد کے حوالے کر دیتے ۔

ذوق کا تعلق معروف کے دیوان دوم سے البتہ ہو سکتا ہے ، مگر حضرت آزاد کا یہ خیال کہ معروف اور ذوق کے درمیان ۱۲۲۳ھ کے قریب تعلقات قائم ہو جاتے ہیں ، میرے نزدیک درست نہیں ۔ غالباً اس عہد سے بہت بعد ہوئے ہوں گے ۔ 'تسبیح زمرد' کی تاریخ ذوق نے ۱۲۲۶ھ میں لکھی تھی ۔ چنانچہ اس کا مادۂ تاریخ 'دانہ خوش رنگ' ہے ۔ اس سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان میں تعلقات دیر میں قائم ہوئے ہیں ۔

''ان کے اشعار کا ایک سلسلہ ہے جس میں ردیف وار ایک سو ایک مطلع ہے اور کوئی سبزی کے رنگ سے خالی نہیں ۔ اسی رعایت سے اس کا نام 'تسبیح زمرد' رکھا تھا ۔ یہ تسبیح بھی استاد مرحوم نے پروئی تھی اور آخر میں ایک تاریخ فارسی زبان میں اپنے نام سے کہہ کر لگائی تھی ۔ جن دنوں اس کے دانے پروتے تھے تو نواب صاحب مرحوم کی سب پر فرمایش تھی کہ کوئی مثل ، کوئی محاورہ سبزی کا بتاؤ ۔ ان کے بذل و کرم اور حسن اخلاق اور علو رتبہ کے سبب سے اکثر شرفا خصوصاً شعرا آ کر جمع ہوتے تھے اور اشعار سنتے سناتے تھے ۔ ان دنوں میں ان کے شوق سے اوروں پر بھی سبز رنگ چھایا ہوا تھا ۔ بھورے خاں آشفتہ ایک پرانے شاعر شاہ نصیر مائل کے شاگرد اور ان کے مرید تھے ۔ پانچ روپے وظیفہ بھی پاتے تھے ۔ آشفتہ کے شعر میں ہری چگ کا لفظ آیا کہ ان کے ہاں ابھی تک نہ بندھا تھا ۔ ان سے وہ شعر لے لیا اور اپنے انداز سے سجایا :

آج یہاں کل وہاں گزرے یوں ہی جگ ہمیں
کہتے ہیں سب سبزہ رنگ اس سے ہری چگ ہمیں

آشفتہ کو سو روپے ایک رومال میں باندھ کر دیے کہ تمھاری کاوش طبع کیوں خالی جائے ۔'' (صفحہ ۱۱)

الٰہی بخش خاں معروف سا امیر کبیر بھی ، جو ایک ایک لفظ سو سو روپے کو خریدتا ہے اور سبزی کے محاوروں اور ضرب‌الامثال پر کاف داد و دہش عمل میں لاتا ہے ، زبان خلق سے نہ بچ سکا - مولانا نے ان کی 'تسبیح زمرد' آخرکار اپنے استاد کے حوالے کر دی کہ یہ بھی استاد مرحوم نے پروئی تھی - ذوق نے اس پر نظر ثانی کی ہو ، سمجھ میں آ سکتا ہے ، لیکن یہ دعویٰ کہ 'تسبیح زمرد' سراسر استاد کی ساختہ پرداختہ ہے ، بالکل لچر اور بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے - آخر معروف کو آزاد اس قدر عضو معطل کیوں سمجھ رہے ہیں -

آزاد 'آب حیات' میں لکھتے ہیں :

''اخیر میں کم بخت بھورے خاں نے روسیاہی کمائی اور سب تعلقات پر خاک ڈال کر ان کی ہجو کہی -'' (صفحہ ۴۴۸)

میں کہتا ہوں ، یہی سلوک میاں ابراہیم ذوق نے خان مرحوم کے ساتھ کیا ہے - فرق اسی قدر ہے کہ بھورے خاں نے زندہ کو بدنام کیا اور ذوق نے مردے کو بکھانا اور قبر میں کاپاہا -

''استاد مرحوم فرماتے تھے کہ ایک دن میں بیٹھا غزل بنا رہا تھا کہ نواب احمد بخش خاں آئے - آداب معمولی کے بعد باتوں باتوں میں کہنے لگے کہ فلاں انگریز کی ضیافت کی ، اتنا روپیہ اس میں صرف ہؤا - فلانی گھڑدوڑ میں ایک چاء پانی دیا تھا ، یہ خرچ ہو گیا - وہ صاحب آئے تھے ، اصطبل کی سیر دکھائی - کاٹھیاواڑ کے گھوڑوں کی جوڑی کھڑی تھی ، انھوں نے تعریف کی ، میں نے بگھی میں جڑوائی اور آسی پر سوار کرکے انھیں رخصت کیا ، وغیرہ وغیرہ - کیا کروں خالی ملنا ، خالی رخصت کرنا مجھ سے نہیں ہو سکتا - یہاں امیروں کو امارت کے بڑے بڑے دعوے ہیں (جس طرح بجے بزرگوں سے بگڑ بگڑ کر باتیں کرتے ہیں ، چپ بہ جبیں ہوتے تھے اور کہتے تھے) فیل خانے میں گیا تھا ، وہاں یہ بندوبست کر آیا ہوں - گھوڑیاں آج سب علاقے بھجوا دیں - حضرت کیا کروں ، شہر میں اس کلے کا گزارہ نہیں - یہ لوگ اس خرچ کا بوجھ اٹھائیں تو چھاتی ترق جائے - الٰہی بخش خان مرحوم

بھی ادا شناسی میں کمال ہی رکھتے تھے ، تاڑ گئے ؛ چپکے بیٹھے سنتے تھے اور مسکراتے تھے - جب ان کی زبان سے نکلا کہ چھاتی ترق جائے ، آپ مسکرا کر بولے: ''ہاں تو آپ کی چھاتی میں بھی آیا ہوگا'' شرما کر آنکھیں نیچی کر لیں - پھر انھوں نے فرمایا ''آخر امیر زادے ہو ، خاندان کا نام ہے ، یہی کرتے ہیں ، مگر اس طرح نہیں کہا کرتے -'' نواب احمد بخش خاں نے کہا ''حضرت پھر آپ سے بھی نہ کہوں؟'' فرمایا ''خدا سے کہو -'' وہ بولے ''مجھے آپ دکھائی دیتے ہیں ، آپ ہی سے کہتا ہوں ، آپ خدا سے کہیے -'' فرمایا کہ اچھا ہم تم مل کر کہیں ، تمھیں بھی کہنا چاہیے -''
(صفحہ ۴۹۳ ، 'آب حیات')

اس افسانے سے ، جس کو ڈرامائی رنگ آمیزی کے ساتھ مولانا نے اپنے پرزور قلم سے حقیقت سا بنا دیا ہے ، معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے نزدیک الٰہی بخش خاں بڑے بھائی اور احمد بخش خاں چھوٹے بھائی ہیں ، حالانکہ معاملہ بالکل برعکس ہے - احمد بخش خاں ، راؤ راجا بختاور سنگھ والی الور کی طرف سے لارڈ لیک کے پاس وکیل اور معتمد تھے اور اپنی ذات سے رسالہ رکھ کر خدمات سرکار بجا لاتے رہے ، جس کے صلے میں انھیں فیروز پور جھرکہ وغیرہ جاگیر میں ملے - رہے الٰہی بخش خاں ، ان کے واسطے شیفتہ لکھتے ہیں :

''معروف تخلص ، الٰہی بخش خاں نام ، کوچک برادر فخرالدولہ نواب احمد بخش خاں بہادر -'' (صفحہ ۲۶۷ ، 'گلشن بے خار')

جب الٰہی بخش خاں چھوٹے اور احمد بخش خاں بڑے ثابت ہو گئے تو مولانا کا ذوق کی روایت سے یہ بیان کہ ''احمد بخش خاں آئے اور آداب معمولی کے بعد کہنے لگے'' ، یا ان کا بچوں کی طرح بزرگوں کے سامنے بگڑ بگڑ کر باتیں کرنا اور کہنا کہ 'سینہ ترق جائے' اور الٰہی بخش خاں کا مسکرا کر کہنا کہ 'ہاں تو آپ کی چھاتی میں بھی آیا ہوگا' وغیرہ ، سراسر خیالی اور غیر حقیقی روایت ہے - اگر ذوق یا مولانا کی یادداشت اس قدر غلط اور ناقص ہے تو ہمیں ان کے دوسرے بیانات کو بھی احتیاط سے قبول کرنا ہوگا -

'آب حیات' میں ایک اور واقعہ ہے جسے آزاد نے الٰہی بخش خاں کے فقیرانہ تصرف کی مثال میں نقل کیا ہے ؛ اس قصے سے بھی استاد شاگرد کے اس غلط یقین کی توثیق ہوتی ہے کہ الٰہی بخش خاں بڑے اور نواب احمد بخش خاں چھوٹے بھائی تھے ۔ میں بہ خوف طوالت اس قصے کی نقل سے گریز کرتا ہوں ۔ شائقین 'آب حیات' میں ذوق (صفحہ ۴۵۰) ملاحظہ فرما لیں ۔

''دلی میں 'آب حیات' کو دیکھ کر بعض اشخاص نے مجھ سے کہا کہ ایسا کہنہ مشق صاحب کرامت بزرگ ایک نوجوان شخص کا کیوں کر شاگرد ہوا ہوگا ، اس مضمون کو تم نکال ڈالو ۔ میں کیا کہوں کہ استاد کی صحبت میں ہفتے میں کئی دفعہ ان صحبتوں اور اصلاحوں کے ذکر ہو جاتے تھے ۔ دو غزلوں کے اصل مسودے اب تک میرے پاس موجود ہیں ۔ دکھاؤں کسے ؟'' (صفحہ ۱۱)

حضرت مولانا کا یہ طنز کہ 'دکھاؤں کسے' بالکل غیر موجہ اور بے محل معلوم ہوتا ہے ۔ کیا اُن ایام میں آنکھوں والے نہیں بستے تھے یا معروف اور ذوق کا خط پہچاننے والے فنا ہو چکے تھے ؟ اگر مولانا کے پاس ایسے مسودے تھے تو چاہیے تھا کہ دیوان ذوق کے ساتھ اُن کے عکس شائع کر دیتے ۔ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید ۔

اس موقع پر میں نواب میرزا سعید الدین احمد خاں طالب ، خلف نواب ضیاءالدین احمد خاں نیر و رخشاں و رئیس لوہارو ، ا ن فخرالدولہ دلاورالملک رستم جنگ نواب احمد بخش خاں بہادر والی ریاست ہائے فیروزپور جھرکہ و لوہارو کی تقریظ سے ، جو شامل دیوان معروف مطبوعہ ہے ، ایک اقتباس یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں ؛ تقریظ ہذا عالی جناب میرزا نصراللہ خاں صاحب سابق صدر محاسب سرکار عالی حیدر آباد دکن کے توسط سے ، جو خاندان معروف کے چشم و چراغ ہیں ، بہ صورت نقل میرے پاس پہنچی ہے ، جس کے لیے میں جناب ممدوح کا شکریہ ادا کرتا ہوں :

"جب اول مرتبہ تذکرۂ 'آبِ حیات' چھپا تھا ، اس وقت میں بہ صورت ملازم گورنمنٹ پنجاب فیروز پور پنجاب میں بہ عہدۂ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری مامور تھا ۔ تذکرۂ مذکور میں معروف مرحوم کا ذوق مرحوم کا شاگرد (بیان) ہونا دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی ، کیونکہ یہ بات میں نے نہ کہیں لکھی دیکھی تھی اور نہ کسی (کی) زبان سے سنی تھی ۔ اسی وقت میں نے ایک خط آزاد مرحوم کو لکھا کہ یہ امر آپ نے کس وثوق اور ثبوت پر لکھا ہے ؟ اور ایک عریضہ قبلہ و کعبہ ام مرحوم کی خدمت میں ارسال کیا کہ کیا یہ واقعہ سچ ہے ؟ آزاد مرحوم نے تو جواب میں مجھے یہ فقرہ لکھا کہ یہ تذکرہ میں نے اس لیے نہیں لکھا کہ مُردوں کو بدنام کروں اور زندوں کو رنج پہنچاؤں ، تھوڑے دنوں بعد دلی جاؤں گا تو تمھارے والد ماجد سے اس کی صحت کر لوں گا ۔ جو کچھ وہ فرمائیں گے ، طبع دوم میں وہی لکھ دوں گا اور حضرت قبلہ و کعبہ ام مرحوم نے جواب عریضہ میں تحریر فرمایا کہ آزاد مرحوم سے غلطی ہوئی ، یہ واقعہ سراسر غلط ہے ۔ ذوق مرحوم ، معروف مرحوم کی خدمت میں اہل ارادت کی طرح حاضر ہوتے تھے اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہو کر دینی و دنیوی فائدے اٹھاتے تھے ۔ وہ زمانہ تو ذوق کی صغر سنی کا تھا ۔ اس زمانے میں ذوق کو اتنی استعداد اور شاعری کی لیاقت ہی کہاں تھی جو معروف جیسے کہنہ مشق اور پختہ کلام کو اصلاح دیتے ۔

حسب اتفاق اسی سال متمبر کی چھٹیوں میں ، میں دلی آیا ہوا تھا کہ آزاد مرحوم بھی دلی تشریف لائے اور حضرت قبلہ و کعبہ ام سے ملنے آئے ۔ میں بھی جا پہنچا اور ایک تمہید نکال کر یہی ذکر چھیڑ دیا ۔ حضرت قبلہ و کعبہ ام مرحوم نے آزاد مرحوم سے بہ جواب ان کے استفسار کے صاف صاف فرمایا کہ آپ نے بالکل وقائع نگاری کے خلاف کیا کہ ایسی بات بغیر تحقیق کے چھاپ دی ۔ آپ کو چاہیے تھا کہ مجھ سے دریافت کرتے ورنہ حافظ غلام رسول صاحب ویران سے ، جو ذوق مرحوم کے ارشد تلامذہ

میں حاضرباش و نفس ناطقہ تھے ، دریافت کر لیتے ۔ چنانچہ ویران مرحوم نے قبلہ و کعبۂ ام سے آکر ذکر کیا کہ آزاد مرحوم نے ان سے اس واقعے کی تصحیح چاہی تھی ۔ ویران مرحوم کی تحقیق بھی آزاد مرحوم کی تحریر کے برخلاف نکلی ؛ بااین ہمہ نہایت افسوس ہے ، طبع دوم میں بھی حسب وعدہ آزاد مرحوم نے اپنی تحریر سابقہ کی تصحیح نہ کی اور جون کا تون رہنے دیا[۱]، جس کے خلاف مجھ کو یہ سطریں ضبط تحریر میں لانی پڑیں ۔

میرزا سعید الدین احمد خاں طالب ۔

دو شنبہ ۲۷ محرم سن ۱۳۳۱ھ

مطابق ۶ جنوری سن ۱۹۱۳ ع ۔''

معروف کے حالات سے آن کے اخلاف و اعقاب کو زیادہ اطلاع ہونی چاہیے ۔ خاندانی روایات دیر تک زندہ رہتی ہیں ۔ نواب ضیاءالدین خاں اور آن کے فرزند میرزا سعید الدین خاں طالب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر گجرات کی شہادت اس بارۂ خاص میں نہایت وزنی ہے ۔

جن تذکروں میں حضرت معروف کی شاگردی کا ذکر آیا ہے ، سب کے سب شاہ نصیر کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔ 'تذکرۂ گلستان سخن' میرزا قادر بخش صابر نے ۱۲۷۱ھ میں تالیف کیا ہے جس میں مولانا

---

۱ - جون کا تون رہنے دینے والی بات صحیح نہیں ۔ بہ قول فرخی صاحب :

''طبع دوم میں آزاد نے اپنی تحریر سابقہ کی تصحیح کی لیکن اس طرح کہ معروف کے حالات میں دس نئی حکایتوں کا اضافہ کر دیا اور ذوق کی استادی کو اور زیادہ مستحکم بنا دیا ۔ اس کے علاوہ دیوان ذوق کے دیباچے میں طالب کے اعتراض کا جواب بھی اس طرح لکھ دیا گیا : ''دلی میں آب حیات کو دیکھ کر.....دکھاؤں کسے'' اس اضافے سے آزاد نے نواب ضیاءالدین خاں اور حافظ ویران دونوں کی تحقیق پر پانی پھیر دیا ہے ۔ اس بیان کو آزاد کی سینہ زوری کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا ۔''

(محمد حسین آزاد ، جلد دوم ، صفحہ ۲۷۸) ۔ مرتب

صہبائی کی رہنمائی اور مشورہ بھی شامل ہے ۔ اس تذکرے میں بھی معروف مرحوم کو شاہ نصیر کا شاگرد بیان کیا ہے ۔ چنانچہ صابر کے الفاظ ہیں :

''فن شاعری میں مناسبت تام تھی ۔ مدت مدید تک مشق سخن شاہ نصیر مرحوم سے کی تھی لیکن طبیعت خداداد کی رہنمائی سے کشورِ سخن میں برخلاف اُستاد ، ایک رستہ اور صاف و پاکیزہ ہاتھ لگ گیا ۔''

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر واقعی اُستاد ذوق معروف کے اُستاد تھے تو تذکرہ نگاروں نے اس واقعے کا ذکر کیوں نہیں کیا ۔ سب کے سب خاموش ہیں ۔ آخر اُنھیں اس کے اخفا کی کیا ضرورت پیش آئی ؟ حضرت مولانا کا بیان تو اُستاد پرستی کے جوش میں ہمیشہ محل اشتباہ رہے گا ۔

''آتش و آب و خاک و باد'' ردیف والی غزل کے ذکر کے بعد مولانا رقم طراز ہیں :

''جشن قریب تھا ، شیخ علیہ الرحمۃ نے بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ اسی طرح میں لکھا ، مگر پہلے مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس لے گئے کہ اس کے صحت و سقم سے آگاہ فرمائیں ۔ انھوں نے سن کر پڑھنے کی اجازت دی مگر ولی عہد بہادر نے اپنے شقے کے ساتھ اسے پھر شاہ صاحب کے پاس بھیجا ۔ انھوں نے جو کہا تھا وہی جواب میں لکھ دیا اور یہ شعر بھی لکھا :

بود بگفتۂ من حرف اعتراض چناں
کسے بدیدۂ بینا فرو برد انگشت

شیخ مرحوم کا دل اور بھی قوی ہوگیا ۔'' (صفحہ ۱۳)

یہ سب بجا و درست مگر ایک قصیدہ جو شاہِ وقت کی مدح میں ہے ، اُس عہد کے سب سے مقدس عالم ربانی کی خدمت میں کیوں بھیجا گیا ؟ میری سمجھ سے باہر ہے ۔ مولانا شاہ عبدالعزیز دینی علوم کے سرچشمہ مانے جاتے ہیں لیکن شعر و شاعری ، خصوصاً ریختے کی شاعری سے اُنھیں کیا سروکار ؟ یہ کام شعر و سخن کے کسی جوہری کے حوالے ہونا

چاہیے تھا ، نہ پیشوائے دین کے ۔

جب ولی عہد بہادر اپنے شقۂ خاص کے ساتھ وہ قصیدہ مولانا شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں بھیجتے ہیں تو اس سے ذوق کے حق میں اُن کی طرف داری ظاہر ہے ۔

شاہ نصیر مرحوم سے معرکہ آرائی کا ذکر مولانا نے تفصیل سے نہیں لکھا ، صرف اُنہیں چند اُمور کو اُجاگر کیا ہے جو اُن کے استاد کی ظفریابی کے حق میں ہیں ، مثلاً :

''شاہ نصیر مرحوم نے ایک مستعد طالب علم کو کہ کتب تحصیلی اسے خوب رواں تھیں ، جلسے میں پیش کرکے فرمایا کہ انھوں نے اس (قصیدے) پر کچھ اعتراض لکھے ہیں ۔

قصیدے کا مطلع تھا :

صرصر و کوہ میں ہوں گر ، آتش و آب و باد و خاک
آج نہ چل سکیں گے پر ، آتش و آب و باد و خاک

معترض نے اعتراض کیا کہ سنگ میں آتش کے چلنے کا ثبوت چاہیے ۔ انھوں نے کہا کہ جب پہاڑ کو بڑھنے کے سبب سے حرکت ہے تو اس میں آگ کو بھی حرکت ہوگی ۔ معترض نے کہا کہ سنگ میں آتش کا ثبوت چاہیے ، انھوں نے کہا مشاہدہ ۔ اس نے کہا کتابی سند دو ۔ شیخ نے محسن تاثیر کا شعر پڑھا :

پیش از ظہور جلوۂ جانانہ سوختیم
آتش بہ سنگ بود کہ با خانہ سوختیم

اسی طرح اور اکثر اشعار پر سوال و جواب ہوئے ۔ شاہ صاحب بھی بیچ میں کچھ دخل دیتے تھے ۔ اخیر میں ایک شعر پر اس نے اعتراض کیا کہ اس میں ثبوت روانی کا نہیں ۔ شیخ علیہ الرحمہ نے کہا کہ تغلیب ہے ۔ اس وقت خود شاہ صاحب نے فرمایا کہ تغلیب کہیں آئی نہیں ۔ انھوں نے کہا کہ تغلیب کا فائدہ عام ہے ۔ معترض نے کہا کہ اس وقت مجھ سے اعتراضوں کا پورا اُنجام نہیں ہو سکتا ، کل پر منحصر رکھنا چاہیے ۔'' (صفحہ ۱۳)

معرکے کا یہ ذکر بالکل مختصر ہے اور رائے قائم کرنے کے لیے ناکافی ہے لیکن حضرت مولانا کے عین بعد کے ایک فقرے ''اور سیر کتب کا شغل واجب ہوا'' (صفحہ ۱۳) سے اس قدر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بوجہ عدم تکمیل عاوم اس معرکے میں ذوق شاید اس قدر کامیاب نہ رہے جتنا مولانا ہمیں یقین دلانا چاہتے ہیں، کیوں کہ تکمیل کا احساس اسی وقت ہوا ہوگا جب اس معرکے میں ذوق کے حریف نے ان کو علمی میدان میں شکست دی ہو۔

''چند سال کے بعد ایک قصیدہ اکبر شاہ کے دربار میں کہہ کر سنایا کہ جس کے مختلف شعروں میں انواع و اقسام کے صنائع و بدائع صرف کیے تھے۔ اس کے علاوہ ایک زبان میں جو ایک ایک شعر تھا، ان کی تعداد ۱۸ تھی، مطلع اس کا یہ ہے:

جب کہ سرطان و اسد مہر کا ٹھہرا مسکن
آب و ابلولہ ہوئے نشو و نمائے گلشن

اس پر بادشاہ نے خاقانی ہند کا خطاب عطا کیا۔ اس وقت شیخ مرحوم کی عمر ۱۹ برس کی تھی۔'' (صفحہ ۱۵)

اس سے یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ استاد ذوق فی الواقعہ اٹھارہ زبانیں جانتے تھے بلکہ یہ دعوے اسی قسم کی تعلی ہے جو انگریز کہا کرتے ہیں کہ میں ہندوستان کی پندرہ زبانیں جانتا ہوں، دوسرا کہتا ہے میں بیس جانتا ہوں اور پھر وہ ان زبانوں کا ایک ایک جملہ طوطے کی طرح رٹ دیتا ہے اور اسی پر اس کی زبان دانی ختم ہو جاتی ہے۔

استاد ذوق ۱۲۰۴ھ میں بقول آزاد پیدا ہوتے ہیں۔ انیس سال کی عمر یعنی ۱۲۲۳ھ میں خاقانی ہند بنا دیے جاتے ہیں جو یقیناً حیرت انگیز ہے۔ مجھ کو شبہ ہے اس موقع پر مولانا سے سہو واقع نہ ہوا ہو، کیونکہ تذکرہ نگاروں کے بیانات کی روشنی میں یہ بیان صحیح نہیں ٹھہرتا۔ شیفتہ ۱۲۵۰ھ میں، جو 'گلشن بے خار' کی تصنیف کا سال ہے، ذوق کے واسطے رقم پرداز ہیں کہ:

''از مدت سی سال بمشق سخن می پردازد۔'' (صفحہ ۱۰)

یعنی تیس سال سے شعر گوئی میں مصروف ہیں ۔ اس لحاظ سے ۱۲۵۰ — ۳۰ = ۱۲۲۰ھ سے وہ شعرگوئی شروع کرتے ہیں ۔ تین سال کے اندر اندر ملک الشعرا کیوں کر بن سکتے ہیں ؟

کریم الدین 'طبقات الشعرا' میں لکھتے ہیں :

''ذوق : یہ شاعر فی زمانہ جو سن ۱۲۶۳ھ مطابق سن ۱۸۴۷ع کے ہیں ، بڑے رتبے کا شاعر ہے...... .. تیس برس کے عرصے سے ملازم درگاہ حضور والا حالت ولی عہدی سے شہنشاہ حال دہلی کے ہیں ۔'' (صفحہ ۳۶۹)

اس حساب سے (۱۲۶۳ — ۳۰ = ۱۲۳۳) ۱۲۳۳ھ ولی عہد (ظفر) کے یہاں ان کے آغاز ملازمت کا سال ہے ۔ الغرض ان بیانوں کو مولانا کے بیان کے ساتھ تطابق نہیں دیا جا سکتا ۔

۱۲۲۱ھ میں 'مجموعۂ نغز' تالیف ہوتا ہے ۔ قاسم اس تذکرے میں ذوق کے حال میں تحریر فرماتے ہیں :

''ذوق تخلص ، نو مشقیست از شاگردان محمد نصیرالدین نصیر کہ گاہ گاہ در مجلس شعرا حاضر می شود و غزل طرحی ہم سر انجام می دہد ۔'' (صفحہ ۲۸۴ جلد دوم)

۱۲۲۱ھ میں جو شاعر نو مشق شمار کیا جاتا ہے ، دو سال بعد یعنی ۱۲۲۳ھ میں اس کا خاقانی ہند بنایا جانا بعید از قیاس ہے ۔

''فرماتے تھے (ذوق) کہ میں نے ساڑھے سات سو دیوان اساتذۂ سلف کے دیکھے اور ان کا خلاصہ کیا ۔'' (صفحہ ۲۱)

یہ بیان صریحاً مبالغہ معلوم ہوتا ہے ۔ دہلی میں ان ایام میں کوئی ایسا کتب خانہ نہ تھا جس میں ساڑھے سات سو یا اس کی نصف تعداد کے دواوین شعرا یکجا موجود ہوں ۔ یورپ کے عظیم الشان کتب خانوں میں آج بھی اساتذۂ سلف کے دواوین کی اتنی بڑی تعداد کہیں نظر نہیں آتی ، چہ جائیکہ تاراج شدہ دہلی میں جو بارھویں صدی ہجری میں دس بارہ مرتبہ لٹ چکی ہے ، باقی رہے ہوں ۔

"نواب حامد علی خاں کے خسر نواب فضل علی خاں سے اور شیخ مرحوم سے سابقہ محبت بھی تھا ، اس لیے نواب حامد علی خاں مرحوم بھی محبت و اخلاق سے ملا کرتے تھے ۔ ایک دن دیوان خاص میں کھڑے ہوئے شعر سنتے سناتے تھے ۔ نواب موصوف نے خواجہ وزیر کا مطلع پڑھا :

جانور جو ترے صدقے میں رہا ہوتا ہے
اے شہ حسن وہ چھٹتے ہی ہما ہوتا ہے

استاد مرحوم نے کہا صدقے میں اکثر کوا چھڑواتے ہیں اس لیے زیادہ تر مناسب ہے :

زاغ بھی گر ترے صدقے میں رہا ہوتا ہے
اے شہ حسن وہ چھٹتے ہی ہما ہوتا ہے" (صفحہ ۳۶)

خواجہ وزیر کے مطلع پر تو استاد ذوق نے اصلاح دے دی لیکن خود اپنے شاگرد عزیز ظفر کے شعر میں ، جو دیوان اول ظفر میں آتا ہے اور جس کے لیے مولانا آزاد مدعی ہیں کہ نصف سے زیادہ سر تا پا ذوق کا ہے ، اصلاح دینی بھول گئے ۔ ظفر کہتے ہیں :

لایا ہوں تصدق کو ترے مرغ دل اپنا
کیا خوب ہو پر اس کے اگر کھول ، اڑا دے

پہلے مصرع میں اگر زاغ دل لایا جائے تو مصرع حضرت مولانا کے نقطۂ نظر سے بالکل بولنے لگے گا ۔

استاد ذوق کی زبانی مولانا تحریر فرماتے ہیں :

"ایک دن میر محمد خاں اعظم الدولہ کے بالاخانے کے نیچے سے میرا گزر ہوا ۔ وہ پرانے شاعر تھے اور سرور تخلص کرتے تھے ۔ مجھے دیکھ کر آواز دی ، میں گیا ۔ بیٹھتے ہی فرمائش کی کہ تذکرہ ہم نے تمام کر دیا ، اب اس کی تاریخ کہہ دو ۔ میں نے کہا اچھا فکر کروں گا ۔ انھوں نے کہا فکر کروں کا کی سہی نہیں ، ابھی فکر کرو اور کہہ دو ۔ فرماتے تھے ، خدا کی قدرت آن کے خطاب کے خیال سے اسی وقت ذہن میں آیا : 'دربائے اعظم' حساب

کہا تو عدد برابر، عجب خوشی دل کو ہوئی۔ میں نے جھٹ کہہ دیا، ہنسے اور کہا پہلے سے کہہ رکھی ہوگی۔ پھر کہا مصرع ابھی لگا دو۔ میں نے کہا، مصرع پھر انشا اللہ۔ جو بات تھی وہ ہوگئی۔'' (صفحہ ۳۷)

'دریائے اعظم' کے عدد بحساب جمل ۱۲۳۶ھ ہوتے ہیں لیکن اعظم الدولہ میر محمد خاں سرور کا تذکرہ اس سن سے بیس سال قبل تالیف ہوتا ہے۔ اس کا تاریخی نام 'عمدۂ منتخبہ' ہے جس سے ۱۲۱۶ھ برآمد ہوتے ہیں۔ قاسم نے اپنے تذکرے میں سرور کے تذکرے کا ذکر کیا ہے؛ چنانچہ:

''تذکرۃ الشعر بسیار خوب نوشتہ۔''

('مجموعۂ نغز' جلد ۱ صفحہ ۲۹۵)

میر ممنون کے کلیات میں سرور کے تذکرے کی تاریخ میں ایک قطعہ درج ہے۔ و ھو ھذا:

''قطعہ در تاریخ تصنیف تذکرۂ اعظم الدولہ سرور تخلص۔

زہے اعظم الدولہ نکتہ سنج   کہ ہر نکتہ اُس کا ہے دُرِ عدن
لکھا زور ہے اُس نے اک تذکرہ   کہ باہم ہو تمیز اربابِ فن
جو تاریخ پوچھی تو ممنون نے   کہا 'یہ ہے معیار نقد سخن'۔''

اس سے سال ہجری ۱۲۱۵ برآمد ہوتے ہیں اور ایک عدد کی کمی رہتی ہے، لیکن تاریخ گویوں کے ضابطے میں ایک عدد کی کمی بیشی قابل گرفت نہیں۔ ڈاکٹر عبدالحق کے ایک ذیلی حاشیے سے جو 'خطبات گارساں دتاسی' طبع ۱۹۳۵ع کے صفحہ ۸۸ پر درج ہے، معلوم ہوتا ہے کہ احسان، نصیر، عاشق، قاسم، سید رضی اور فراق نے جو مادۂ تاریخ نکالے ہیں، اُن سے ۱۲۰۹ھ نکلتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا نسخہ نہم محرم الحرام ۱۲۲۳ھ کا مکتوبہ ہے جس کو عاشق نے اعظم الدولہ مؤلف تذکرہ کے حکم سے لکھا تھا۔ ان تاریخوں سے قیاس ہوتا ہے کہ ۱۲۱۶ھ 'عمدۂ منتخبہ' کے آغاز کی تاریخ ہے اور ۱۲۱۹ھ اُس کے اختتام کا سال ہے۔ اُس وقت ذوق کی عمر بارہ اور پندرہ سال ہونی چاہیے۔

مگر میرزا غالب کے ایک خط سے ، جو نواب مصطفٰی خان کے نام 'پنج آہنگ' میں محفوظ ہے ، مفہوم ہوتا ہے کہ جب کلکتے میں احمد بیگ خاں ابن ہادی بیگ خاں تپاں تخلص میرزا سے ملنے آئے ، اثنائے گفتگو میں میرزا نے اُن سے سرور کے تذکرے کا ذکر کیا کہ تالیف ہو رہا ہے -

''چوں از من شنود کہ اعظم الدولہ نواب میر محمد خاں سرور تخلص تذکرۂ ریختہ گویاں انشا می کرد....''

اس پر احمد بیگ خاں نے کچھ اپنے طبع زاد اشعار میرزا کے سپرد کیے کہ دہلی پہنچ کر نواب میر محمد خاں سرور کو دے دیں تاکہ اُن کے تذکرے میں داخل ہو جائیں -

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تذکرۂ ہذا ۱۸۳۰ء کے بعد تک ، جب سال ۱۲۴۶ھ ہونا چاہیے ، ختم نہیں ہو چکا تھا -

''صفحہ ۳۹ : تاریخ کی کمائی بھی سب بادشاہ کے حصے میں آئی ، کیوں کہ اکثر انھی کی فرمایش سے کہتے تھے - انھی کا تخلص ہوتا تھا - نواب زینت محل بیگم ، بادشاہ بیگم تھیں اور کل احکام سلطنت کی حاکم تھیں - انھوں نے شہر میں ایک مکان بنوایا - تاریخ کے لیے بادشاہ سے عرض کی - انھوں نے دربار خلوت میں استاد سے فرمایا - بیگم بولیں کہ حضور استاد سے کہیے کہ آج تاریخ کہہ کر جائیں ، استاد نے وہیں بیٹھے بیٹھے کہا :

کرد اے ظفر ، زینت محل ، تعمیر قصر بے بدل
تاریخ گفتم برمحل : ''ایں خانۂ زینت محل''

۱۲۶۲ھ (صفحہ ۳۹)

'بنیے کی کمائی مکان یا بیاہ نے کھائی' پرانی ضرب المثل ہے ، لیکن حضرت آزاد کے فرمانے سے معلوم ہوا کہ ذوق کی تاریخ کی کمائی سب بادشاہ کے حصے میں آئی لیکن ثبوت میں صرف ایک شعر دیا ہے - کیا اس ایک شعر کی بنا پر مولانا کا دعوٰی صحیح مانا جا سکتا ہے ؟ ظفر کے چاروں دیوان موجود ہیں - ان میں سوائے پہلے دیوان کی دو تاریخوں کے ، جن کا ذوق سے کوئی علاقہ نہیں ، کوئی تاریخ موجود نہیں - آخر

یہ بڑا ذخیرہ جو ذوق نے ظفر کو بخشا تھا ، گیا کہاں ؟ پھر اس ایک تاریخ کے واسطے بھی کس قدر اہتمام کیا جاتا ہے ۔ بیگم بادشاہ سے عرض کرتی ہیں کہ آستاد سے کہیے آج تاریخ کہہ کر جائیں ۔ بادشاہ خلوت میں دربار کرتے ہیں اور آستاد سے فرمایش کرتے ہیں ۔ آستاد وہیں بیٹھے بیٹھے تاریخ کہہ دیتے ہیں ۔ آستاد کی ایسی کرامت کے باوجود بیگم آستاد سے خفا رہتی ہیں اور آن کو خفیف کرنے کے لیے آن کے قصیدوں پر داد دینے سے درباریوں کو مشاعروں میں منع کرا دیتی ہیں ، جیسا کہ مولانا کے بیان سے معلوم ہوتا ہے ۔ چنانچہ :

''اس وقت بیگم صاحبہ کا حکم پہنچا ہے کہ کل آستاد قصیدہ سنائیں تو دربار میں کوئی آن کے شعروں پر تعریف نہ کرے ۔ آپ کو خیال رہے ۔ آستاد نے کہا بہت خوب ۔''

(دیوان ذوق ۱۹۲۲ء ، صفحہ ۳۰۱)

''وفات کے چند روز بعد میں نے اور خلیفہ اسمٰعیل مرحوم نے چاہا کہ کلام کو ترتیب دیں ۔ سب ذخیرہ نکالا ، محنت نے اس کے انتخاب میں پسینے کی جگہ لہو ٹپکایا ، کیوں کہ بچپن سے لے کر دم واپسیں تک کا کلام آنھی میں تھا اور بہت سی غزلیں بادشاہ کی ، بہتیری غزلیں شاگردوں کی ملی ہوئی تھیں ۔ چنانچہ اول ان کی اپنی غزلیں اور قصائد انتخاب کر لیے ۔ یہ کام کئی مہینے میں ختم ہوا ۔'' (صفحہ ۲۷)

عام روایت یہی ہے کہ ذوق کا کلام آن کی زندگی میں مدون نہیں ہوا مگر حضرت ظفر کے ایک شعر سے ثابت ہوتا ہے کہ دیوان موجود تھا ۔ فرماتے ہیں :

بخشے ہے ظفر اپنے یہ ذوق عجب دل کو
ہم ذوق کا ہاتھوں سے دیوان نہ چھوڑیں گے

(صفحہ ۲۳۵ - ۲۳۳ جلد ۴)

''بادشاہ کے چار دیوان ہیں ؛ پہلے میں کچھ غزلیں شاہ نصیر کی اصلاحی ہیں ، کچھ میر کاظم حسین بیقرار کی ہیں ۔ غرض پہلا دیوان

نصف سے زیادہ اور باقی تین دیوان سر تا پا حضرت مرحوم کے ہیں ۔"
(صفحہ ۴۳)

یہ بہت بڑا دعوی[1] ہے ۔ حضرت ظفر کی تمام عمر کی کمائی یہ چار دیوان ہیں ۔ مولانا نے ایک ہی فقرے میں تقریباً پونے چار دیوان (منجملہ چار دیوان مشمولہ کلیات ظفر) تمام و کمال استاد ذوق کے حوالے کر دیے ۔ بد قسمتی سے ہمارے پاس اس بیان کی تردیدی شہادت موجود نہیں مگر خدا کو آنکھ سے نہیں دیکھا ، عقل سے تو پہچانا ہے ۔ ظفر کے ساتھ

۱ ۔ ڈاکٹر اسلم فرخی اس دعوے کا ذمہ دار حافظ ویران ، ظہیر ، انور اور حالی کو قرار دیتے ہیں ۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں ان ناموں میں اشپرنگر کا اضافہ کرتے ہیں ، لیکن اصل خرابی یہ ہے کہ ان لوگوں اور مولانا آزاد کے بیانات میں رائی اور پہاڑ کا فرق ہے جس کی تمام تر ذمہداری مولانا پر عائد ہوتی ہے ۔ ڈاکٹر تنویر احمد علوی اپنے مرتبہ دیوان ذوق کے مقدمے میں مولانا کے دفاع میں فرماتے ہیں :

"ظفر کے دیوانوں میں ذوق کے کلام کا ایک معتدبہ حصہ شامل ہے جس کے دعوے دار دوسرے بھی ہیں لیکن مولانا نے نسبتاً زیادہ صفائی سے بات کہی ہے اور غالباً اس لیے کہی ہے کہ ان کے پاس اس کے بہت سے ثبوت بھی تھے ۔"

اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے اپنی کتاب 'ذوق' میں فرمایا ہے :

"......ذوق اور ظفر دونوں بسیار گو تھے مگر ذوق کا جو حصہ کلام باقی رہا ہے ، وہ رطب و یابس سے باعتبار زبان و بیان پاک نظر آتا ہے ، جب کہ ظفر کا کلام اس عیب سے محفوظ نہیں رہ سکا ۔ ان شواہد کی موجودگی میں یہ تسلیم کرنا مشکل ہے کہ ظفر کی شاعری تمام تر ان کے اساتذہ یا ذوق کی چکیدۂ خامۂ فکر ہے ۔ شاہ نصیر ، ذوق اور غالب کا رنگ سخن متعین ہے اور ظفر کے ایک معتدبہ حصہ شاعری کا وہ رنگ جس میں ان کی انفرادیت موجود ہے ، ان کے اساتذہ سے بالکل مختلف نظر آتا ہے ۔" (صفحہ ۱۰۹)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۴ پر)

شاعری کا انتساب اضافی نہیں بلکہ حقیقت امری ہے جس سے آن کے دشمن بھی انکار نہ کر سکے۔ ۵۷ء کے فوجی غدر کے ذکر میں بھی وقائع نگاروں نے آن کی شاعری کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ظفر نے اس سال کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۳)

پھر فرماتے ہیں :

''ظفر کی شاعری اپنی اصلاح و آراستگی کے لیے ان کے اساتذہ اور خاص طور پر ذوق کی مرہون منت ہے ، اس کا اعتراف ظفر نے بھی کیا ہے :

ہے ذوق ذرا لطف نہیں شعر و سخن میں
اس رمز نہانی کو کوئی پوچھے ظفر سے

بخشے ہے ظفر اپنے یہ ذوق عجب دل کو
ہم ذوق کا ہاتھوں سے دیوان نہ چھوڑیں گے

شعر و سخن کا ذوق مرے دل سے اٹھ گیا
اب رہ گیا ظفر ، جگر انجمن پہ داغ

یہ شعر جو ظفر نے ذوق کی وفات کے بعد کہے ، ایک مخصوص لفسیاتی کیفیت کے آئینہ دار ہیں ۔ مگر ان کی بنیاد پر یہ سوچ لینا کہ ظفر کا ذخیرۂ کلام تمام تر ذوق کا اندوختۂ کمال ہے ، صحیح نہیں ہو سکتا ۔'' (صفحہ ۱۱۰)

ڈاکٹر علوی کی کتاب 'ذوق' کے مقدمے میں سید عابد علی عابد رقم طراز ہیں :

''ظفر کے متعلق آزاد کے دعوے پہلے تو لوگوں نے بے چون و چرا قبول کر لیے ، بعد ازاں جب ظفر کے ضخیم دیوانوں کا انتخاب شائع ہوا ، انتقاد ظفر کی خوبیوں پر مطلع ہوا ، نقادوں نے یہ صحیح رائے قائم کی کہ ظفر کے کلام میں بعض ایسے منفرد اور نمایاں عناصر ہیں جو ذوق کے اسلوب سخن طرازی سے بالکل علیحدہ ہیں......تو آزاد کے بیانات پر بدگمانی پیدا ہونے لگی اور یہ بالکل جائز تھی ۔'' (مرتب)

عید قربانی کے موقع پر باغی فوج کے جوش دلانے کو ذیل کے دو شعر لکھے تھے :

عید قرباں آج سب دشمن ہمارا قتل ہو
گورکھا گوجر سے لے کر تا نصاریٰ قتل ہو

آج کا دن عید قرباں کا جبھی جانیں گے ہم
اے ظفر ! تو تیغ گر دشمن تمہارا قتل ہو

دلی چھوڑتے وقت اُنھوں نے یہ مشہور شعر کہا تھا :

بلبل نے آشیانہ چمن سے اُٹھا لیا
اُس کی بلا سے بوم بسے یا ہما رہے

شاہ نصیر اُن کے اولین اُستادوں میں سے تھے - خود ظفر کو شعر ذیل میں اُن کی شاگردی کا اعتراف ہے :

آفریں تجھ کو ظفر ہو کیوں نہ شاگرد نصیر
اس غزل کو جا کے پڑھ ہر ایک دانشور کے پاس

نصیر کے علاوہ ظفر کے اور بھی اساتذہ ہیں - 'مجموعۂ نغز' تالیف ۱۲۲۱ھ میں حضرت ظفر کے حال میں مسطور ہے کہ شاہزادہ ظفر کو شعر گوئی کا بے حد شوق ہے - شاعری پر بہت وقت صرف کرتے ہیں - یوں تو دیگر اساتذہ کو بھی وہ اپنا کلام دکھاتے ہیں لیکن برخوردار میر عزت اللہ عشق سے ، جس کو وراثۃً اس خاندان کی اُستادی کا حق پہنچتا ہے ، اکثر مشورہ لیتے ہیں - گویا عشق ۱۰۲۱ھ کے گرد و پیش میں ظفر کا کلام دیکھتے تھے - اور کیا قاسم اور دیگر شعرائے پایۂ تخت سلطانی کو یہ عزت حاصل نہ تھی ؟ لہٰذا ساڑھے تین ہونے چار دیوانوں پر تنہا ذوق کا قبضہ کرا دینا مولانا کے واسطے بہت دشوار ہوگا -

ظفر کے انتخاب کلام سے ، جو 'مجموعۂ نغز' میں محفوظ ہے ، واضح ہوتا ہے کہ ظفر اس سال (۱۲۲۱ھ) سے قبل کم از کم اپنا ایک دیوان یعنی دیوان اول مکمل کر چکے ہیں - قاسم نے الف سے لے کر ے تک کی ردیف کی غزلیات سے انتخاب دیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ قاسم کے پاس

ردیف وار مرتبہ دیوان ظفر موجود ہے، جو موجودہ دیوان اول سے کہیں زیادہ ضخیم ہے - نمونۂ کلام سے واضح ہوتا ہے کہ غزلیات کی ایک بڑی تعداد موجودہ دیوان اول سے خارج کر دی گئی ہے - حضرت ظفر کے اکاون ابیات سے ، جو قاسم نے درج کیے ہیں ، صرف چھبیس ابیات موجودہ دیوان میں مل سکے ہیں ، باقی نہیں ملتے - اس بنا پر ہمارا خیال ہے کہ ظفر ، جو ذوق کی ولادت کے قبل سے شاعری کے کوچے کی سیاحی کر رہے ہیں ، ذوق کے ہوش سنبھالنے سے بیشتر صاحب دیوان بن چکے ہیں- ۱۱۸۹ھ ان کا سال ولادت ہے - ذوق ۱۲۰۴ھ میں پیدا ہوتے ہیں جب ظفر اپنی عمر کے پندرہ مرحلے طے کر چکے ہیں - دیوان اول کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ظفر اپنا پہلا دیوان ۱۲۱۴ھ میں ختم کر چکے ہیں - چنانچہ اس کی تاریخ یوں دی ہے :

یہ دیواں رشک گلشن کیوں نہ ہو گل ہائے مضموں سے
کہ اس کا جو ورق ہے سو خیابانِ معانی ہے
ظفر یہ بے تامل مصرعِ تاریخ لکھ اس پر
''مرا اب یک قلم دیوان بستان معانی ہے''
۱۲۱۴ھ

اس سن میں ذوق غالباً حافظ غلام رسول شوق کی شاگردی میں اوقات بسر کرتے ہیں اور اُن کی شہرت میٹھی نیند سو رہی ہے - دیوان کے اسی صفحے پر ایک اور قطعۂ تاریخ ملتا ہے :

ہاتف غیبی سے کل آئی ندا مجھ کو ظفر
فکر میں تاریخ کی رہتا تو کیوں حیران ہے
ووہیں صد رشک چمن مصرع یہ مجھ سے ڈھل گیا
''زور اب رنگیں یہ اپنا سر بسر دیوان ہے''
۱۲۲۳ھ

ان دو تاریخوں میں نو سال کا فرق ہے - یہ آخری تاریخ دیوان پر نظر ثانی کی تاریخ مانی جا سکتی ہے - بہر حال پہلی تاریخ ۱۲۱۴ھ کے وقت ذوق دس سال کے لڑکے تھے - اب دس سال کا بچہ ظفر کے دیوان کی کیا اصلاح دے سکتا ہے - اس تاریخ سے سات سال بعد بھی جب

'مجموعۂ نغز' ختم ہوتا ہے ، ذوق جیسا کہ گزشتہ سطور میں ہم دیکھ چکے ہیں ، ایک نومشق کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ ان تاریخوں کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ ذوق کا حصہ پہلے دیوانِ ظفر میں ، بہ حیثیت اصلاح دہندہ ، اضافت بہ ادنیٰ ملابست کا حکم رکھتا ہے :

ذیل کے شعر میں حوالہ غالباً میر عزت اللہ عشق کی وفات کے متعلق معلوم ہوتا ہے لیکن ردیف سے ثابت نہیں ہوتا ۔

کیوں کر نہ رہے گریہ و زاری میں ہمیشہ
سینے میں دل اپنا ہے ظفر نوحہ گرِ عشق

دیوان چہارم ظفر میں ذوق کے متعلق کئی حوالے ملتے ہیں :

(۱) ظفر اگرچہ ہیں شاگرد ذوق یاں لاکھوں
بلند نام ہو تم لیک ان تمام میں ایک (صفحہ ٦۴)

(۲) بعد اُستاد ذوق تیرے سوا
رکھتا فہمید شعر تر ہے کون
لکھ اسی قافیے میں اور غزل
تجھ سے بہتر اب اے ظفر ہے کون (صفحہ ۱۰۲)

(۳) تیرا مذاق شعر ظفر جانتا ہے کون
اُستاد ذوق تھا ترے واقف مذاق سے (صفحہ ۲۱۷)

(۴) بے ذوق ذرا لطف نہیں شعر و سخن میں
اس رمز نہانی کو کوئی پوچھے ظفر سے (صفحہ ۲۲۵)

(۵) ترے سخن میں ہے اُستاد ذوق کا وہ فیض
غزل لکھی نہ کسی نے ظفر برابر کی (صفحہ ۳٦)

یہ حوالے جو ہم دیکھ رہے ہیں ، سب کے سب ذوق کی وفات کے بعد کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں ۔ الغرض دیوان چہارم کی تیاری کے وقت اُستاد ذوق زندہ نہ تھے[۱] اس لیے اس دیوان کے واسطے مولانا کا

---

۱ ۔ "ذوق کی وفات تک ظفر کا چوتھا دیوان تو یقیناً اور تیسرا دیوان بھی غالباً مکمل نہیں ہوا تھا ، اس لیے اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہوگی کہ نہ صرف دیوان چہارم بلکہ دیوان سوم میں بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۸ پر)

دعویٰ کہ سر تا سر آستاد کا ہے ، ناقابل سماعت ہے اور آسی قدر ناقابل اعتبار جس قدر آن کا یہ دعویٰ کہ دیوان اول یا آس کا بڑا حصہ ذوق کا نوشتہ ہے۔ ہمارے نزدیک ظفر کا دیوان اول و چہارم دوق سے قبل اور بعد کی پیداوار ہیں ۔ دیوان چہارم میں میرزا غالب کی اصلاح کا پرتو بعض غزلیات میں صاف نظر آتا ہے ۔

''مسو ۂ خاص میں کوئی شعر پو ا ، کوئی ڈیڑھ مصرع کا ، کوئی ایک ، کوئی آدھا مصرع ، فقط بحر اور ردیف قافیہ معلوم ہو جاتا تھا باقی بخیر ۔ یہ (ذوق) ان ہڈیوں پر گوشت پوست چڑھا کر حسن و عشق کی پتلیاں بنا دیتے تھے ۔'' (صفحہ ۴۴)

یہ الفاظ دیگر بادشاہ گویا مصرع یا شعر طرح بھیج دیتے اور آستاد ذوق آس طرح کے مطابق غزلیں لکھ لکھ کر ظفر کا دیوان تیار کرتے[1]۔ ہمارے نزدیک یہ عمل نہ ظفر کے ذوق شعر کے ساتھ مناسب ہے ، نہ ذوق کے اخلاقی معیار کے شایاں ہے ۔ آستاد کیا ٹھہرے ، معمار و نجار ٹھہرے کہ مزدوری کے دام لیتے رہے اور کام کرتے رہے ، لیکن معمار و نجار اپنی ساختہ اشیا کے مالک نہیں بن بیٹھے ۔ ذوق، ظفر کی آستادی کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۷)

حسن اتفاق سے ظفر نے اپنے استاد کو یاد کیا ہے......یہ شعر دیوان سوم کا ہے :

تیرا مذاق شعر ظفر جانتا ہے کون استاد ذوق تھا ترے واقف مذاق سے''

(انتخاب ظفر ، مرتبہ شان الحق حقی ، صفحہ ۶۸) مرتب ۔

۱ ۔ مولانا کے اس دعوے کے ثبوت میں بعض لوگوں نے حالی کی 'یادگار غالب' والی روایت پیش کی ہے لیکن اس کے متعلق شان الحق حقی صاحب نے صحیح فرمایا ہے کہ :

''یادگار غالب میں جو حالی نے بادشاہ کی اصلاح کلام کے متعلق ایک روایت نقل کی ہے ، اس پر دھوکا کھانا لازم نہیں ۔ اول تو یہ مولانا حالی کا نہیں ، ناظر حسین مرزا کا بیان ہے جو حالی نے غالب کی زود گوئی کے مذکور میں ضمناً دہرا دیا ہے ۔ ظاہر ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۹ پر)

طفیل معاشی جدال سے فارغ البال ہو جاتے ہیں - آن کو آن کی لیاقت اور محنت سے ہزارگنا زیادہ قیمت تنخواہ ، جاگیر ، صلے ، عزت اور مرتبے کی صورت میں ملتی ہے اور جگت اُستاد کہلاتے ہیں - اگر آزاد کا دعوئ صحیح مان لیا جائے تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ یہ سب کچھ ذوق نے ظفر کے ہاتھ شعر بیچنے سے حاصل کیا ورنہ شاعری کے دربار میں غالب اور مومن خاں کے بعد آن کو کرسی ملتی ہے - شعر بیچنا گناہ ہے لیکن بیچ کر اُس پر دعوئ کرنا بدترین گناہ ہے - ہمیں مولانا آزاد کے اخلاق معیار پر حیرت ہوتی ہے کہ اپنے اُستاد کے گناہ کو فخریہ ببانگ دہل الم نشرح کر رہے ہیں - ہم مولانا کے بیان بالا کو آنکھ بند کرکے نہیں مان سکتے -

ایک امر قابل غور ہے کہ شاعر کا کلام اُس کے جذبات و خیالات و معتقدات ، انداز و عادت ، خو بو ، وضع قطع ، پسند و ناپسند کا آئینہ دار ہوتا ہے - اس لحاظ سے کلیات ظفر و دیوان ذوق کا مقابلہ کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ شاگرد و اُستاد کی شخصیتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے - ظفر کی شخصیت ذوق سے بالکل مختلف اور نمایاں ہے - اگر کلیات ظفر تمام تر ذوق کی شاعری کا مرہون احسان ہے تو اس میں وہی انداز اور رنگ و طرز ادا موجود ہونے چاہیں جو ذوق کے کلام کے ساتھ مخصوص ہیں - حالاں کہ دونوں کا رنگ جدا جدا ہے - ذوق کی غزلیات عام طور پر لمبی ہوتی ہیں ، ان میں کئی کئی مطلعوں کی قطاریں نظر آتی ہیں - اس کے مقابلے میں ظفر کی غزلیں مختصر ہوتی ہیں - عام طور پر ایک مطلع پر قناعت کی جاتی ہے - طرحیں نرالی اور انو کھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۸ سے)

مولانا حالی کو خود غالب سے کچھ کم تقرب نہ تھا ، پھر ان کو کسی اور کا حوالہ دینے کی کیا ضرورت رہتی ؟ ناظر حسین مرزا نے صریحاً مبالغے سے کام لیا ہے - بات ایک منہ سے دوسرے منہ تک بدلتی بھی ضرور ہے ، تاہم مولانا حالی نے 'آب حیات' کی روایت کی کوئی تصدیق اپنی جانب سے نہیں کی -''

(صفحہ ۸۲-۸۳ ، انتخاب ظفر ، مطبوعہ انجمن ترقی اردو)

ہیں - خود فرماتے ہیں :

دل اپنا فکر غزل میں ظفر نہیں لگتا
زمیں غزل کی نہ ہووے اگر انوکھی سی (صفحہ ۱۳۱، جلد ۲)

ہر غزل کی اپنی ہے ٹیڑھی زمین سنگ لاخ
ہم کو بھاتی ہی نہیں ہے اے ظفر سیدھی طرح (صفحہ ۱۳۳، جلد ۳)

قافیے بھی نئے نئے اور نرالے لاتے ہیں اور ان قافیوں کے ساتھ مناسبت رکھنے والے مضامین باندھتے ہیں جس سے غزل چمک جاتی ہے - ان کو اس بات کی پروا نہیں کہ غزل میں پانچ شعر ہیں یا سات :

باندھے نئے مضامین چن کر ظفر سب اس میں
تجویز جس غزل کی ہم نے زمیں نئی کی (صفحہ ۱۶۷ جلد ۲)

شاعرانہ تعلی اور شعرا پر چوٹیں بھی کی ہیں - میر سے داد کے خواستگار ہیں - ناسخ و آتش سے اپنی استادی منواتے ہیں - جرأت و مہجور کی گردن ان کے سامنے جھکتی ہے :

ہے نقد سخن رائج عالم میں ظفر اپنا
منہ کھول دیے ہم نے مدت سے خزانوں کے

زمانے میں جو کہلاتے ہیں شاعر آج کل اچھے
ظفر رتبہ ملا اُن کو ترے فیض سخن سے ہے

یہ غزل پڑھیے اگر بزم سخن داں میں ظفر
کیوں کہ تحسیں کے لیے پھر نہ سر میر ہلے

اے ظفر ایک ہے تو فن سخن میں اُستاد
کیوں نہ قائل ہوں ترے ناسخ و آتش دونوں

تبدیل قوافی سے غزل لکھ ظفر ایسی
تا جس سے جھکے جرأت و مہجور کی گردن

ظفر نے روزمرہ ، محاورے اور ضرب الامثال اپنے اشعار میں کثرت سے استعمال کیے ہیں - نئے الفاظ اور خیالات داخل کرکے تغزل کے دائرے

کو وسیع تر کر دیا ہے ۔ عشقیہ مضامین کے ساتھ ساتھ اخلاق مضامین بھی خوب برتے ہیں ۔

کئی موقعوں پر اپنی خوش نویسی کا ذکر کیا ہے اور اپنے شاگردوں پر ناز کرتے ہیں ۔ ظفر خط نسخ میں استاد مانے جاتے تھے ۔ دو قطعے ان کے بہ خط طغرا میرے کتاب خانے میں موجود ہیں :

ہوں لاکھ خوش نویس اگر خط نسخ میں
پر ہو کسی کا خوب نہ خط سے ظفر کے خط (صفحہ ۳۸، جلد ۲)

خوش نویس ایسا ہے تو دیکھ کے ہوتے ہیں خجل
تیرے خامے کی ظفر صاحب فرہنگ تراش (صفحہ ۳۵، جلد ۳)

ہر خط میں جو ظفر کے شاگرد ہیں ہزاروں
لا کر ہیں سب دکھاتے تحریر اپنی اپنی (صفحہ ۱۷۲، جلد ۳)

اپنی بادشاہی کی طرف بہت کم اشارے کیے ہیں :

کیا ہمیں حشمت شاہی سے محبت ہووے
اے ظفر! ہم تو فقیروں سے ہیں الفت رکھتے (صفحہ ۲۲۳، جلد ۴)

نہ کیوں شاہنشہی اپنی جہاں میں فخر شاہاں ہو
کہ فیض دو جہاں مجھکو ہوا یہ فخردیں سے ہے (صفحہ ۲۲۶، جلد ۴)

شاہان عصر میں ہے ظفر تو وہ سر بلند
پڑتا ہے عکس تاب کلہ آفتاب میں (صفحہ ۱۹۰، جلد ۱)

اے ظفر چاہے خرابی تری جو خانہ خراب
کر دے اس کو ترا اقبال شہنشاہی خراب (صفحہ ۲۶، جلد ۲)

خوب جو دیکھا تو پایا سب وہ تجھ میں اے ظفر
جو کہ ہے اوصاف عالم گیر میں لکھا ہوا (صفحہ ۱۳، جلد ۲)

روشن ترے فروغ سے کیوں کر نہ ہو چراغ
تو ہی ظفر ہے خانۂ تیمور کا چراغ (صفحہ ۱۲۷، جلد ۱)

آبائی روایات کے مطابق شکار سے بھی شوق تھا :

بے سیر و شکار اس دشت میں الطاف خواجہ سے
ظفر ہر روز ہم ہیں اور یہ تالاب پارے کا (صفحہ ۲۰، جلد ۲)

ہم اپنے دل کو مارتے ہیں اس لیے ظفر
دیتا ہمیں مزا ہے شکار اپنے ہاتھ کا (صفحہ ۱۰، جلد ۲)

حقہ پیتے تھے :

قلیاں کو گرچہ عالم مکروہ ہیں بتاتے
ہر اے ظفر! ہیں اب تو سب شیخ و شاب پیتے

مولانا فخرالدین فخر جہاں کے مرید تھے ۔ چاروں دیوانوں میں بے شمار تلمیحیں ملتی ہیں ۔ ان کے فرزند قطب الدین اور قطب الدین کے فرزند نصیرالدین کا بھی ادب سے ذکر کرتے ہیں ۔ مشایخ میں شیخ عبدالقادر جیلانی ، شیخ معین الدین چشتی اور بوعلی قلندر سے خاص عقیدت ہے :

جو سمجھے کفش پائے فخر دین کو تاج سر اپنا
پسند اس کو ظفر کب افسر شاہانہ آتا ہے (صفحہ ۳۰۷، جلد ۱)

خاک پائے فخر دیں ہے اپنے حق میں کیمیا
اے ظفر کیوں خواہش اکسیر کرنی چاہیے (صفحہ ۳۲۶، جلد ۱)

ظفر کی غرض یہ ہے ، یا جناب فخر جہاں
مجھے غلام تم اپنا گنو خدا کے لیے (صفحہ ۱۶۲، جلد ۳)

ظفر نہ کیوں کہ ہو دل سے غلام قطب الدین
ازل سے معتقد فخر دیں بنایا تھا (صفحہ ۵۲۵، جلد ۱)

ظفر کی چاہیے نصرت تمھیں نصیرالدیں
کہ اس کے یار و مددگار ، ہاں ، تمھی تو ہو (صفحہ ۹۳، جلد ۲)

مکن تشویش و باش اے دل غلام شاہ جیلانی
غلامش را بود در ہر دو عالم فر سلطانی (صفحہ ۱۳۳، جلد ۳)

ہے جو خواجہ کی زیارت کا تصور ، اے ظفر
آ بسی گویا مری اجمیر آنکھوں کے تلے (صفحہ ۱۳۶، جلد ۳)

پہنچو مدد کو میری ، کہتا ظفر ہے دل سے
یا بو علی قلندر ، یا بو علی قلندر (صفحہ ۴۷ ، جلد ۴)

طوطیِ ہندوستان امیر خسرو کی غلامی کا بھی دعویٰ ہے :

اے ظفر میں ہوں غلام طوطیِ ہندوستان
کب مقابل ہوویں میرے عندلیبانِ چمن (صفحہ ۱۵۴، جلد ۱)

اصحاب اربع کی خاک پا ہیں ، ان سے عداوت کرنے والوں سے نفرت کرتے ہیں :

ابو بکر و عمر ، عثمان و حیدر کا ہے کیا کہنا
ظفر ہم خاک پا ان چار یار مصطفائی کے ہیں (صفحہ ۹۶ ، جلد ۴)

چار یاروں سے نبی کے ہے عداوت جس کو
سر پہ ہم مارتے ہیں اس کے ظفر لاتیں چار (صفحہ ۴۷ ، جلد ۴)

حبِ آل رسول و حبِ اصحاب رسول موجب نجات ہے :

جو حبِ آل نبی اور صحابہ دل سے رکھے
ظفر آسے نہ ہو ڈر حشر کی تباہی کا (صفحہ ۲ ، جلد ۴)

دین کی صداوت پنج تن پاک اور چار یار کے قبضے میں ہے ۔ ایمان والے وہی ہیں جنھیں نہ صحابہ سے اور نہ شبیر سے عداوت ہے ۔ اصحاب اربع پر فدا ہونا اور پنج تن کی خاک پا بننا ان کا دین و ایمان ہے ۔

مان اے ظفر تو پنج تن و چار یار کو
ہیں صدر دین کی یہی محفل کے چار پانچ (صفحہ ۸۰ ، جلد ۱)

وہ مسلماں ہیں ظفر صاحب ایماں کہ جنھیں
نہ صحابہ سے ہو بغض اور نہ شبیر سے لاگ (صفحہ ۶۵ ، جلد ۴)

فدائے چار یار و خاک پائے پنج تن ہوں میں
ظفر میرا تو مذہب یہ ہے اور ایمان و دیں یہ ہے (صفحہ ۱۶۱، جلد ۴)

اور بارہ امام سے اسلام کا قیام ہے :

بارہ امام ہی سے ہے اسلام کو قیام
ہیں یہ ستون دیں کے ظفر تین چار پانچ (صفحہ ۳۱، جلد ۳)

حضرت علی سے خاص عقیدت رکھتے ہیں اور استمداد کرتے ہیں :

رہوے ظفر یہ تا کجا رنج و الم میں مبتلا
اس کی مدد شتاب ہو، وقت مدد ہے، یا علی (صفحہ ۳۳۷، جلد ۱)
زنجیر موج بحر حوادث میں ہوں پھنسا
اس سے نجات اب مجھے یا بوتراب دے (صفحہ ۳۵۳، جلد ۱)

لیکن شیعوں کو ناقابل اعتبار کہتے ہیں :

شیعیوں کی بات کا ہرگز نہ کیجے اعتبار
یہ ظفر نے سچ کہا، سچی ظفر کی بات ہے (صفحہ ۱۵۸، جلد ۴)

بعض واقعات عصری اور دیگر امور کی طرف ذیل میں اشارے آتے ہیں :

جعل سازی کا تماشا تم نے دیکھا اے ظفر
سب کے بستے چھن گئے اور سب کے دفتر پھٹ گئے (صفحہ ۳۲۶، جلد ۱)

یہ تو نہیں معلوم ہمیں کون آئے گا مہماں آج نیا
لیکن حویلی آن کی ظفر ہاں سنتے ہیں ہم جھڑتی ہے (صفحہ ۳۲۷، جلد ۱)

اعتبار صبر و طاقت خاک رکھوں اے ظفر
فوج ہندوستان نے کب ساتھ ٹیپو کا دیا (صفحہ ۵۵، جلد ۱)

جو آ گیا ہے اس محلِ تیرہ رنگ میں
قید حیات سے ہے وہ قید فرنگ میں (صفحہ ۳۸۷، جلد ۱)

لڑتی ہے بندوق سے جو اے ظفر فوج فرنگ
رکھتا ہے ہتھیار پاس اپنے تلنگا آگ کا (صفحہ ۱۲، جلد ۳)

ظفر ہو قدر سپاہی کی اس زمانے میں کیا
ہر ایک باندھتا نداف و نوربان ہے تیغ (صفحہ ۵۲، جلد ۳)

حلقہائے موے پیچاں سے بنا کر پھانسیاں
اس فرنگی زادہ نے کتنے ہی عاشق گل دیے (صفحہ ۴۰، جلد ۲)

زلف پر پیچ کے اس بت نے جو پھندے مارے
دے کے پھانسی کئی اللہ کے بندے مارے (صفحہ ۱۲۷، جلد ۲)
ابھی اخبار کا واں کے کوئی آیا نہیں پرچہ
کہ دل نے دی ہمارے یاں خبر پہلے سے پہلے ہے (صفحہ ۱۵۲، جلد ۲)
یوں تو آتے تھے ظفر روز وہاں کے اخبار
جان سن کر مری گھبرائی خبر اور ہی تھی (صفحہ ۱۵۶، جلد ۲)
مرے اشکوں کی ڈاک اے چشم‌تر پہیری آتی ہے
تسلی ہو نہ ہو دل کی ، خبر پہیری آتی ہے (صفحہ ۱۷۶، جلد ۲)
شمع ، راہ عشق میں کوئی پر پروانہ سے
راہ داری کا مقرر پاس پروانہ رہے (صفحہ ۱۸۶، جلد ۲)
دے کے جاں دل کو بچاؤ نہیں ہو جائے گا ضبط
اب تو دینا ظفر اس جنس کا محصول پڑا (صفحہ ۲۵، جلد ۲)
جمع سورج کنڈ پر ہندو ہوئے یا اے ظفر
خال پہ آس مہروش کے ہیں زنخداں پر کئی (صفحہ ۱۶۹، جلد ۲)
نہیں تار سرشک سرمہ آلود آس کی مژگاں میں
کمر باندھے یہ کالی پلٹن استادہ ہے میداں میں (صفحہ ۷۵، جلد ۲)

میں نے بہ خوف طوالت حضرت ظفر کے تمام خصائص پر روشنی نہیں ڈالی ہے ۔ آن کی ایجادوں کا ذکر نہیں کیا ہے جو نظم کے میدان میں آن کے زور طبیعت کی یادگار ہیں ۔ حضرت مولانا نے حسب دستور آن ایجادوں کا سہرا اپنے آستاد کے سر باندھ دیا ہے حالانکہ یہ باتیں ظفر کی خدا داد طبیعت کی مرہون منت ہیں ۔ صنعت ردالعجز علی‌الصدر ، یا صنعت عکس کی طرز کی ایک صنعت ہے جس میں پہلے مصرعے کی تقدیم و تاخیر سے دوسرا مصرع بنتا ہے ، مثلاً :

آیا سحاب ساقی ، تو لا شراب ساقی
تو لا شراب ساقی ، آیا سحاب ساقی (صفحہ ۱۷۱ ، جلد ۱)
(دیگر) یہی ایک غم ہے ، یہی اک الم ہے
یہی اک الم ہے ، یہی ایک غم ہے (صفحہ ۱۶۹ ، جلد ۱)

دونوں غزلیں اسی صنعت میں لکھی گئی ہیں[1] ۔ اسی طرح بعض مسلسل نظمیں ہیں :

تا در جاناں ہمیں اول تو جانا منع ہے
اور گئے تو حلقۂ در کا ہلانا منع ہے

انقلاب عالم پر میں آن کی ایک اور مسلسل غزل کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جو تغزل کے جذبات سے بالکل معرا ہے اور مجھ کو شبہ ہے کہ وہ کسی انگریزی نظم سے ماخوذ نہ ہو ۔ یہ نظم دیوان دوم میں ملتی ہے ۔ ردیف کی قید نے ایک قسم کی رکاوٹ اس میں پیدا کر دی ہے ۔ تاہم نظم بے مثال ہے :

جہاں ویرانہ ہے ، پہلے کبھی آباد گھر یاں تھے
شغال اب ہیں جہاں رہتے، کبھی بستے بشر یاں تھے

جہاں چٹیل ہے میداں اور سراسر ایک خارستاں
کبھی یاں قصر و ایواں تھے چمن تھے اورشجریاں تھے

جہاں پھرتے بگولے ہیں اڑاتے خاک صحرا میں
کبھی اڑتی تھی دولت ، رقص کرتے سیم بر یاں تھے

جہاں ہیں سنگ ریزے ، تھے یہاں یاقوت کے تودے
جہاں کنکر پڑے ہیں اب ، کبھی رلتے گہر یاں تھے

جہاں سنسان اب جنگل ہے اور ہے شہر خاموشاں
کبھی کیا کیا تھے ہنگامے یہاں اور شور شر یاں تھے

جہاں اب خاک پر ہیں نقش پائے آہوے صحرا
کبھی محو تماشا دیدۂ اہل نظر یاں تھے

---

۱ ۔ البتہ ممکن ہے کہ ظفر کو اس صنعت کا خیال ولی کی اس سات بیت کی غزل سے ہوا ہو جس کا ایک شعر یہ ہے :

زلف تری برہمن ، مکھ ہے ترا آفتاب
مکھ ہے ترا آفتاب ، زلف تری برہمن (’کلیات ولی‘ ، صفحہ ۱۹۶)

ظفر احوال عالم کا کبھی کچھ ہے ، کبھی کچھ ہے
کہ کیا کیا رنگ اب ہیں اور کیا کیا پیشتر یاں تھے
(صفحہ ۱۷۷ ، جلد ۲)

پنجابی زبان کے ساتھ ظفر کا انس ان کے کئی مثلثوں سے عیاں ہے جن میں پنجابی دوہروں کو اُردو مصرعوں کے ساتھ ترکیب دیا ہے ۔ بعض غزلوں میں بھی پنجابی زبان استعمال ہوئی ہے ۔

مولانا آزاد 'آب حیات' میں لکھتے ہیں : ''اتنا ہے کہ ہم 'چٹا' بغیر 'گورے' کے اور اسی طرح 'چنگا' بغیر 'بھلے' کے نہیں بولتے۔'' (صفحہ ۲۲)

'چنگا' اُردو میں پنجابی ہی سے آیا ہے لیکن حضرت ظفر نے تنہا 'چنگا' استعمال کیا ہے ، چنانچہ :

جو شخص ہوا مفتوں اس چشم مفتن کا
چنگا بھی ہے گر وہ تو بیمار سے بدتر ہے (صفحہ ۳۰۸ ، جلد ۱)

یہی نہیں بلکہ 'چنگے' بہ حالت جمع ردیف میں لاتے ہیں :

ہو جائیں مریض اور سب آزار کے چنگے
بیمار نہ ہوں نرگس بیمار کے چنگے (صفحہ ۱۶۱ ، جلد ۳)

کیا ایسی بے محاورہ زبان اُستاد ذوق استعمال کر سکتے ہیں ؟

قصہ مختصر ان چند امور سے ، جو میں نے شاعر کی خصوصیات[۱] کی نمائش کے واسطے کلیات ظفر سے لے کر قلم بند کیے ہیں ، ہر شخص اندازہ

۱ ۔ سید شان‌الحق حقی صاحب انتخاب ظفر کے مقدمے میں فرماتے ہیں :

''انداز بیان کی طرف نظر کیجیے تو اس میں بھی اس مماثلت کے باوجود ، جو سینتالیس برس کی ہم صحبتی و ہم مذاق کا تقاضا ہونی چاہیے ، بعض ایسے امتیازات موجود ہیں کہ ادا شناس نظروں سے نہیں چوک سکتے ۔ وسیع تر مفہوم میں ذوق و ظفر ایک ہی رنگ کے شاعر کہلائیں گے اور اس میں شک نہیں کہ ایسی صورت میں

(بقیہ حاشیہ ۱۵۸ پر)

کر سکتا ہے کہ یہاں ہم حضرت ظفر کے ساتھ دو چار ہیں ، نہ اُستاد ذوق کے ساتھ ۔

''شہر کے اندر کابلی دروازے کے پاس ہی اُستاد مرحوم رہتے تھے۔ باہر ایک باغ بادشاہی تیس ہزاری باغ مشہور تھا ۔ عمارات قدیم تعمیر تھیں ۔ زیب‌النسا بیگم خواہر عالم گیر کی قبر بھی وہیں تھی ۔'' (صفحہ ۵۳)

اور حاشیے میں تحریر ہے :

''اب تیس ہزاری باغ صاف ہوگیا ، وہاں ریل چلتی ہے ۔ زیب‌النسا کی قبر کا نام و نشان نہیں رہا ۔ میں نے خود پڑھا ہوا ہے ۔ 'فادخلی جنتی' عالم‌گیر کی کہی ہوئی تاریخ تعویذ پر کندہ تھی ۔''

شاہزادی زیب‌النسا بیگم اورنگ زیب عالم‌گیر بادشاہ (۱۰۶۸ھ تا ۱۱۱۸ھ) کی دختر بلند اختر تھیں نہ خواہر ۔ ان کی تاریخ وفات 'و ادخلی جنتی' ہونی چاہیے جس سے ۱۱۱۳ھ برآمد ہوتے ہیں اور یہی اُن کا سال وفات ہے ۔ 'فادخلی جنتی' سے ۱۱۸۸ھ نکلتے ہیں جو شاہ عالم ثانی کا ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۷)

انفرادی تفریق اور بھی زیادہ موہوم ہو جاتی ہے کہ شاعری عنواناً روایتی بلکہ روایات میں ڈوبی ہوئی ہو ، تاہم انفرادی امتیازات بالکل گم نہیں ہو سکتے ۔ یہ تو ظاہر ہے کہ فنی اعتبار سے ذوق کا کلام بہ حیثیت مجموعی ظفر کے کلام پر فائق ہے......لیکن ظفر کی شان امتیاز ان کی طبیعت کا وہ یاسیاتی رجحان ہے جس کا پرتو ان کی روش خیالی ہی پر نہیں بلکہ روش گفتار ، الفاظ اور لہجے پر بھی موجود ہے ۔ اس یاس کوشی اور بے خروشی کا جوڑ ذوق کے ہاں بالکل موجود نہیں اور یہ اس عہد میں صرف ظفر ہی سے مخصوص رہی ۔ جو قنوطیت ظفر کے کلام کی جان و جوہر نظر آتی ہے ، اسے ذوق کے عام رنگ سخن سے کوئی تعلق نہیں......نہ ایک کامیاب قصیدہ نگار شاعر سے اس لہجے کی توقع کی جا سکتی ہے ۔ جو اس قسم کی یاسیت کے لیے لازم ہے ۔'' (صفحہ ۷۵ ، ۷۴) مرتب

زمانہ ہے -

''تھا ذوق پہلے دلی میں پنجاب کا سا حسن
پر اب وہ پانی کہتے ہیں ملتان بہہ گیا''

اور حاشیہ :

''اب وہ پانی ملتان بہہ گیا ، یعنی اب نہ ہوگا ، وجہ اس کی یہ ہے کہ دریائے راوی جو لاہور کے نیچے بہتا ہے ، ملتان کی جانب سے چل کر پنجاب کے اور دریاؤں سے ملتا ہوا دریائے شور میں جا پڑتا ہے - پھر اسے ادھر آنے کا موقع نہیں -'' (صفحہ ٦١)

یہاں مولانا نے آلٹی گنگا بہا دی ہے - دریائے راوی ملتان کی طرف سے نہیں آتا بلکہ پنجاب کے اور دریاؤں کی طرح پنجاب کے شمالی پہاڑوں مقبوضہ ریاست چنبہ سے نکل کر شہر چنبہ کے نیچے سے مادھوپور (ضلع گورداس پور) کے قریب میدان میں داخل ہوتا ہے اور جنوب مغرب کی سمت لے کر لاہور کے قریب ہوتا ہوا مادھوپور سے ۴۰۰ میل کے فاصلے پر دریائے چناب کے ساتھ جا ملتا ہے - یہ دریا ملتان کے علاقے سے گزرتے ہوئے پنجند پر ، جو ریاست بہاول پور کی سرحد پر واقع ہے ، دریائے ستلج سے جا ملتے ہیں - یہاں سے پانچوں دریا مل کر بہتے ہیں اور پنجند کے نام سے مشہور ہیں - مٹھن کوٹ کے مقام پر دریائے سندھ میں شامل ہو کر دریائے شور میں جا گرتے ہیں -

''اڑتے پرزے ہیں جگر کے کبھی پڑھتا ہوں جو آہ
ہوتا حق میں ہے مرے مطلع آہی مقراض

اسے میں نے لکھ کر تامل کیا - فرمایا کیا سوچتے ہو ؟ میری ابتدا تھی ، کچھ نہ بولا - فرمایا ، آہی سبزواری بڑا شاعر ہوا ہے - پھر آپ ہی کہا ، کاٹ دو - شاید اور لوگ بھی نہ سمجھیں - ہم تو سبھی کے لیے کہتے ہیں -'' (صفحہ ۱۱۷)

آہی کو سبزواری لکھا دیکھ کر مجھ کو شبہ ہوا - میں نے اپنی معلومات پر بھروسہ نہ کرکے اپنے محترم ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایم - اے ، پی - ایچ - ڈی پروفیسر فارسی ، پنجاب یونیورسٹی کی خدمت میں آہی کی

نسبت پر روشنی ڈالنے کی درخواست کی ۔ اُن کا جواب ، جس کے لیے میں اُن کا بے حد ممنون ہوں ، یہ آیا کہ :

''آہی کو کسی نے سبزواری نہیں لکھا ۔ جو شاعر سبزواری ہے وہ شاہی ہے ۔ جو بایسنغر میرزا کا درباری شاعر ہے اور ۸۵۷ھ میں فوت ہوا ۔ آہی مولانا جامی کا معاصر ہے اور ۹۲۷ھ میں وفات پاتا ہے ۔ 'مجمع الفصحا' میں اس کو ترشیزی اور 'سفینۂ خوشگو' میں ہراتی لکھا ہے 'بہارستان جامی اور 'تحفۂ سامی' میں آہی مذکور نہیں ۔ بابر نے البتہ اپنی توزک میں مرقوم کیا ہے کہ ''ایک اور شاعر آہی تھا جو عمدہ غزلیں لکھتا تھا ، بعد میں ابن حسین میرزا کی خدمت میں رہنے لگا ۔ صاحب دیوان ہے ۔''

واضح رہے کہ 'مجمع الفصحا' ، 'سفینۂ خوشگو' اور 'توزک بابری' تینوں میں ایک ہی آہی مراد ہے ۔ اس کا دیوان ویانا کے کتب خانے میں موجود ہے اور فہرست مخطوطات میں درج ہے کہ آہی شاہ غریب میرزا کی ملازمت میں تھا، ۹۲۷ھ میں فوت ہوا ۔ اس کے دیوان کا پہلا شعر ہے:

اے صد خجالت از گل روی تو لالہ را
مانند غزال چشم تو چشم غزالہ را

فہرست مخطوطات اودھ مرتبہ اسپرنگر میں بھی دیوان آہی موجود ہے ۔ (صفحہ ۳۲۷)

فہرست نگار کے الفاظ حسب ذیل ہیں :

''وہ چغتائی قبائل میں اولوس قبیلے کا سردار تھا ۔ ابتدا میں اُس کا تخلص 'نرگسی' تھا ، بعد میں 'آہی' سے بدل ایا ۔ شاہزادہ غریب مرزا خلف سلطان حسین مرزا سے اُس کے گھرے تعلقات تھے ۔ اُس کا دیوان بھی شاہزادہ موصوف کے نام پر منسوب ہے ۔ سال وفات ۹۲۸ھ ۔'' ('خلاصۃ الاشعار' اور 'آتشکدہ')

'لطائف نامۂ فخری' میں مولانا نرگسی کے ذکر میں لکھا ہے کہ ہروی ہی پہلے مذکورہ بالا تخلص سے اشعار کہتا تھا ۔ پھر یہ تخلص

بدل کر آپی رکھ لیا ۔ دولت شاہ نے ہم‌عصر ہونے کے باوجود آپی کا ذکر نہیں کیا ۔

اس شعر کا کاٹا جاناکجا ، یہ تو آن انتخابی اشعار سے ہے جو خود مولانا محمد باقر مرحوم یا آن کے مطبع دہلی آردو اخبار پریس کے مہتمم نے بہت کوشش سے بہم پہنچا کر درج انتخاب کیے ہیں ، لیکن پہلا مصرع مختلف ہے :

نام فریاد سے ہوتے ہیں جگر کے ٹکڑے
ہوتا ہے حق میں مرے مطلع آہی مقراض
('گلشن بے خار' طبع ۱۲۵۹ھ، صفحہ ۱۲۳)

اس شعر کے مقابلے میں مولانا کا روایت کردہ شعر بہت بلند ہے ۔ ذوق کا اصل شعر وہی ہے جو 'گلشن بے خار' میں درج ہے ۔ مولانا کے شعر میں تبدیلی خود آن کی اپنی اصلاح کی بنا پر ہے ۔

''آستاد جب حضور کی غزل مشاعرے کے لیے کہتے تھے تو اپنی غزل اس طرح میں نہ کہتے تھے ، اور کبھی کہتے بھی پڑتی تو اپنی غزل کے ایسے شعر پڑھتے کہ حضور کی غزل پھیکی نہ پڑ جائے ۔'' (صفحہ ۱۲۵)

اللہ اللہ ! آستاد ذوق کو اپنے شاگرد ظفر کی خاطرداشت کس قدر منظور تھی کہ لحاظ کے مارے اپنی غزل کے بہتر اشعار مشاعروں میں پڑھنے سے احتراز کرتے تھے لیکن مولانا کے دعوے کے مطابق شاہی غزل بھی آستاد ہی کو تیار کرنی پڑتی تھی ۔ اس سے یہ منطقی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ذوق اچھے اچھے ابیات اپنے لیے محفوظ رکھتے اور خراب اور بھرتی کے اشعار حضور کی غزل کے واسطے چھوڑ دیتے ۔ جاے حیرت ہے کہ مولانا نے یہ راز از خود طشت از بام کر دیا ۔ طبیعتوں کا اختلاف ملاحظہ ہو کہ مصحفی، جیسا کہ 'آب حیات' میں مذکور ہے ، بہترین اشعار اپنے سالے کو لینے دیتے اور کوئی چرچا نہ کرتے ۔ ادھر ذوق ہیں کہ روکھے پھیکے اور بے لطف اشعار ظفر کے حوالے کرتے ہیں اور اس ذلیل قسم کے احسان کا ذکر اپنے شاگردوں سے

کرتے ہیں ۔ آن کو پروا نہیں کہ بادشاہ بدنام ہوتے ہیں ، وہی بادشاہ جس نے انھیں خاک سے پاک کیا ، ۵ سے ۱۰۰ تنکہ تنخواہ دی ، گاؤں جاگیر میں دیا ، انعام و اکرام سے مالامال کیا ، خلعت و خطاب سے سربلند کیا ، آستاد شاہی کا منصب بخشا ، ہم چشموں میں سرفراز کیا۔ ایسے بادشاہ والا جاہ کے ساتھ ذوق کا یہ رسوا کن سلوک کب لائق نفرت بلکہ موجب عبرت ہے ۔

عشق و مزدوری عشرت گہ خسرو ، کیا خوب
ہم کو تسلیم نکونامیِ فرہاد نہیں

''حکیم احسن اللہ خاں طبیب شاہی تھے ۔ وہی دیوان ظفر ترتیب دیتے تھے اور مرتب کرکے چھپوانے تھے ۔ مطبع سلطانی آنھی کے اہتمام میں تھا ۔'' (صفحہ ۱۳۷)

میرے پاس دیوان دوم ظفر مطبع سلطانی واقع قلعہ معلی کا چھپا ہؤا موجود ہے ۔ اس کا سال طباعت ۶۷-۱۲۶۶ھ مطابق سن ۱۳ جلوس موافق ۱۸۵۰ع ہے ۔ خاتمے میں نثار علی نثار کاتب دیوان هذا رقم طراز ہے کہ :

''جناب عضد الدولہ حکیم غلام نجف خان در تصحیح این دیوان کمر ہمت برمیان بستند و شہباز نظر را بر صید الفاظ برگماشتند...الخ''

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ دیوان حکیم غلام نجف خاں کی زیر ترتیب چھپا ہے اور وہی اس کی تصحیح کے ذمہ دار ہیں ۔ ظن غالب ہے کہ باقی دیوان بھی آنھی کے زیر اہتمام چھپے ہوں ۔

(میر) نثار علی نثار اگرچہ یہاں بہ حیثیت کاتب نظر آتا ہے لیکن اس کا مرتبہ ایسے پیشہوروں سے بہت بلند ہے ۔ سید احمد خاں بہادر نے ان کو طبقۂ شعرا میں شمار کیا ہے اور لکھتے ہیں :

''میر نثار علی نثار ابن مولوی عبداللہ ، یہ بڑے خاندانی اور آبا و اجداد ان کے ہمیشہ صاحب اعتبار رہے ۔ چنانچہ مولوی رحمت اللہ کہ ان کے جد اعلی تھے ، استاد تھے محمد شاہ بادشاہ کے اور آن کے پرنانا مولوی اشرف صاحب آستاد عالمگیر کے تھے ۔''

(صفحہ ۱۹۱ ، باب سوم ، طبع ۱۲۶۳ھ)

میرے مجموعۂ کتب میں ، جو اب پنجاب یونیورسٹی کی ملک ہے ، عدد ۵۰۱ شرح گلستان تالیف حضرت ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ بادشاہ موجود ہے ۔ یہ کتاب بھی قلعۂ معلی میں طبع ہوئی ہے اور تاریخ طباعت سنہ ۶ جلوس بہادر شاہی مطابق ۱۲۵۹ھ ہے ۔ اس کتاب پر مہتمم مطبع کا نام حکیم غلام نقشبند خاں بہادر درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں غلام نقشبند خاں مہتمم مطبع سلطانی تھے ۔

''جس شعر پر ص ہے اس میں شاہ نصیر مرحوم کی برکت اور پیرانہ سالی کا اشارہ ہے ۔'' (صفحہ ۱۳۹)

وہ شعر یہ ہے :

ہم تبرک ہیں بس اب کر لے زیارت مجنوں
سر پہ پھرتا ہے لیے آبلۂ پا ہم کو

ایسی چوٹوں سے تو ذوق کی معصومیت اور سعادت مندی کی داستان سے ، جس کو دیوان ذوق کے صفحات میں مولانا نے ایک سے زیادہ مرتبہ دہرایا ہے ، ہمارا ایمان اٹھ جاتا ہے اور بدگمانی کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ شاہ نصیر اور ذوق کے معرکے میں ذوق کی طرف سے زیادتی ہوئی تھی ۔ ہمارے اس احتمال کی تصدیق 'آثار الصنادید' کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے جو سید احمد خاں بہادر نے شاہ نصیر کے حالات میں تحریر کی ہے ۔ فرماتے ہیں :

''اکثر ریختہ گویان شاہجہان آباد نے کہ اپنے زعم میں کوس لمن الملک کو بلند آوازہ کرتے ہیں ، اوائل حال میں آنھی سے تلمذ کیا تھا ، گو بعد مدت مشق کمال کو پہنچا کر کبھی مباحثے اور کبھی طنز و تشنیع پر مستعد ہوئے ۔'' (صفحہ ۲۱۳ ، باب سوم)

روئے سخن صاف ذوق کی طرف معلوم ہوتا ہے ۔ شاہ نصیر سے معرکے کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ۔ طنز و تشنیع اوپر کے شعر سے عیاں ہے ۔ چوں کہ استاد شاہ ہیں ، اس لیے سید صاحب نے ذوق کی طرف اشارہ کر دیا اور بادشاہ کے لحاظ سے نام نہ لیا ۔ یہ حقیقت ہے کہ ذوق کو جو قدر و منزلت ملی ، وہ بادشاہ کے استاد ہونے کی وجہ سے ملی ہے ، نہ ان کے

کمال ذاتی کی بنا پر ۔ اب یہ فیصل شدہ امر ہے کہ میرزا غالب اور ذوق میں کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا ، تاہم ایک موقع پر میرزا کو کہنا پڑا :

استاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے

مولانا آزاد نے استاد کی چوٹوں کے اثر کو اپنی جادو بھری زبان میں قارئین کے دل سے مٹانے کی کوشش کی ہے ۔

''غزل مرقوم الذیل اور اس کے بعد کی غزل ابتدائی مشق کی تحریریں ہیں ۔ جب ان میں سے پہلی غزل لکھی اور دوستوں کو سنائی تو خاص و عام کے کانوں میں نئے وزن کی آواز گئی ۔ سب خوش ہوئے اور تعریفوں نے جوانی کا دل بڑھایا ۔ فرماتے تھے کہ ابتدائے عمر ، طبیعت کی امنگ ، دل باغ باغ تھا کہ آج ہم نے وہ غزل لکھی جو اب تک کسی نے نہ لکھی تھی ۔ اللہ تیرا شکر کہ تو نے یہ نعمت دی ۔'' (صفحہ ۱۵۳)

میں صرف اس غزل کا مطلع نقل کرتا ہوں :

تمنا نہیں ہے کہ امداد دل کو تپش کا صلہ ہو کہ مزد قلق ہو
یہی حق ہے قاتل اگر حق دلادے یہ بسمل ترے پاؤں پر جاں بحق ہو

اس وزن کے متعلق اگر کوئی ندرت ہے تو اسی قدر کہ بحر متقارب مثمن سالم کو مضاعف کر دیا ہے ، یا یوں کہو شانزدہ گانی کر دیا ہے ۔ لیکن ذوق کی اولیت اور ایجاد کا دعویٰ ہرگز صحیح نہیں ۔ متقارب شانزدہ گانی میں سب سے پہلے لکھنے والے میر سراج الدین اورنگ آبادی سراج تخلص ہیں ۔ میر صاحب نے 'نکات الشعرا' میں ان کے دو شعر نقل کیے ہیں :

یہ مخمور چشموں کی تبرید کرنے کو شبنم ہے سرد آب شوروں کے مانند
روپے کی نہالی ، سفیدی ہے نرگس کی ، زردی ہے زر کے کٹوروں کے مانند

وہ دل کے خزانے میں شاید لے جاوے گا جی کے جواہر کو عیاروں سے
کہ ہر دم خیال اسکا آنکھوں کے روزن سے آتا ہے چھپ چھپ کے چوروں کے مانند

عجز ، یعنی مصرع دوم کے آخری رکن میں 'تسبیغ' لایا گیا ہے ۔
(صفحہ ۹۶ 'نکات الشعرا'، طبع انجمن ، ۱۹۳۵ع)

(دیگر)
جو تیوری چڑھاوے تو جی کو لیجاوے وگر مسکراوے تو پھر کر جلاوے
نیا ان دنوں میں یہ دیکھا ہے ہم نے وہ ساحر کی افسوں گری کا تماشا

عارف الدین خاں عاجز (متوفی ۱۱۷۷ھ) کے دو شعر اسی بحر میں نقل ہیں :

سجن کا تبسم ، سجن کا تکلم ، سجن کی ادائیں ، سجن کی یہ قامت
ہے فردوس غنچہ ، ہے باغ فصاحت ، سراپا لطافت ، قیامت قیامت

تری کالی آنکھیں ، تری کالی زلفیں ، تری کالی پلکیں ، ترا خط مشکیں
سیہ مست آہو ، ہے ناگن کا جوڑا ، سیہ تاب نشتر ، ہے ریحان جنت
(صفحہ ۱۰۳ 'چمنستان شعرا' از شفیق اورنگ آبادی)

سید عبدالولی عزلت (متوفی ۱۱۸۹ھ) بھی اسی وزن میں کہتے ہیں :

مقرر کیا ہوں خدا دیوے تو جاکے نت گلشن کوے جاناں میں رہیے
وگرنہ بگولے سے ہو خاک بر سر طواف اپنا کیجے بیاباں میں رہیے
('گل عجائب' از اسد علی خاں تمنا ، طبع انجمن ترقی اردو ۱۹۳۶ع)

شاہ محمد تقی ہمدم خلف میرزا محمد کا یہ شعر اسی بحر میں ہے :

مرے گلبدن کو قبا چشم بلبل کی کیا خوب سجتی ہے بر میں گلابی
لگا توتی اس کو کلیجے کے قوروں کی ڈوری نگہ کی سلا کر پنھاتا
('گل عجائب' صفحہ ۱۲۱)

بارھویں صدی ہجری میں اس وزن کے اس قدر عام ہونے کے باوجود ذوق کا اپنے واسطے اس کی ایجاد کا دعویٰ اور آزاد کی تائید نہایت حیرت انگیز مگر افسوس ناک جسارت ہے ۔

''ساتھ ہی دوسری غزل اور بحر میں لکھی ۔ زمانے کے نام وروں کو پہلی تعریف اور شہرت بھی خوش نہ آئی تھی ، دوسری غزل پر ناخوشی پھوٹ بھی اور کہا کہ اس بحر میں پہلے کسی نے غزل نہیں لکھی ۔ یہ جائز نہیں ۔'' (صفحہ ۱۵۳)

اُس غزل کا ، جس پر ناراضی کی لہر دوڑ گئی ، یہ مطلع ہے :

جس ہاتھ میں خا | تم لعل کی ہے | ،گر اُس میں زلا | ف سر کش ہو
پھر زلف بنے | وہ دست موسہ | یٰ جس میں اخ | گر آتش ہو
اے قاتل حلا | ق بریدہ سے | اک شعلۂ دل | گر سر کش ہو
تو روشن حلا | قہ جیب کا میہ | ری مثل تنو | ر آتش ہو

یہ کیسے نام ور لوگ ہیں جنھیں صحیح اعتراض نہیں سوجھا کرتا ۔ غلط اعتراض کر بیٹھتے ہیں اور پھر منہ کی کھاتے ہیں ۔ یہ امر ہماری دلچسپی کا موجب ہوتا اگر مولانا ان بزرگوں کے اسما اور ان کے علمی پائے سے کسی قدر ہمیں معرف کرا دیتے ۔ میرے نزدیک اُستاد ذوق کا یہ دعویٰ کہ وہ اس وزن کے دریافت کرنے والے ہیں ، اُسی قدر غلط ہے جس قدر ان معترضین کا یہ اعتراض کہ اس بحر[1] میں پہلے کسی نے غزل نہیں لکھی ۔ آگرہ[2] دہلی سے پچاس ساٹھ کوس سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے ۔ اُستاد ذوق جو مدعی ہیں کہ اُنھوں نے ساڑھے سات سو دواوین شعرا پڑھے ہیں اور ان کا خلاصہ تیار کیا ہے ، کیا نظیر اکبر آبادی (متوفیٰ ۱۲۳۶ھ) سے ، جو ان کے معاصر اکبر بھی ہیں ، ناواقف محض رہے ہوں گے ؟ خصوصاً ان کے لمبے وزن والی نظموں سے ۔ ان کا 'بنجارہ نامہ' بے حد مشہور ہے، بچے بچے کی زبان پر ہے ۔ ذوق کی غزل اور 'بنجارہ نامہ' کا وزن ایک ہے ۔ 'بنجارہ نامہ' کا ایک بند یہاں نقل کرتا ہوں :

ٹک حرص و ہوا | کو چھوڑ میاں | مت دیس بدیس | پھرے مارا
قزاق اجل | کا لوٹے ہے | دن رات بجا | کر نقارا
کیا بھینسا بدھ | یا بیل شتر | کیا گون اور ہ | لا سر بھارا
کیا گیہوں چا | ول موٹھ مٹر | کیا آگ دھواں | اور انگارا
سب ٹھاٹ پڑا | رہ جاوے گا | جب لاد چلے | گا بنجارا

---

۱ ۔ عروضی نقطۂ نظر سے یہ بحر نہیں ہے ، وزن ہے ۔

۲ ۔ صحیح تلفظ 'اگرہ' بفتح الف ہے ،نہ بمد الف) جیسا کہ اکبر ، جہانگیر اور شاہجہان کے دور میں مستعمل تھا ۔ آگرہ بمد الف غلط العام اور جدید ہے ۔

نظیر کے ہاں متعدد غزلیں اسی وزن میں ملتی ہیں :

(۱) اب دیکھیں پھر | ہم اے ہمدم | کس روز منہ آس | کا دیکھیں گے
وہ زلف وہ تل | وہ خال وہ خد | وہ رنگ وہ نق | شا دیکھیں گے
مسرور بہت | دل ہووے گا | خوش جی بھی ہو | گا کیا کیا جب
وہ ناز وہ دھج | وہ آن وہ سج | وہ زیب وہ با | لا دیکھیں گے
(دیوان اول نظیر ، طبع انجمن ترقی اُردو ، صفحہ ۶۰)

(۲) ہے عزم یہ دل | میں ہم بھی آسے | اک روز نظر | بھر دیکھیں گے
گر کھولے گا | وہ تیر نگہ | چھد جائیں گے ہم | ہر دیکھیں گے
جو نقشا ہو | گا الفت کا | اور بات بھی کچھ | بن آوے گی
کیا بات ہے اے | دل پھر تو اسے | ہم جا کر اک | ٹر دیکھیں گے
(صفحہ ۵۳ ، دیوان اول نظیر)

(۳) ہر آن تمہا | رے چھپنے سے | ایسا ہی اگر | دکھ پائیں گے ہم
تو ہار کے اک | دن اس کی بھی | تدبیر کوئی | ٹھہرائیں گے ہم
(دیوان دوم نظیر اکبر آبادی ، صفحہ ۵۳)

(۴) الطاف بیاں | ہوں کب ہم سے | اے جان تمہا | ری صورت کے
ہیں لاکھوں اِہ | نی آنکھوں پر | احسان تمہا | ری صورت کے
منہ دیکھے کی | یہ بات نہیں | سچ پوچھو تو | اب دنیا میں
بیہوش کرے | ہیں پریوں کو | انسان تمہا | ری صورت کے

کلیات نظیر میں ان کے علاوہ متعدد نظمیں اسی وزن میں ملتی ہیں - نظیر سے اقدم مصنفین پنجاب ہیں - مثلاً شاہ مراد ، جو بارھویں صدی ھجری کے وسط سے تعلق رکھتے ہیں - ان کا ایک ریختہ ہے :

جس سرِ انا الـ | حق جان لیا | تس خون جگر | کا چھان لیا
سر کھو کر جیو | قربان کیا | وہ چڑھ سولی | منصور ہویا

غلام قادر شاہ بٹالوی متوفی ۱۱۷۶ھ کی نعتیہ نظم سے ایک شعر عرض ہے :

وہ نقطہ عد | م ازل کا ہے | وہ اول ہر | اول کا ہے
وہ مجمل ہر | مجمل کا ہے | سب دیکھو نو | ر محمد کا

میں نے یہاں میرزا سودا کے مرثیے کا جو اسی وزن میں ہے، بوجہ اختلاف خفیف ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن شاہ علی محمد گام دھنی متوفی ۹۷۳ھ کی نظم سے ایک بیت نقل ہے:

پگڑی باند | ھ قبا لٹکا | ؤں پھروں ہاتھ | س زرینہ سا | را
سہرا ہا | رحمیلاں پہ | روں دل بادل | بے ہوں اسوا | را

میں نے زیادہ مثالیں اس لیے دی ہیں کہ ناظرین پر اس وزن کا عام استعمال ہونا واضح ہو سکے۔

معترضین بجائے اس اعتراض کے کہ اس بحر میں پہلے کسی نے غزل نہیں لکھی، اگر یہ کہتے کہ اس غزل کے ہر مصرع کے ارکان میں کثیر اختلاف ہے، جو عروضی نقطۂ نظر سے ناجائز ہے، تو ذوق کے لیے اس کا جواب دینا دشوار ہو جاتا۔ وضاحت کی غرض سے مجھے کہنا پڑتا ہے کہ یہ ایک لمبا وزن ہے، جس میں سوا 'سبب' کام کرتے ہیں۔ ان میں 'سبب ثقیل' قلت سے اور 'سبب خفیف' کثرت سے آ رہا ہے۔ اس وزن کی تقطیع میں مجھے بڑے اوزان سے جو عموماً ہمارے ہاں رائج نہیں، کام لینا پڑا ہے تا کہ وزن 'شانزدہ گانی' کی بجائے 'مثمن' ہو جائے۔

اُستاد ذوق کی غزل میں ارکان ذیل کام کر رہے ہیں:

(۱) مستفـ | علاتن — جو فعلن مسکن اور غیر مسکن سے مرکب ہے۔
(۲) مفعو | لاتن — جو دو فعلن مسکن سے مل کر بنا ہے۔
(۳) متفا | عیلن — جو فعلن غیر مسکن اور مسکن سے مل کر بنتا ہے۔

ان ارکان میں اس قدر مناسبت ہے کہ ان کو آگے پیچھے یا ادھر اُدھر سرکا دینے سے مصرع کی موزونیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اُستاد ذوق کی غزل میں اکثر و بیشتر مستفعلاتن (فعلن فعلن) آیا ہے۔ اس کے بعد مفعولاتن (فعلن فعلن) اور اس کے بعد متفاعیلن (فعلن فعلن) جو نسبتاً بہت کم لایا گیا ہے۔ کبھی پورے مصرعے میں مستفعلاتن چار بار آ گیا، کبھی مفعولاتن آیا مگر ایسے مصرعے بہت ہیں جن میں دو یا تینوں رکن کارفرما ہیں۔ مصرعوں میں ان ارکان کی ترتیب یا مساوات کا کوئی التزام نہیں۔ میں ان تینوں رکنوں کی ترتیب دکھانے

لیے ذوق کی غزل کے اشعار کا علیحدہ جائزہ لیتا ہوں جس میں بجائے رکن کے اس رکن کا ہندسہ شمار درج کر دیا ہے۔ یعنی مستفعلن=۱ ، مفعولاتن=۲ ، متفاعیلن=۳۔ مجھے اشعار نقل کرنے کی ضرورت نہیں ، دیوان میں یہ غزل صفحات ۱۵۶-۱۵۷ پر ملتی ہے :

	مصرع اول	مصرع دوم
شعر اول :	۱، ۱، ۲، ۲،	۱، ۲، ۲، ۳،
،، دوم :	۲، ۳، ۱، ۲،	۲، ۱، ۱، ۲،
،، سوم :	۱، ۲، ۲، ۳،	۲، ۳، ۲، ۲،
،، چہارم :	۱، ۱، ۱، ۲،	۱، ۳، ۲، ۲،
،، پنجم :	۲، ۲، ۲، ۲،	۱، ۱، ۲، ۲،
،، ششم :	۱، ۱، ۲، ۲،	۱، ۳، ۱، ۳،
،، ہفتم :	۱، ۱، ۱، ۱،	۱، ۱، ۱، ۲،
،، ہشتم :	۲، ۲، ۱، ۲،	۲، ۳، ۱، ۲،
،، نہم :	۱، ۱، ۱، ۱،	۱، ۲، ۱، ۳،
،، دہم :	۲، ۳، ۱، ۱،	۱، ۱، ۱، ۳،
،، یازدہم :	۱، ۲، ۱، ۲،	۱، ۱، ۲، ۲،
،، دوازدہم :	۱، ۱، ۲، ۳،	۲، ۳، ۱، ۲،
،، سیزدہم :	۱، ۲، ۱، ۱،	۱، ۱، ۲، ۳،
،، چہاردہم :	۱، ۱، ۱، ۲،	۲، ۳، ۱، ۲،

گویا ان چودہ شعروں میں مستفعلن ۲۵ بار ، مفعولاتن ۲۳ بار اور متفاعیلن ۱۵ بار استعمال ہوئے ہیں۔ الغرض فارسی عروض کی رو سے شعر یا مصرع کے ارکان میں اس قسم کی بے ترتیبی ، قانون شکنی اور بے ضابطگی داخل ہے ، لیکن اساتذہ نے جو اس وزن میں اشعار لکھے ہیں ، اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اس وزن کو ہندی پنگل سے لیا ہے جس میں حرکات و سکنات کی ترتیب میں مساوات کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔

ہندی سے مسلمانوں نے کئی ایسے اوزان اختیار کر لیے ہیں جو ان کی طبیعت کے مناسب تھے ، مثلاً دوہرا جو قدما میں بلکہ متاخرین میں

بھی مقبول تھا ، متاخرین نے اس میں مثنویاں تک لکھی ہیں ۔ اسی طرح تیس مت والا وزن ہے جس کے ہر ہر مصرع میں ۳۰ حروف متحرک و غیر متحرک شمار میں آئیں ۔ مثال :

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریِ دل نے آخر کام تمام کیا

یہ وزن میر تقی میر ، ان کے معاصرین و متبعین میں بہت عام تھا ۔ میر صاحب تو خصوصیت کے ساتھ اس کے دلدادہ تھے ۔ اب وزن زیر بحث کی باری آتی ہے جو ۳۲ مت پر شامل ہے ۔ ہندی میں اس کی کئی تقسیمیں ہیں لیکن ہمارے وزن کے موافق دو ہیں ۔ پہلی لیلاوتی جس میں فی مصرع ۲۸ ماترا (حروف) ، آخر میں دو سبب خفیف ہوں ۔ پھر ۱۸ پر وقفہ ، ۱۴ پر تمام ۔ مثال :

سبھ سندر مو | رت شیا مر صو | رت اندر مۃ | مدر سکھ داتا
سر مور پکھو | نا کاتن کنہ | مدل بھال تلک | گن کھیاتا

ان میں پہلا مصرع ذوق کی غزل کے شعر پنجم کے مصرع اول اور دوسرا مصرع اسی غزل کے شعر سیزدہم کے مصرع اول کے مطابق ہیں ۔ غزل کے دونوں شعر بالترتیب یہاں مرقوم ہیں :

۲ ۲ ۲ ۲

تم وہ وہ زخ | م دل پر مہ | رے کرتے ہو | دکھلانے کو

۱ ۱ ۲ ۲

ہر برش تیـ | غ ناز سے اہ | نے دل میں کر | تے عش عش ہو

۱ ۲ ۱ ۱

بس چھوڑو دا | من قاتل کا | لو ہاتھ بہا | نے خوں سے اٹھا

۱ ۱ ۲ ۳

جب اپنا بہا | خوں پاؤں پہ آس | کے دل کیوں اس | کا مشوش ہو

دوسری پدماوتی ، ۲۹ ماترا ، آخر میں وتد مجموع ۔ ۱۰ پر پھر ۸ پر وقفہ ، ۱۴ پر تمام ۔ مثال :

۱ ۱ ۲ ۲

دیکھو اک با | ما چھب او برا | ما ۔ رسک رسیہ | لی مان بھری ،

۱ ۱ ۱ ۲

سندر ال بہ | لی ، تول نویہ | لی ، کاب لنا | ہے جان پری

ان دونوں وزنوں میں باعتبار 'وقفہ' و 'سبب خفیف' و'وتد مجموع' جزئی فرق نظر آتا ہے ورنہ دونوں ایک ہیں ۔ بہرحال اُستاد ذوق کے جدید وزن کی یہ اصل ہے ۔

''آغاز عمر : ابتدائے مشق ، کوئی تقویت دینے والا ساتھ نہیں ، گھبرا گئے ، مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب آن دنوں زندہ تھے ۔ ان سے جا کر حال بیان کیا ۔ انہوں نے فرمایا کہ معترض بے خبر ہیں ۔ فارسی میں مرزا بیدل نے اکثر غزلیں نئی بحروں میں لکھی ہیں اور خوش آہند بحر کا نکالنا حسن طبع ہے نہ کہ عیب ۔ اُستاد نے کلیات بیدل دیکھا تو بہت غزلیں نئی نئی بحروں میں نکلیں ۔ اُنہیں دیکھ کر دل قوی ہوا ۔'' (صفحہ ۱۵۴)

یہاں مولانا نے ان نو ایجاد بحروں کی تفصیل نہیں دی لیکن سخندان فارس میں ان کی مثالیں دی ہیں ۔ فرماتے ہیں :

''مرزا بیدل نے نکات بیدل میں اکثر غزلیں نئی بحروں میں لکھی ہیں ۔ حقیقت میں نہایت پسندیدہ ہیں اور دل کو خوش آواز معلوم ہوتی ہیں :

(۱) ہر طرۂ بہوا فشان ، ختنی ز مشک تر آفرین
نگہے بآئینہ باز کن ، گل عالم دگر آفرین

(۲) چہ بود سروکار غلط سبقان در علم و عمل بفسانہ زدن
بہ قبول دلائل بی خبری ہمہ تیر خطا بہ نشانہ زدن

(۳) بہ تماشائے این چمن ، در مژگان فراز کن
زخمستان عافیت قدحی گیر و ناز کن

(۴) شور جنون در قفسی با ہمہ بیگانہ بر آ
یک دو نفس نالہ شود از دل دیوانہ بر آ

(۵) اگر بہ گلشن ز ناز گردد قد بلند تو جلوہ فرما
ز پیکر سرو موج خجلت بروں تراود چومے زمینا"
(سخندان پارس ، صفحہ ۲۶۲ ، مفید عام ۱۹۰۷ع)

اس تازہ وزن کی 'ایجاد' شاہ عبدالعزیز کی وفات سے ایک دو سال پہلے کا واقعہ معلوم ہوتا ہے ۔ اس ذریعے سے اس زمانے کی تعیین کی جاسکتی ہے ۔ شاہ صاحب ممدوح الذکر ۱۲۳۹ھ میں وفات پاتے ہیں ۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ذوق نے یہ غزل ۱۲۳۷ھ میں یا اس سے کچھ قبل ، جب ان کی عمر بتیس تینتیس سال کی ہوگی ، لکھی ہوگی ۔ اب اس کے ساتھ 'آغاز عمر' اور 'ابتدائے مشق' وغیرہ الفاظ لانا ، اور کھپرانا بالکل غیر ضروری ہیں یا یہ ماننا پڑے گا کہ ذوق کو اپنی صحیح عمر کا اندازہ نہیں تھا ۔ ذوق کی روایت میں شاہ عبدالعزیز کا ذکر تیسری مرتبہ آیا ہے ۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ شعر و شاعری کے مسائل پر شاہ صاحب کو سند نہیں مانا جا سکتا ۔ نہ ان کے جواب سے ہماری تسلی ہوتی ہے ، کیوں کہ ان کا جواب صحت سے بہت دور ہے ۔ میرزا بیدل نے کوئی نئی بحر ایجاد نہیں کی ۔ یہ بحریں ان سے پہلے سے معلوم و موجود تھیں ۔ پہلی بحر کا نام بحر کامل مثمن سالم (متفاعلن ۴ بار) ہے ۔ 'معیارالاشعار' میں محقق طوسی اس بحر کے واسطے کہتے ہیں :

"ہم از تازیانست........اما بپارسی برین بحر بتکلف گفته اند[۱]"

تاہم محقق نے اس کے مسدس اور مربع کی مثالیں دی ہیں ۔

میر شمس الدین فقیر اس وزن میں شعر نگاری کا سہرا جامی کے سر باندھتے ہیں اور قدما خسرو کو اس خصوص میں منفرد جانتے ہیں :

"قدمای شعرای عجم درین بحر اصلا شعر نگفته اند مگر از قدما امیر خسرو دہلوی و از متاخرین اول مولوی جامی در بحر کامل شعر فارسی گفته و از آن باز این بحر در شعرای عجم شیوع یافته[۲]"

۱- 'معیارالاشعار' صفحہ ۴۳ مطبع علوی علی بخش خان ۱۲۶۴ھ ۔

۲- 'حدائق البلاغت' صفحہ ۱۳۲ نولکشور ۱۸۸۶ع و 'دبدبۂ احمدی' صفحہ ۱۱۲ ۔

لیکن خسرو کے ہم‌عصر امیر حسن سجزی بھی اس بحر کے سیاح ہیں :

مہ من چہ باشد اگر گہے سوی دوستان نظری کنی
بہ مراد ما نفسی زنی بہ نیاز ما نظری کنی
چو بہ پیش تیغ تو سر نہم غلطست گر بے کشتنم
ز خط سیہ سپہی کشی ز صف مژہ حشوی کنی[1]

شاہ صاحب کو، جو عربی کے جید فاضل ہیں، کیا معلوم نہ تھا کہ بحر کامل عربی میں قدیم سے ہے۔ اس کو فارسی میں منتقل کرنا اور جدید دریافت نہیں کہا جا سکتا۔

شعر ۲ : چہ بود سروکار غلط‌سبقان در علم و عمل بفسانہ زدن...الخ

اس کے وزن (متفاعلتن مثمن سالم) کے واسطے شمس الدین فقیر کہتے ہیں :

"و یکی از معاصران امیرخسرو دہلوی کہ عاشق صادق نام داشت رسالۂ در عروض و صنائع تالیف نمودہ و آن را 'جامع الصنایع' نام کردہ و در آنجا سہ بحر دیگر اختراع نمودہ باعتقاد خود دو رکن تازہ پیدا ساختہ واین سہ‌بحر از ترکیب آن بہم رسانیدہ، اول متفاعلتن دوم مفعولاتن۔ و چون غور کردہ شود متفاعلتن دو فعلن بکسرعین است و مفعولاتن دو فعلن بسکون عین و اول بحر متدارک مخبون است و دوم مقطوع[2]۔"

شعر ۳ : بہ تماشاے این چمن در مژگان قراز کن...الخ۔

یہ بحر خفیف مثمن مخبون ہے، جس کا وزن 'فعلاتن مفاعلن' فعلاتن مفاعلن' ہے۔ اس کی مثال میں محقق طوسی نے یہ شعر دیا ہے :

منم آن کس کہ تا بفرق ہمی سوزم از قدم
ز غم عشق آن صنم کہ نہ بینی چنو دگر

---

۱ - 'دیوان حسن سجزی' (شاد ایڈیشن) صفحہ ۳۵۷ -
۲ - 'حدائق البلاغت'، صفحہ ۱۵۰ -

'المعجم' میں اس کی مثال میں رودکی کا بیت ذیل نقل کیا ہے :

گر کند یارے مرا بغم عشق آں صنم
بتواند ز دود زین دل غمخواره زنگ غم

شعر ۴ : شور جنوں در قفسی باہمہ بیگانہ در آ ...الخ ۔

رجز مثمن مطوی ہے اور وزن مفتعلن چار بار ہے ۔ محقق طوسی کے ہاں اس کی مثال میں یہ شعر درج ہے :

تا سفری شد بت من جان و دلم شد سفری
روز و شب از فرقت او پیشۂ من نوحہ‌گری

محقق کہتے ہیں کہ حکیم سنائی نے اس وزن میں ایک قصیدہ بھی لکھا ہے ۔
شعر ۵ : اگر بہ گلشن ز ناز گردد قد بلند تو جلوہ فرما...الخ ۔

محقق طوسی 'معیارالاشعار' میں اس وزن کے متعلق لکھتے ہیں :

''بنادر در لغت پارسی رکنے ثمانی یافتہ می شود مولف از دو وتد و سببی بر وزن مفاعلاتن و شعری دیدہ ام از تکرار این رکن چہار بار کہ عین آن شعر یاد ندارم ، اما بربن منوال بودہ :

(بیت) اگر بدانی کہ بے تو چونم مرا دربن غم روا نداری''

'المعجم فی معایر اشعار العجم' میں اس کی مثال میں رودکی کا یہ شعر مربع تحریر کیا ہے :

گل بہاری بت تتاری نبیذ داری چرا نیاری
نبیذ روشن چو ابر بہمن بنزد گلشن چرا نیاری[۱]

عام روایت ، ایک ریختہ جو اس کے وزن مثمن میں ہے ، امیر خسرو کی طرف منسوب کرتی ہے ۔ چنانچہ ''ز حال مسکین مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں'' الخ ۔ لیکن میں اس اعتقاد میں شریک نہیں ۔ میرے نزدیک امیر کی طرف اس کا انتساب بہت کچھ مشتبہ ہے ۔ البتہ عصمت بخاری پہلے شخص ہیں جو اس وزن میں لکھتے ہیں :

۱ - المعجم (تالیف ۶۱۴ھ) گب اڈیشن ، صفحہ ۱۵۰۔

زہے دو چشمت بخون مردم کشادہ تیر و کشیدہ خنجر
رخ چو ماہت صباح دولت سیاہت خط شب معنبر

مولانا جامی ان کے مقلد ہیں :

زہے جائی تو قبلۂ جان حریم کوی تو کعبۂ دل
فان سجدنا الیک نسجد و ان سعینا الیک نسعٰی

قصہ مختصر ان پانچوں اوزان میں ایک وزن بھی ایسا نہیں جس کی دریافت یا ایجاد میرزا بیدل کی طرف منسوب کی جا سکے ۔

اُستاد ذوق کی داستان میں شاہ عبدالعزیز کے ذکر کا ایراد میرے خیال میں تفنناً و تبرکاً ہوا ۔

''کیا رجز کو کر مقطوع و مرفل تم نے یہ غزل لکھی ہے
ذوق اس کی بحر کو سن کر شادان روح خلیل و اخفش ہوا''[۱]
(صفحہ ۱۵۷)

رجز بفتحتین ہے ۔ شعر میں بسکون دوم آیا ہے ۔ اس مصرع میں بضرورت وزن 'یہ غزل' کو 'غزل یہ' پڑھنا ہوگا ۔

اُستاد ذوق کا یہ دعویٰ کہ اُنھوں نے بحر رجز میں زحافات قطع و ترفیل کے استعمال سے یہ وزن استخراج کیا ہے ، ہمارے لیے ایک معما ہے ۔

مولانا آزاد کو چاہیے تھا کہ وہ اس گتھی کو سلجھا دیتے کہ ہندی وزن ، جس میں بے ترتیبی ترتیب کا حکم رکھتی ہے ، ان زحافوں کے ذریعے سے کس طرح برآمد ہوا ؟ 'ترفیل' اور 'قطع' دونوں ایسے

---

۱ - مضمون لکھے جانے کے بعد حافظ ویران کا نسخہ جو دیکھا تو اُس میں یہ مقطع یوں نکلا :

اس بحر میں کیا برجستہ غزل اے ذوق یہ تم نے لکھی ہے
ہاں وزن کو جس کے سن کر شادان روح خلیل و اخفش ہو
(صفحہ ۸۳)

مجھ کو مطلق شبہ نہ ہوا کہ یہاں حضرت آزاد کا اصلاحی قلم کام کر رہا ہے ۔ (حاشیۂ مصنف)

زحاف ہیں جو 'عروض' و 'ضرب' یعنی 'اواخر مصاریع' میں لائے جاتے ہیں ۔ 'صدر' و 'ابتدا' اور 'حشو' میں ان کا عمل نہیں ہو سکتا ۔ خاص طور پر 'ترفیل' تو 'زحاف' نہیں ہے بلکہ ایک عارضہ ہے ، جو کسی ایک شعر پر وارد ہو سکتا ہے اور ایک پورا 'سبب خفیف' زائد از وزن بڑھا دیا جاتا ہے ۔ 'ترفیل' 'عروض' و 'ضرب' میں ایسے رکن میں جو 'وتد مجموع' پر ختم ہو ، استعمال ہوتا ہے ۔ قدر بلگرامی کہتے ہیں :

''ابوالحسن فاعلن اور متفاعلن اور اُس مستفعلن میں جو متفاعلن سے بنا ہو ، جائز سمجھتا ہے اور نصیرالدین طوسی فاعلن میں جائز نہیں سمجھتے بلکہ متفاعلن میں بھی وہ اُس وقت کہتے ہیں جب کہ بحر کامل مربع ہو ۔ فارسی میں یہ زحاف نادر الوقوع ہے اور اُردو میں کہیں نام و نشان نہیں ۔ غضب ہے یا نہیں کہ دو دو حرف اکٹھا بڑھا دیے جائیں اور وزن بےچارے سے کچھ مطلب نہ ہو[۱] ۔''

اس عبارت سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ 'ترفیل' اُردو میں نہیں آتی اور بحر رجز میں اس کا عمل نہیں ہو سکتا ، لیکن اُستاد ذوق ہیں کہ عروضی ضابطے کو پس پشت ڈال کر اس کو رجز میں داخل کر رہے ہیں ۔ رجز کا اصلی رکن 'مستفعلن' ہے جو ترفیل کے آنے سے 'مستفعلاتن' بن جائے گا ۔

ادھر قطع بھی ، جیسا کہ اشارہ کر چکا ہوں ، 'عروض' و 'ضرب' کے واسطے مخصوص ہے ۔ یعنی 'عروض' و 'ضرب' میں ایسا رکن جو 'وتد مجموع' پر ختم ہو ، اُس کے ساکن آخر کو گرا کر اُس کے قبل کے حرف متحرک کو ساکن کر دینا مثلاً 'مستفعلن' کے نون ساکن کو گرا کر ما قبل کے لام کو ساکن کیا تو 'مستفعل' بن گیا ، اُس کو 'مفعولن' سے بدل لیا ۔

آمدم بر سر مطلب : اس 'مستفعلاتن مرفل' اور 'مفعولن مقطوع' سے وزن زیر بحث کا برآمد ہونا عروضی نقطۂ نظر سے نا ممکن ہے ۔

۱ ۔ ''قواعد العروض'' صفحہ ۳۸ ، مطبع شام اودھ ۔

جو لوگ اس وزن کو فارسی اوزان سے نکالتے ہیں ، وہ بحر متدارک شانزدہ رکنی سے نکالتے ہیں ، یعنی متدارک کے رکن 'فاعلن' کو بذریعۂ خبن ، فعلن (بحرکت عین) بنا لیا اور حسب ضرورت 'فعلن مخبون' کے عین کو عمل تسکین سے مسکن کر لیا ، فعلن بن گیا ۔ ان اوزان سے ذوق کی غزل کے مطلع کی تقطیع یوں ہوگی :

۱	۱	۲	۲
جس ہا ، تھ میں خا فعلن ، فعلن	تم لعـ ، ل کی ہے فعلن ، فعلن	گر اس ، میں زل فعلن ، فعلن	ف مر ، کش ہو فعلن ، فعلن
۱	۲	۲	۳
پھر زل ، ف بنے فعلن ، فعلن	وہ دسـ ، ت مو فعلن ، فعلن	ـسلی جس ، میں اخ فعلن ، فعلن	گر آ ، تش ہو فعلن ، فعلن

وزن کا نام متدارک مخبون و مخبون مسکن شانزدہ‌گانی ہے ۔ میں نے اس شانزدہ گانی کی طوالت دیکھ کر اس وزن کو مثمن کر لیا ہے ، یعنی مستفعلتن مفعولاتن اور متفاعیلن سے تقطیع کی ہے ۔ ظاہر ہے کہ بڑا تھان بالشت کی بجائے گز کے ذریعے سے جلد ناپا جا سکتا ہے ۔

''حال مہر و وفا کہوں تو کہیں
نہیں شوق ان حکایتوں سے مجھے'' (صفحہ ۱۸۶)

'مہر و وفا' مرکب عطفی ہے ۔ مولانا آزاد نے اس پر ذیل کا حاشیہ اضافہ کیا ہے :

''مثنوی 'مہر و وفا' فارسی میں ایک عمدہ مثنوی ہے ۔ پہلے 'زلیخا' ، 'بوستان' ، 'سکندر نامہ' کی طرح تعلیم میں داخل تھی ، اب اس کا رواج نہیں رہا ۔ یہ اسی کی طرف اشارہ ہے ۔ کون سمجھتا ہے اب ان اشاروں کو ۔ خواجہ حافظ نے بھی کہا ہے :

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس'' (صفحہ ۱۸۷)

بد قسمتی سے مجھے اس حاشیے کے متعلق مولانا سے اختلاف ہے ؛

'مہر و وفا'[1] ایسی مشہور مثنوی نہیں جس قدر مولانا کا خیال ہے ۔ وہ اس کو داخل درس بتاتے ہیں ۔ ایک بات ہے کہ داخل درس مثنویوں کے مخطوطے بہ کثرت ملتے ہیں ۔ مولانا کی بیان کردہ مثنوی کسی کتب خانے میں موجود نہیں ۔ میں نے اپنے استقصا پر اعتماد نہ کر کے مخدوم گرامی جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایم ۔ اے ، پی ۔ ایچ ۔ ڈی پروفیسر پنجاب یونیورسٹی سے استفسار کیا ۔ جواب میں ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمایا کہ :

اس نام کی چار مثنویوں کا ذکر ملتا ہے :

(۱) 'مثنوی مہرو وفا'، از عارف لاہوری، بحوالہ تذکرۂ 'مخزن‌الغرائب' ۔

(۲) 'مثنوی مہرو وفا'، از محمود بیگ سالم، بحوالہ تذکرۂ 'مخزن‌الغرائب'

(۳) 'مثنوی مہرو وفا'، از مولانا محمد مومن بن میر عبداللہ مشکیں قلم متخلص بہ عرشی، متوفی ۱۰۹۱ ھ ۔ تصوف پر بحر ہزج میں لکھی گئی ہے اور شاہجہاں کے نام پر معنون ہے ۔ (فہرست کتب خانۂ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال) ۔

(۴) 'مہر و وفا' از رشیدی سمرقندی (معاصر ملک شاہ سلجوق) ۔ صرف 'آتشکدۂ آذر' میں بذیل رشیدی اس مثنوی کا نام ملتا ہے ۔ یہ نہیں بتایا کہ اس کا موضوع کیا ہے ۔ رشیدی کا ذکر اس تذکرے میں حسب ذیل ہے :

''از حالش چیزے معلوم نیست مگر بجملے کہ در معارضۂ عمعق ملاحظہ شد و صورت آن را نوشت کہ مدح سلطان ملک شاہ و قدر خان و ممدوح غزنوی و مسعود سعد سلمان است ، مثنوی مہر و وفا (کذا) با این قطعہ از منظومات [او] ست ۔ ولہ ایضاً :

تو وزیری و منت مدحت گوی   مدحت ے عطا روا بینی

تو وزارت بمن سپر و مرا   مدحتی‌گوی تا عطا بینی''

---

۱ ۔ مولانا نے خدا معلوم کس سند پر 'نگارستان فارس' میں اس کو ظہیر فاریابی کی تصنیف لکھ دیا ہے ۔ (صفحہ ٦٧) ۔ مرتب

پہلی تینوں مثنویاں ہندوستان کی پیداوار ہیں ۔ ان سے قطع نظر کرکے میں رشیدی کی مثنوی کو لیتا ہوں ؛ یہ مثنوی اس قدر گمنام ہے کہ 'آتشکدہ' کے سوائے کسی اور تذکرے میں اس کا ذکر نہیں آتا ؛ نہ یورپ کے مشہور کتب خانوں میں اس کا کوئی نسخہ موجود ہے ۔ ایک کتاب جس کے لیے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ داخل درس رہی ہے ، کیسے ممکن ہو سکتا ہے اس قدر نایاب و نا معلوم ہو جائے کہ آج اس کے کسی مخطوطے تک کا پتا نہ چل سکے ۔

ادھر حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ 'مہر و وفا' 'گلستان بوستان' کی طرح نہایت معروف ہے ، مگر یہ دعویٰ ہی دعویٰ ہے ۔

'مہر و وفا' ذوق کے ہاں بہ ظاہر کسی مثنوی کی طرف تلمیح نہیں اور خواجہ حافظ کے شعر میں تو مشکل سے قابل یقین ہے ۔ مشکل یہ ہے کہ اگر خواجہ کے مصرع دوم میں 'مہر و وفا' کو کوئی مثنوی مانا جاتا ہے تو پہلے مصرعے میں قصۂ سکندر و دارا کو مثنوی ماننا پڑے گا ۔ لیکن قصۂ سکندر و دارا کوئی مثنوی نہیں ۔ حافظ اپنے محبوب سے جو تاریخی واقعات و حکایات کا مشتاق معلوم ہوتا ہے ، کہتے ہیں کہ سکندر و دارا کے قصے ہم سے کیا پوچھتے ہو ، ہم تو تمھارے عاشق ہیں ، اس لیے ہم سے سوائے ہمارے عشق و محبت اور مہر و وفا کی حکایت کے کچھ نہ پوچھو ۔

''فرماتے تھے کہ جوانی کا عالم تھا اور طبیعت میں جوش ۔ وہی دن تھے کہ مدرسۂ غازی الدین خاں کے وسیع کوٹھے پر مشاعرے ہوتے تھے ۔ نواب امیر خاں سرکار انگریز سے عہد نامے کے لیے دہلی میں آئے ۔ شہر کے لوگ دیکھنے دوڑے کہ باہر پنڈارے کا لشکر پڑا ہے ۔ ہم بھی مدرسے میں گئے ۔ تمھارے والد وہیں تھے ، کوٹھے پر جا بیٹھے ۔ دور تک خیمے ہی خیمے نظر آتے تھے ۔ ہم نے حسب حال غزل کہی ؛ کئی دن کے بعد مشاعرہ ہوا ، لشکر کے لوگ مسجد مدرسہ میں نماز پڑھنے آیا کرتے تھے ۔ انھیں بھی مشاعرے کی خبر ہوئی کہ رات کو جلسہ ہے ، سب آئے ۔ دوستوں کی فرمایش سے ہم نے یہ غزل بھی پڑھی ۔ بے چارے برسوں

صحرا نوردی میں تھے اور اسلام کے نام سے ہر کام کرتے تھے ۔ اب خط صلح میں آ کر اسے چھوڑتا تھا ۔ سب دل شکستہ تھے ۔ اکثر اشعار غزل کے ان کی صورت حال دکھاتے تھے ۔ بڑی تعریفیں ہوئیں اور ص والے شعر پر تو اللہ اللہ خوب غلغلے اور ولولے ہوئے ، بات نہ سنائی دیتی تھی ۔

موے سر ماران سیہ کا ایک سراسر لشکر ہے
مانگ جو ہے اک مار سفید اس لشکر کا سر لشکر ہے

آبلہ ہائے سینہ جو خیمے سے دکھائی دیتے ہیں
مزرع دل پر میرے پڑا کیا غم کا آ کر لشکر ہے

ہووے دل مظلوم ہمارا کیوں نہ شہید دشت بلا
در پے اس کے شامیوں کا وہ زلف معنبر لشکر ہے

دبویں موذی زحمت کش کو کیوں کہ نہ ایذا جمع ضعیف
دشمن مار زخم رسیدہ مور کا اکثر لشکر ہے

کعبہ توبہ خدا ہی رکھے آج کہ جوش ابر نہیں
ایک اصحاب الفیل کا سایہ دوش ہوا پر لشکر ہے

میں وہ شاہ کشور غم ہوں یارو جس کے ساتھ سدا
فوجیں اشک کی موجیں ہیں اور بہتا سمندر لشکر ہے

گہ ہجوم یاس میں دل ہے ، گاہ ہجوم حسرت میں
ہے یہ مرد سپاہی پیشہ پھرتا لشکر لشکر ہے

خال چشم جاناں کا مژگاں سے تجمل دیکھو تو
آترا پشت پہ ماہی کے کیا لے کے سکندر لشکر ہے

ہووے امام برحق پیدا ذوق اگر تو دیکھ ابھی
ہوتا گرد اسلامیوں کا جوں مہجۂ گوہر لشکر ہے''

(صفحہ ۱۷۹)

نواب امیرالدولہ امیر خاں سرکار انگریزی کے ساتھ عہد نامہ کرنے کے واسطے دہلی نہیں گئے ۔ انھوں نے جو عہد نامہ کمپنی کے ساتھ کیا

ہے ، وہ ۹ نومبر ۱۸۱۷ع کو نرنجن لال وکیل نواب اور سر چارلس میٹکاف کے درمیان ہوا ہے اور ۱۶ دسمبر سن مذکور کو نواب نے منظور کیا ہے ۔ عہد نامے کے لیے نہ نواب دہلی گئے اور نہ ان کا لشکر گیا ۔ نواب نے بدرجۂ مجبوری اس عہد نامے پر دستخط کیے تھے ۔ اس غرض سے جنرل اختر لونی اور نواب کے درمیان موضع رسوان علاقۂ جے پور میں جو سانگانیر اور نیاہیڑے کے درمیان واقع ہے ، ملاقات ہوئی اور صلح کی بات چیت ہوئی ۔ نواب مصر تھے کہ جب تک کمپنی اپنے وعدوں کا ایفا نہ کرے گی ، میں صلح نہیں کروں گا ۔ آخر اختر لونی کی ترغیب سے تصفیۂ اقرارات کے واسطے نواب نے اپنا وکیل میٹکاف کے پاس دہلی بھیجا اور جیسا کہ کہا جا چکا ہے ، عہد نامے کی صورت پیدا ہو گئی ۔ ۱۸۱۷ع ، ۱۲۳۳ھ کے برابر ہے ۔ اُستاد ذوق کی عمر ، جو ۱۲۰۴ھ میں پیدا ہوتے ہیں ، اُس وقت ۲۹ سال کی ہوگی ۔

نواب امیرالدولہ بہادر ۱۲۴۲ھ میں (جو ۲۷-۱۸۲۶ع کے مطابق ہے) لارڈ امہرسٹ گورنر جنرل کی ملاقات کے واسطے دہلی جاتے ہیں ۔ یہ معلوم نہیں ان کے ساتھ کس قدر لشکر تھا ، لیکن جب ۱۸۳۲ع میں نواب موصوف لارڈ ولیم بینٹنگ گورنر جنرل ہندوستان کی ملاقات کے واسطے اجمیر جاتے ہیں ، اُس وقت ان کے ہمراہ دس ہزار فوج تھی ۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جب ۱۲۴۲ھ میں نواب دہلی گئے ہیں ، تقریباً اتنا ہی لشکر ان کے ساتھ ہوگا ۔ اس سے لشکر کا موجود ہونا تو صاف ہے مگر یہ بیان کہ نواب عہد نامے کے واسطے آئے تھے ، صحیح نہیں ، کیوں کہ یہ عہد نامہ اُس عہد سے تقریباً آٹھ نو سال قبل مرتب ہوچکا ہے ۔ اس لیے اگر نواب کا لشکر اس عہد نامے سے اپنی دل شکستگی تصور کر رہا تھا تو اس وقت تک اس کی کدورت زائل ہو جانی چاہیے ۔

رہی غزل جس کے لیے دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس کے اکثر اشعار ان صحرا نوردوں کے مناسب حال تھے ، ہم حیران ہیں کہ نواب کے سپاہیوں نے اس کا سننا کیوں کر گوارا کیا ۔ وہ تو صاف صاف ان کی ہجو ملیح ہے ۔ اکثر شعروں میں تعریض و تشنیع ہے ۔ کیا امیرخانی لشکر میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو اس غزل کی تہہ تک پہنچتا ۔

مطلعے ہی کو لیجیے ، ماران سیاہ کا لشکر جمع ہے جس کا سردار ایک سفید سانپ ہے ۔ نواب امیرالدولہ کی فوج میں کالی وردی کا زیادہ رواج تھا بلکہ ٹونک میں ایک مشہور محلے کا نام کالی پلٹن ہے ۔ اور مار سفید میں نواب کے سفید لباس کی طرف اشارہ ہے ۔ سینے کے آبلوں کے ڈیرے میں غم کے لشکر کا پڑاؤ ہے ۔ دل شہید دشت کربلا ہے اور زلف عنبریں شامیوں کا لشکر ہے ۔ جماعت ضعیف موذی زحمت کش کو ایذا دے رہی ہے ، گویا مار زخم رسیدہ پر چیونٹیوں کا دل پل رہا ہے ۔ کعبے کا بھا محال ہے کیوں کہ ابر کا سایہ اصحاب الفیل کا لشکر بن رہا ہے ۔ یہاں سوال ہو سکتا ہے کہ یہ ماران سیاہ ، مار سفید اور مار زخم رسیدہ اس غزل میں کیا کر رہے ہیں ۔ شامیوں کے لشکر اور اصحاب الفیل کا ذکر کیوں لایا گیا ؟ میں کہتا ہوں کہ اس غزل میں نواب امیرالدولہ کے پٹھانوں کے واسطے غلط فہمی کا کافی سامان موجود ہے ۔ اگر واقعات اسی طرح عمل میں آئے ، جیسا کہ مولانا نے بیان فرمائے ہیں ، تو استاد ذوق کے لیے ایسی ذلت آمیز رسوائی سے دو چار ہونا بہت کچھ قرین قیاس ہے جو مرزا سودا نے ایک پٹھان کے ہاتھ سے اپنی نظم کا جواب نثر میں سن کر اٹھائی تھی ۔

اس غزل کا مقطع بھی قابل غور ہے جس میں امام برحق کی طرف اشارہ ہے ۔ یہ اشارہ ہے سید احمد صاحب شہید کی امامت کے اعلان کی طرف جو اسی سال (سرحد پر اکوڑہ کی جنگ کے بعد جو سکھوں اور مجاہدین کے درمیان ہوئی تھی) ۱۲ جمادی الثانی ۱۲۴۲ھ کو سیاسی ضرورت کی بنا پر مجاہدین کے ایک جلسۂ عام میں کیا گیا تھا اور سید صاحب کو امام تسلیم کیا گیا تھا ۔ نواب کے لشکر میں سید صاحب کے سینکڑوں نہیں ہزاروں مرید تھے ۔ استاد ذوق کو ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا اور اپنے استاد شاہ نصیر کے ساتھ مل کر پڑھتے[1] :

---

۱ - ''مولوی اسماعیل صاحب نے جب جہاد میں شکست کھائی اور دلی میں خبر آئی تو انھوں [شاہ نصیر] نے اس موقع پر ایک طولانی قصیدہ کہا :

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۳ پر)

نصیرالدین بے چارہ تو رستہ طوس کا لیتا
نہ ہوتے شحنۂ دہلی اگر یاں میرزا خانی

حضرت مولانا ، امیر خان کو پنڈارہ بھی کہہ رہے ہیں ۔ ساتھ ہی ان کے سپاہیوں کے ساتھ ہمدردی اور عنایت کی بھی نمائش کر رہے ہیں کہ بیچارے مدتوں دشت پیمائی میں رہے اور ہر کام اسلام کے نام پر کرتے رہے (آخری فقرہ قابل غور ہے) ۔ یہ اسی قسم کی عنایت اور خوش خلقی ہے جو مولانا نے 'آب حیات' کے صفحات میں میرزا جانجاں مظہر کے ساتھ جتائی ہے ۔

''(۱) سمند وحشت اپنا شاخ گل کے تازیانے سے
جنوں کی شاہراہوں میں سدا شہ گام چلتا ہے''

اور حاشیہ : (۱) ''پہلے فرمایا تھا ۔ 'سمند وحشت اپنا چوب گل کے تازیانہ سے' پھر فرمایا ہر شخص نہ سمجھے گا ۔ عام لوگوں کو کیا خبر ہے کہ ایران میں جسے موسم بہار میں جنوں ہو جاتا ہے ، اس پر یہ ٹوٹکا کرتے ہیں تو اچھا ہو جاتا ہے اور اسے چوب گل زدن کہتے ہیں ۔''

لیکن یہ کوئی ایسا نا معلوم محاورہ نہیں ہے ۔ فرہنگوں میں مل جاتا ہے ، چنانچہ :

''چوب گل ، شاخ گل ، گویند سودا را نافع بود''

غنیمت : جنونم کردہ گل از گردش چشم دلارامی
ز چوب گل نمی آید علاجم چوب بادامی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۲ سے)

کلام اللہ کی صورت ہوا دل ان کا سی پارہ
نہ یاد آئی حدیث ان کو نہ کوئی نص قرآنی
ہرن کی طرح میدان وغا میں چوکڑی بھولے
اگرچہ تھے دم شملہ سے وہ شیر نیستانی

مولوی صاحب کے طرف‌دار مجاہدوں کا دلی میں لشکر تھا ۔ بہت سے بہادروں نے آ کر شاہ صاحب کا گھر گھیر لیا ۔ مرزا خانی کوتوال شہر تھے ۔ وہ سنتے ہی دوڑے اور آ کر ہٹایا ۔'' (آب حیات ، صفحہ ۳۱۲)

صائب : نہ امروز است سودائے جنون را ریشہ در جانم
چوب گل ادب کردے معلم در دبستانم

سلیم : آنکہ بر من گل نمی زد پیش ازین از دوستی
می زند اکنون بچوب گل من دیوانہ را" (بہار عجم)

اردو میں بھی مشہور ہے :

سودا : عہد میں تجھ حسن کے ماریں ہیں آن کو چوب گل
پھولوں کی جن پر کبھو چھوٹی نہ چھڑیاں دیکھیاں

دیگر : دوانا ان لٹوں کا ہوں ، قسم ہے روح مجنوں کی
نہ مارو چوب گل مجھ کو بغیر از بید کی چھڑیاں

میر : جنوں میرے کی باتیں دشت اور گلشن میں جب چلیاں
نہ چوب گل نے دم مارا ، نہ چھڑیاں بید کی ہلیاں

بہر حال یہ کوئی نادر محاورہ نہیں ہے ۔ ادنیٰ تلاش سے اور مثالیں مل سکتی ہیں ، اور پھول کی چھڑی یا پھول کی چھڑی چھوانا بے حد معروف ہے ۔

"خط بھی لکھتے ہیں تو لیتے ہیں خطائی کاغذ(۱)
دیکھیے کب تک انھیں میری خطا یاد رہے

اور حاشیہ : (۱) "اس وقت خطائی کاغذ بھی عمدہ کاغذوں میں تھا ۔ غنیمت ہے اب کشمیری تو باقی ہے ۔ ۷۰ ، ۸۰ برس کی عمر میں دنیا کی حالت ایسی بدل گئی ہے ...... ۔" (صفحہ ۲۲۷)

ذوق نے خطا کی رعایت سے خطائی کاغذ باندھ دیا ۔ اس سے یہ سمجھنا کہ ستر اسی سال پہلے ہندوستان میں خطائی کاغذ کا رواج تھا ، شدید قسم کی غلط فہمی ہے ۔ خطا سے مراد چین ہے اور خطائی کاغذ چینی کاغذ ہے ۔ چوں کہ چین و ہندوستان میں تجارتی تعلقات قائم نہ تھے اس واسطے اس کی درآمد ہندوستان میں نہیں ہوئی ۔ تیموریوں کے دور میں یہ کاغذ توران و ایران میں بے حد مقبول ہے اور اسی عہد کے فارسی ادبیات میں اس کا مذکور آتا ہے ۔ مولانا سلطان علی مشہدی جو

سلطان حسین بایقرا کے عہد کے مشہور خطاط ہیں ، اپنے رسالۂ 'آداب الخط' تالیف ۹۲۰ھ میں لکھتے ہیں - مصرع :

کاغذے بہتر از خطائی نیست

دسویں گیارھویں صدی ہجری میں چین کے دارالسلطنت خان بالغ (پیکن) کے نام پر اس کاغذ کو خان بالغ کہنے لگے۔ ذوق کی واقفیت خطائی کاغذ سے فارسی ادبیات سے آشنائی کی بنا پر ہے جس میں کم و بیش اس کا چرچا آتا رہا ہے - باقی حضرت مولانا کی حاشیہ آرائی ہے -

''۱۸۳۹ع میں بادشاہ کا ایک بیٹا مرزا بلاق نام ۱۱ ، ۱۲ برس کی عمر میں مر گیا - حسین بھی تھا اور بادشاہ کو بھی اس سے بہت محبت تھی - رنج ہوا اور ایسا ہوا کہ کئی ہفتے تک شعروں میں ٹپکتا رہا - انھی دنوں میں استاد مرحوم ایک دن قلعے سے پھرتے ہوئے والد مرحوم کے پاس آئے - مجھے یاد ہے ، اول بادشاہ کے ملال طبع کا حال بیان کیا ، پھر ایک مطلع سنایا کہ اسی وقت غزل درست کرکے آئے تھے :

گل کچھ تو اس چمن کی ہوا کھا کے جھڑ پڑے
وہ کیا کریں کہ غنچے ہی کملا کے جھڑ پڑے

پھر کہا ردیف مناسب مقام نہیں اور ذرا سوچ کر آپ مطلع پڑھا اور خود کتاب یادداشت میں لکھ دیا -

گل بھلا کچھ تو بہاریں اے صبا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے'' (صفحہ ۲۵۵)

'جھڑ پڑے' ردیف والی غزل دیوان اول ظفر میں ملتی ہے - اس میں کلہم پانچ شعر ہیں - آزاد نے یہ واقعہ استاد کی طبیعت کی صفائی اور ذہن کی براق کے ثبوت میں شاید نقل کیا ہے لیکن اس کا ایک پہلو اور بھی ہے ؛ ظفر کے شعر میں ردیف بیشک نامناسب تھی لیکن جب اچھی ردیف استاد کے ہاتھ لگ گئی تو کیا ظفر کو بخش دی ؟ نہیں ، بلکہ آس کو اپنی کتاب یادداشت میں لکھ لیا اور آس پر اپنا قبضہ جما لیا - میٹھا میٹھا ہپ ہپ ، کڑوا کڑوا تھو تھو - اس سے ہمارے آس شبہ کی تائید ہوتی ہے جس

کا گزشتہ صفحات میں اظہار بھی ہوا ہے کہ ظفر کی خدمت میں ذوق بہ حیثیت ایک وفادار ملازم کے ناکامیاب ثابت ہوئے - دام چوکھے لیتے رہے مگر کھری مزدوری کبھی نہیں کی - سخن کے جواہرات اپنے لیے رولتے رہے اور کنکر ظفر کی جھولی میں ڈالتے رہے -

''پھر فرمایا حضور کا ایک قطعہ بھی ابھی درست کرکے آیا ہوں -'' قطعے کا آخری شعر یہ ہے :

اب حال یہ ہے عالم پیری میں اے ظفر
باقی نہیں حواس بھی گفت و شنود کے

''کئی دن کے بعد جو پھر آئے ، فرمایا ، قلعے سے آتا ہوں - مرزا شاہرخ(۱) آج کہنے لگے بھئی اُستاد میں نے مولوی صاحب کو حضور کا وہ قطعہ سنایا تھا ، انھوں نے کہا - شنود نہیں شنید چاہیے - اُسی وقت مجھے شعر یاد آیا - میں نے کہا ، مولوی صاحب سے تعجب ہے کہ ایسا کہا ہو -

گر عشق نبودے و غم عشق نبودے
چندیں سخن نغز کہ گفتے و شنودے'' (صفحہ ۲۵۰)

حاشیہ (۱) : ''مرزا شاہرخ بادشاہ کے ایک بیٹے ولی عہد وقت سے چھوٹے تھے - وہ مولوی امام بخش مقتول کے شاگرد تھے - اُن سے فارسی پڑھا کرتے تھے -''

گویا مطلب یہ نکلا کہ 'شنود' غلط اور 'شنید' صحیح ہے - 'شنیدن' اور 'شنودن' میں کوئی فرق نہیں - دونوں استعمال ہوتے ہیں -

صلائی : با آنکہ صلائی صفت از گنج معانی
ره توشہ ده قافلۂ گفت و شنودیم

جامی : زیر لب وے سخنی گفت بمن از ہس عمرے
بخت بدبیں کہ ز بس بیخودی آنہم نشنودیم

ایضاً : گفتی بگوے قصۂ جامی چہ حاجت است
روزی اگر فسانۂ مجنوں شنودۂ

عراق : دوش رفتم بخرابات مرا راہ نبود
میزدم نالہ و فریاد کس از من نشنود

مولانا امام بخش شہید دہلی کے مشاہیر اساتذہ سے ہیں - غالب کے بعد آن کی فارسی دانی مسلم ہے - سید احمد خان بہادر 'آثارالصنادید' میں لکھتے ہیں :

''فنون متعارفۂ سخنوری مثل تحقیق لغت و اصطلاحات زبان دری اور تدقیق مقامات کتابی اور تکمیل عروض و قافیہ و استکمال فن معما وغیرہ میں ایسا کمال بہم پہنچایا کہ ہر فن میں یک فنی کہنا چاہیے -'' (صفحہ ۱۷۷ ، باب چہارم)

صہبائی ادیب و شاعر ہونے کے علاوہ صاحب تصنیفات کثیرہ ہیں - دہلی کالج میں صدر مدرس فارسی تھے - طلبہ میں بے حد مقبول تھے - ان کے شاگردوں کی فہرست لمبی ہے - اکثر ایسے ہیں جنھوں نے فضیلت علمی کے ساتھ ساتھ اچھے عہدے بھی حاصل کیے - صہبائی کا 'قول فیصل' (تالیف ۱۲۶۷ھ) آن کے شاگرد پنڈت دھرم ناراین میر منشی اجنٹی مالوہ ۱۲۷۸ھ میں مطبع نظامی کانپور سے شائع کرتے ہیں - آن کا کلیات ایک اور شاگرد منشی دین دیال میر منشی اجنٹی بھوپال ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ع میں مطبع نظامی سے تین ضخیم جلدوں میں چھپواتے ہیں - مولانا آزاد کیا صہبائی اور آن کی فضیلت علمی سے واقف نہ ہوں گے ؟

صہبائی کے خلاف 'شنود' سے ناواقفیت کا الزام لگایا جاتا ہے - میں اس بدگانی میں شریک نہیں ہو سکتا - میرے پاس 'قول فیصل' موجود ہے - اسی تالیف سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کلام شعرائے فارسی کا جس قدر گہرا مطالعہ آن کو حاصل ہے ، آن کے ہم عصروں میں سے کسی کو نصیب نہیں - 'شنودن' سے ناواقفیت کیسی ؟ وہ تو اور آلٹے اس کی بحث اپنی اسی تالیف میں چھیڑتے ہیں - چنانچہ خان آرزو کی کسی دلیل کے جواب میں لکھتے ہیں :

''و امثلۂ فتحۂ واو کہ بقام دادہ اند محل نظرند چہ شنودن مصدر جعلی از شنفتن ست و چون ضابطہ ایشان [فارسیان] ست کہ فائے

مصدر را گاہے بواو بدل کنند چون از 'رفتن' 'رود' و از 'گفتن' 'گوید' و از 'شنفتن' 'شنود' ساختہ اند و شنویدن از شنو حاصل کردہ چون 'جہیدن' از 'جہ' 'سوزیدن' از 'سوز' و 'روئیدن' از 'روی' و نظائر آن - پس تخفیف بدو وجہ بکار بردند ؛ یکی اسقاط 'واو' دوم حذف 'یا' - پس از اول 'شنودن' و از ثانی 'شنیدن' بہم رسید و 'درودن' از 'درویدن' ست، چنانکہ 'درویدن' نیز بدون 'واو' مخفف آنست مثل 'شنودن' و 'شنیدن' - پس مصدر اصلی ہر دو دیگر بود نہ خود ایشان'' - (قول فیصل، صفحہ ۱۰)

کیا صہبائی کو علم تھا کہ اُن پر ایسا غلط الزام لگایا جائے گا کہ بطور دفع دخل مقدر 'شنودن' پر اُنھوں نے یہ کچھ حاشیہ دیا - مولانا آزاد صہبائی سے، جو اُن کے اُستاد بھی ہوں گے، کسی وجہ سے خفا ہیں، اسی لیے یہ غلط انداز تیر اُن کی کمان سے نکلا ورنہ اُس عہد کے فارسی نگار مثلاً میرزا غالب شنودن کثرت سے لاتے ہیں - ملاحظہ ہو 'پنج آہنگ' کا اقتباس جو گزشتہ سطور میں سرور کے تذکرے کے سلسلے میں درج ہے -

(۲) دیوان ذوق پر آزاد کی اصلاحیں

ہماری ادبیات میں قدیم سے ایک دستور چلا آ رہا ہے کہ جس قدر کوئی تصنیف یا کتاب زیادہ پڑھی گئی، اُسی قدر اُس کا متن ترمیم و تنسیخ کا زیادہ شکار بنا - اس دست اندازی سے شیخ سعدی اور خواجہ حافظ تک محفوظ نہ رہ سکے، اوروں کا تو کیا ذکر ہے - جہانگیر بادشاہ کے حکم سے یاقوت المستعصمی کے قلم کی نوشتہ 'گلستان' سعدی کی، جس کا منقول عنہ خود حضرت مصنف کے ہاتھ کا نسخہ تھا، جلال بن جلال الشاہی رضوی نے ایک نقل تیار کی - یہ نقل میرے کتب خانے میں جو اب پنجاب یونیورسٹی کی ملک ہے، محفوظ ہے - اس نسخے کا ابتدائی فقرہ ہے: 'منت خدای را عزوجل' - ہندوستان میں 'گلستان' کے جو مطبوعہ نسخے رائج ہیں، اُن میں 'منت' کے بعد 'مر' جو بغرض تحسین کلام لایا جاتا ہے، اضافہ کر دیا گیا ہے - 'گلستان' کا ایک مشہور شعر ہے:

کریمان را بدست اندر درم نیست
خداوندان نعمت را کرم نیست

مذکورۂ بالا جہانگیری نسخے میں مصرع دوم یوں ہے :

درم داران مدبر را کرم نیست

مخزن اسرار نظامی کا ابتدائی بیت عموماً اس طرح پڑھا جاتا ہے :

ہست کلید در گنج حکیم   بسم اللہ الرحمن الرحیم

مگر 'مخزن' کے ایک نہایت قدیم مخطوطے میں ، جو میرا مملوکہ تھا اور ساتویں صدی ہجری کے آغاز کا نوشتہ معلوم ہوتاہے ، پہلا مصرع یوں ہے :

ہست کلید در گنج اے حکیم

عراق کی ایک غزل میں ، جس کو متاخرین نے نظامی کی طرف منسوب کرکے قطعہ کہنا شروع کر دیا ہے ، بے پروا ناقلین کے ہاتھوں سے بے حد ترمیم ہو چکی ہے ۔ میں نے عراقی کی اصل غزل آن کے ایک قدیم مخطوطے نوشتۂ وسط قرن ہشتم سے اور آس کا متبادل متن ، جیسا کہ 'آتشکدۂ آذر' اور 'شعرالعجم' میں منقول ہے ، 'تنقید شعرالعجم' میں درج کر دیا ہے[۱]۔

اصلاحوں کی تقسیم ، ارادی اور غیر ارادی میں ہو سکتی ہے ؛ غیر ارادی کی کئی صورتیں ہیں ؛ مثلاً غلط نویس کاتبوں کی کتابت کی بنا پر ایک مشکوک عبارت کی درستی کی کوشش ۔ اکثر اوقات آستاد اور معلم ایسی اصلاحوں کے ذمہ دار ہیں ۔ ہمیں ایک آستاد کا قصہ معلوم ہے جنھوں نے انوری کے ایک شعر میں جس کے قافیے میں 'یک رزمہ ثیا' کی بجائے نولکشوری نسخے کے کاتب نے 'یک رزمہ ثیاب' لکھ دیا تھا ، شعر کو بامعنی بنانے کی دھن میں چار مہمل اور بے محل نسخے حاشیے پر چڑھا دیے تھے ۔ مقصد یہ تھا کہ اگر ایک نسخے سے طلبہ کی تسلی نہ ہو تو دوسرا نسخہ بتا دیں ، اگر اس پر بھی آنھیں تامل ہو تو تیسرا اور چوتھا نسخہ استعمال کرا دیں ۔

۱ ۔ تنقید شعرالعجم (طبع انجمن ترقی اُردو) صفحہ ۳۱۱ ۔

غیر ارادی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی شعر یا فقرے کا کچھ حصہ قائل کے حافظے سے فراموش ہو چکا ہے اور وہ ضرورتاً مناسب ترمیم کے ساتھ اُس کو درست کر کے استعمال کرتا ہے۔ اس طرح نادانستہ طور پر شعر میں اصلاح داخل ہو جاتی ہے۔

ارادی تقسیم میں ایک اصلاح تو وہ ہے جو اُستاد اپنے شاگرد کو دیتا ہے، اس سے ہمیں یہاں بحث نہیں۔ دوسری وہ ہے جس میں سے کوئی غیر اُستاد کسی دوسرے کے کلام میں لطافت خاص اور ترقی پیدا کرنے کی غرض سے تفریحاً بالارادہ اصلاح دیتا ہے۔ حضرت امیرخسرو کے فرزند کی اصلاحیں مشہور ہیں۔ صائب نے بھی اس کوچے میں قدم رکھا ہے۔

اُردو ذخیرے کی طرف رجوع کرتے ہوئے سب سے پہلے میرتقی میر کا نام لیا جا سکتا ہے۔

شاہ مبارک آبرو کے شعر:

نہیں یہ تارے، بھرے ہیں شک کے نقط
اس قدر نسخۂ فلک ہے غلط

کے متعلق رقم فرماتے ہیں: ''اگر بجائے 'اس قدر'، 'کس قدر' می گفت، این شعر بہ آسان می رسید۔''

اسی طرح میر سجاد کے شعر:

کافر بتوں سے داد نہ چاہو کہ یاں کوئی
مر جا ستم سے ان کے تو کہتے ہیں حق ہوا

کے سلسلے میں میر صاحب نے 'کافر' کی جگہ 'باطل' اصلاح دی ہے۔ فرماتے ہیں: ''اگرچہ باطل باطل است لیکن بجائے کافر کہ اول پیش مصرع واقع است، بہ اعتقاد فقیر لفظ باطل حق است''[۱]۔

مولانا آزاد بھی اساتذہ کے کلام پر اصلاح دینے کے عادی ہیں۔ یہ جوہر ان کے کمال کا ایسا پہلو ہے جو اب تک روشنی میں نہیں آیا

۱۔ 'نکات الشعرا' صفحہ ۱۱ و ۶۱۔

ہے - لطافت بیان اور خوبی ادا ان کے کلام کا عام جوہر ہے اور یہی وصف وہ دوسروں کے کلام میں دیکھنا چاہتے ہیں - وہ کسی بھدے اور بے موقع لفظ کی برداشت نہیں کر سکتے اور ادنیٰ سے تغیر سے کسی فقرے کو چست اور گرم بنا دیتے ہیں - 'آب حیات' سے بعض مثالیں یہاں درج ہیں :

اُستاد جرأت کے حق میں میر صاحب نے جو الفاظ کہے تھے ، بقول حکیم قدرت اللہ خاں قاسم ، جو اس روایت کے تنہا راوی ہیں ، یہ ہیں :

''کیفیت اس کی یہ ہے کہ تم شعر تو کہہ نہیں جانتے ہو ، اپنا چوما چاٹا کر لیا کرو۱ -''

آزاد نے اس فقرے کے آخری حصے کو یوں بنا دیا :

''اپنی چوما چاٹی کر لیا کرو -'' (صفحہ ۲۰۱)

اس خفیف سے تصرف نے میر صاحب کے فقرے کو رواں اور ٹکسالی بنا دیا - مولانا نے بعض اشعار ، جو 'آب حیات' کے پہلے دور کے شعرا کی ملک ہیں ، اپنے واحد ماخذ 'مجموعۂ نغز' سے نقل کیے ہیں اور تصرف سے کام لیا ہے - میں اصل اور نقل کا فرق دو مختلف صورتوں میں دکھاتا ہوں۲ - ان کی قرأت میں جو فرق ہے ، مولانا کی اصلاح کی بنا پر ہے -

آبرو : مکھن میاں غضب ہیں فقیراں کے حال پر
آتا ہے ان کو جوش جمالی کمال پر (مجموعۂ نغز)
مکھن میاں خفا ہیں فقیروں کے حال پر
آتا ہے ان کو جوش جمالی کمال پر (آب حیات)

---

۱ - مجموعۂ نغز' جلد ۱ ، صفحہ ۱۵۶ -

۲ - ہر شعر کا حوالہ دینا ضروری نہیں - ''مجموعۂ نغز'' میں شاعر کے ذکر کے تحت آسانی سے شعر مل سکتا ہے - ذوق کے شعر دیوان کے صفحہ ۱۰۰ ، ۱۰۲ ، ۱۰۳ ، ۱۰۵ ، اور صفحہ ۱۰۷ میں ملیں گے -

مضمون : کرے ہے دار بھی کامل کو سرتاج
ہوا منصور سے نکتہ یہ حل آج[1] (مجموعۂ نغز)

کرے ہے دار کو کامل بھی سرتاج
ہوا منصور سے نکتہ یہ حل آج (آب حیات)

ناجی : رکھے اس لالچی لڑکے کو کوئی کب تلک بھلا
چلی جاتی ہے فرمایش کبھو یہ لا کبھو وہ لا[2] (مجموعۂ نغز)

رکھے اس لالچی لڑکے کو کوئی کب تلک بھلا
چلی جاتی ہے فرمایش کبھی یہ لا کبھی وہ لا (آب حیات)

ناجی : اگر ہو وہ بت ہندو کبھو اشنان کو ننگا
بھور ہو دیکھ کر جمنا اسی غوطے میں جا گنگا (مجموعۂ نغز)

اگر ہو وہ بت ہندو کبھو اشنان کو ننگا
بھنور میں دیکھ کر جمنا اسے غوطہ میں جا گنگا (آب حیات)

ناجی : دیکھ ہم صحبت کی دولت سے نہ رکھ چشم کرم
لب صدف کے تر نہیں ہر چند گوہر میں ہے آب[3] (مجموعۂ نغز)

دیکھ ہم صحبت کی دولت سے نہ رکھ چشم امید
لب صدف کے تر نہیں ہر چند گوہر میں ہے آب (آب حیات)

ناجی : اس رخ روشن کی جو کوئی یاد میں مشغول ہے
مہر اس کے روبرو سورج مکھی کا پھول ہے (مجموعۂ نغز)

---

۱ - یہ شعر 'نکات الشعرا' صفحہ ۱۷ ، 'تذکرۂ گردیزی' صفحہ ۱۳۵ اور 'تذکرۂ میر حسن' صفحہ ۱۴۵ میں اسی طرح ملتا ہے -

۲ - شعر ھذا 'تذکرۂ ہندی' از مصحفی (صفحہ ۲۵۸) میں بھی یوں ہی موجود ہے -

۳ - پہلے مصرعے میں میر صاحب کی اصلاح ہے - ع : مت رکھے چشم کرم دولت سے اپنے خورد کی ('نکات الشعرا' صفحہ ۳۴) - میر حسن نے اس میں کسی قدر ترمیم کی ہے - ع : رکھیو مت چشم کرم .... الخ (صفحہ ۱۶۸ ، تذکرہ)

روے روشن کی جو کوئی یاد میں مشغول ہے
مہر اس کے روبرو سورج مکھی کا پھول ہے (آب حیات)

ناجی: لڑے ہونے نہ برس بیس ان کو بیتے تھے
دعا کے زور سے دائی ددوں کی جیتے تھے (مجموعۂ نغز)

لڑے ہوے تو برس بیس ان کو بیتے تھے
دعا کے زور سے دائی ددا کے جیتے تھے (آب حیات)

ناجی: گلے میں ہیکلیں بازو اوپر طلا کی نال (مجموعۂ نغز)
گلے میں ہنسلیاں بازو اوپر طلا کے نال (آب حیات)

یکرنگ: جس کے درد دل میں کچھ تاثیر ہے
گر جواں ہے وہ تو میرا پیر ہے (مجموعۂ نغز)

جس کے درد دل میں کچھ تاثیر ہے
گر جواں بھی ہے تو میرا پیر ہے (آب حیات)

یکرنگ: اس کو مت جانو بتاں اوروں کی طرح
مصطفیٰ خاں آشنا یک رنگ ہے (مجموعۂ نغز)

اس کو مت جانو میاں اوروں کی طرح
مصطفیٰ خاں آشنا یک رنگ ہے (آب حیات)

یکرنگ: لگے ہے خوب کانوں میں بتوں کے
سخن یک رنگ کا گویا گہر ہے (مجموعۂ نغز)

لگے ہیں خوب کانوں میں بتوں کے
سخن یک رنگ کے گویا گہر ہیں (آب حیات)

ان ابیات میں جو تبدیلیاں مولانا کے قلم سے عمل میں آئی ہیں ، وہ زیادہ تر زبان کی کہنگی دور کرکے اس کو رائج الوقت بنانے کے مقصد سے کی گئیں ہیں ؛ مثلاً آبرو کے شعر میں 'غضب ہیں' اور 'فقیراں' کی جگہ 'خفا ہیں' اور 'فقیروں' لانا ۔ ناجی کے 'کبھو' اور 'بھور' کی جگہ 'کبھی' اور 'بھنور' ، نیز 'دائی ددوں' اور 'ہیکلوں' کی جگہ 'دائی ددا' اور 'ہنسلیاں' لانا ۔ یکرنگ کے ہاں 'بتاں' کی جگہ 'میاں' لانا ۔

مضمون کے ہاں 'اے محبوب' اور ناجی کے ہاں 'جو کوئی' میں 'اے' اور 'کوئی' کے تلفظ کی بنا پر جو بہ تقلید دکن دب کر پڑھا جاتا تھا ، تبدیلی ضروری تھی ۔ باقی اصلاحیں زبان کی ترقی سے تعلق رکھتی ہیں ۔ لیکن یکرنگ کے آخری شعر میں مولانا کی اصلاح بالکل ناواجب ہے ، کیوں کہ اس سے ردیف بدل جاتی ہے ۔ شعر ہذا ایسی غزل سے لیا گیا ہے جس کا قافیہ گھر ، سحر ، خبر وغیرہ اور ردیف 'ہے' ہے ، اس لیے 'ہے' کی بجائے 'ہیں' لانے سے ردیف بدل جائے گی ۔

اب میں ان اصلاحات کی طرف رجوع کرتا ہوں جو دیوان ذوق مرتبۂ آزاد سے علاقہ رکھتی ہیں ۔ دیوان میں ہر ایسی اصلاح جو زبان کی قدامت کو رفع کرکے اس کو مولانا کے اپنے عہد کے معیار کے مطابق بناتی ہے ، یقیناً مولانا کے قلم سے ہے ۔ اگر یہ کوشش ذوق کے متن میں تصرف بے جا مانی جا سکتی ہے تو مولانا اس تصرف بے جا کے بے شک مرتکب ہیں ۔ اس مقصد سے میں یہاں بعض ایسے الفاظ اور محاورے پیش کرتا ہوں جو ذوق کے عہد میں رائج تھے اور مولانا کے اپنے زمانے میں متروک ۔ مولانا نے ان متروکات کو دیوان سے خارج کرنے کی بھی کوشش کی ہے :

(۱) ذوق کے عہد میں گوالیری (برج بھاشا) طرز کا حال جو مضارع پر 'ہے' کے اضافے سے بنتا ہے ، رائج تھا اور ٹکسالی مانا جاتا تھا ۔ چنانچہ اس عہد کے شعرا کے کلام میں عام طور سے ملتا ہے :

غالب : کبھی نیکی بھی اس کے دل میں گر آ جائے ہے مجھ سے
جفائیں کرکے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے

ذوق : کہتے ہیں لوگ موت تو سب جائے جائے ہے
ہر میرے پاس آسے بھی کوئی کہائے جائے ہے

آزاد کے عہد میں یہ حال متروک تھا ۔ مولانا نے اس کو دیوان سے نکالنے کی کوشش کی ہے ۔ اس غرض سے میں بعض اشعار نسخۂ حافظ ویران[1] سے ، جس کا متن ذوق کی زبان کو زیادہ صحت کے ساتھ پیش کرتا

---

۱ - دیوان ذوق ، مرتبۂ حافظ ویران ، طبع ۱۲۷۹ھ ۔

ہے، آزاد کے مرتبہ دیوان[۱] سے مقابلے کے لیے ذیل میں درج کرتا ہوں :

ہائی طبیب دے ہے ہمیں کیا بجھا ہوا (دیوان ذوق)
ہے دل ہی زندگی سے ہمارا بجھا ہوا (مرتبۂ ویران)

ہائی طبیب دے گا ہمیں کیا بجھا ہوا
ہے دل ہی زندگی سے ہمارا بجھا ہوا (مرتبۂ آزاد)

قتل کو کس کے چڑھائی تیغ تو نے سان پر
آترے ہے آنکھوں میں زخموں کے مرے خون دیکھ کر (مرتبۂ ویران)

قتل کو کس کے چڑھائی تیغ تو نے سان پر
آترا آنکھوں میں جو زخموں کے مرے خون دیکھ کر (مرتبۂ آزاد)

گر پڑے ہے آگ میں پروانہ سا کرم ضعیف
آدمی سے کیا نہ ہو لیکن محبت ہو تو ہو (مرتبۂ ویران)

آگ میں جل مرتا ہے پروانہ سا کرم ضعیف
آدمی سے کیا نہ ہو لیکن محبت ہو تو ہو (مرتبۂ آزاد)

ہوں یہ لاغر جھک کے قامت ایک خس کے بوجھ سے
جوں کبادہ لچکے ہے ہائے مگس کے بوجھ سے (مرتبۂ ویران)

ہوں یہ لاغر جھک کے قامت ایک خس کے بوجھ سے
ہے کبادہ جو لچک جائے مگس کے بوجھ سے (مرتبۂ آزاد)

سرمۂ چشم کواکب کیوں بنے ہے دود آہ
ایسا کاجل بن کہ جس سے آس کا خال لب بنے (مرتبۂ ویران)

سرمۂ چشم کواکب کیوں بنا اے دود آہ
ایسا کاجل بن کہ جس سے آس کا خال لب بنے (مرتبۂ آزاد)

کھلتا نہیں دل بستہ ہی رہتا ہے ہمیشہ
کیا جانیں کہ آ جانے ہے تو اس میں کدھر سے (مرتبۂ ویران)

---

۱ - دیوان ذوق، مرتبۂ آزاد، رفاہ عام پریس لاہور ۱۹۲۲ء۔

کھلتا نہیں دل بند ہی رہتا ہے ہمیشہ
کیا جانے کہ آ جاتا ہے تو اس میں کدھر سے (مرتبہٗ آزاد)

کیا شاد کو خفیف کرے ہے زبان خلق
شاباش جس کو کہتے ہیں وہ شاد باش ہے (مرتبہٗ ویران)

کیا شاد کو خفیف ہے کرتی زبان خلق
شاباش جس کو کہتے ہیں وہ شاد باش ہے (مرتبہٗ آزاد)

کچھ جتاؤں جو محبت تو کہے ہے کہ مجھے
دیکھ تو ، کیسے چکھاتا ہوں محبت کے مزے (مرتبہٗ ویران)

کچھ جتاؤں جو محبت تو ہے کہتا کہ مجھے
دیکھ تو کیسے چکھاتا ہوں محبت کے مزے (مرتبہٗ آزاد)

دور کر بالوں کو سر پر سے کہے ہے لیلی
پر نہیں کانوں پہ مجنوں کے ذرا جوں چلتی (مرتبہٗ ویران)

دور کر بالوں کو سر سے یہ ہے کہتی لیلی
پر نہیں کانوں پہ مجنوں کے ذرا جوں چلتی (مرتبہٗ آزاد)

(۲) ذوق کے جارہ 'پر' کی جگہ آزاد کا 'پہ' استعمال کرنا :

عبث ہم اپنا رکاوٹ سے منہ بناتے ہو
وہ لب پر آئی ہنسی ، دیکھو مسکراتے ہو' (مرتبہٗ ویران)

عبث تم اپنی رکاوٹ سے منہ بناتے ہو
وہ آئی لب پہ ہنسی ، دیکھو مسکراتے ہو (مرتبہٗ آزاد)

اب جان پر آفت ہے جو آئے ہو دوبارہ
یک بار تو غارت دل و دیں ہو ہی چکا تھا (مرتبہٗ ویران)

اب جان پہ آفت ہے جو پہنچے ہو دوبارہ
اک بار تو غارت دل و دیں ہو ہی چکا تھا (مرتبہٗ آزاد)

۱ - ''آثار الصنادید'' (صفحہ ۲۱۸ طبع سیدالاخبار ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۷ع) میں بھی یہ شعر اسی طرح درج ہے -

حرف تلخ اس لب شیریں سے ہر اک بات پہ آۓ
ناصحا! سنتے ہیں ہم کچھ تو ہے میٹھا ہم کو (مرتبۂ ویران)
حرف تلخ اس لب شیریں سے ہر اک بات پہ آۓ
ناصحا! سنتے ہیں ہم کچھ تو ہے میٹھا ہم کو (مرتبۂ آزاد)
مانند نمکداں چرخ پر انجم حق نے بنایا اس خاطر
تا ہر لب زخم حسرت اپنا ہجر کی رات نمک چش ہو (مرتبۂ ویران)
مانند نمکداں چرخ پہ انجم حق نے بنائے اپنے لیے
تا ہر لب زخم حسرت میرا ہجر کی رات نمک چش ہو (مرتبۂ آزاد)

(۳) ذوق کے ہاں مضارع ہمزہ کے ساتھ 'جائے'، 'لائے' آتی ہے۔ آزاد 'واو' کے ساتھ 'جاوے'، 'لاوے' وغیرہ پسند کرتے ہیں:

کہاں دل بھاگ کر جائے کہ تیرے نخل قامت نے
عجب اک گرد نامہ خط سے اے سرو رواں باندھا (مرتبۂ ویران)
کہاں دل بھاگ کر جاوے کہ تیرے نخل قامت سے
عجب اک گرد نامہ خط نے اے سرو رواں باندھا (مرتبۂ آزاد)
رقعہ چوری سے اسے بھیجا ہے انجان کے ہاتھ
کیسی رسوائی ہے پڑ جائے جو دربان کے ہاتھ (مرتبۂ ویران)
رقعہ ہے چوری کا اور بھیجا ہے انجان کے ہاتھ
یا الٰہی کہیں پڑ جاوے نہ دربان کے ہاتھ (مرتبۂ آزاد)
چرخ ضدی ہے کوئی ضد نہ دلائے اس کو
گر سنے عود کو غرق تو جلائے اس کو (مرتبۂ ویران)
چرخ ضدی ہے کوئی ضد نہ دلاوے اس کو
گر سنے عود کو غرق تو جلاوے اس کو (مرتبۂ آزاد)

تمنا نہیں ہے کہ امداد دل کو تپش کا صلہ ہو کہ مزد قلق ہو
یہی حق ہے قاتل اگر حق دلائے بہ بسمل ترے پاؤں پر جاں بحق ہو
(مرتبۂ ویران)
تمنا نہیں ہے کہ امداد دل کو تپش کا صلہ ہو کہ مزد قلق ہو
یہی حق ہے قاتل اگر حق دلاوے بہ بسمل ترے پاؤں پر جاں بحق ہو
(مرتبۂ آزاد)

(۴) قدیم متروک الفاظ؛ مثلاً : باؤ ، چلون ، کانسہ ، جاے ، تلک وغیرہ کو بدلا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اور تصرف بھی کیے ہیں :

دیکھیے ملت و دیں کتنے کرے گا برباد
باؤ کے گھوڑے پہ وہ دشمن ایمان چڑھا (مرتبۂ ویران)

دیکھنا ملت و دیں دونوں ہیں برباد کہ آج
باد کے گھوڑے پہ وہ دشمن ایمان چڑھا (مرتبۂ آزاد)

الٰہی خیر ہو ، مانند شعلۂ سرکش
پھر آیا باؤ کے گھوڑے پہ وہ ادھر چڑھ کر (مرتبۂ ویران)

الٰہی خیر ہو ، مانند شعلۂ سوکش
پھر آیا باد کے گھوڑے پہ وہ ادھر چڑھ کر (مرتبۂ آزاد)

جاے ہے زیر مغیلاں ترے دیوانوں کی
مدتوں چھان چکے خاک بیابانوں کی (مرتبۂ ویران)

اب ہے جا زیر مغیلاں ترے دیوانوں کی
مدتوں چھان چکے خاک بیابانوں کی (مرتبۂ آزاد)

نہ ہوں بے پردہ تو بھی وہ کھڑے ہو ہو کے شوخی سے
پھبن چلون میں در پردہ دکھائیں سر سے پاؤں تک (مرتبۂ ویران)

نہ ہوں بے پردہ تو بھی وہ کھڑے ہو ہو کے شوخی سے
پھبن چلمن سے در پردہ دکھائیں سر سے پاؤں تک (مرتبۂ آزاد)

کانسے میں فلک کے نہ رہے نام کو زہراب
دھر کھینچے اگر تشنہ لب جام محبت (مرتبۂ ویران)

کاسے میں فلک کے رہے اک بوند نہ زہراب
دھر کھینچے اگر تشنہ لب جام محبت (مرتبۂ آزاد)

یہ لوگ ناواقف محبت ، نہ ہوں گے واقف تپ دروں سے
کہ جب تلک مثل برق رگ رگ میں میری سرعت نہ دیکھ لیں گے
(مرتبۂ ویران)

تپ محبت کا میرے دل کی یقیں نہ آئے گا ہرگز ان کو
تپاں وہ رگ رگ میں میری جب تک کہ برق سرعت نہ دیکھ لیں گے
(مرتبۂ آزاد)

(۵) فارسی طرز کی جمع کا ترک جو 'الف نون' سے بنتی ہے :

صحبت صاف دلاں سے ہوں مکدر تیرہ دل
زنگ سے آلودہ ہو جاتا ہے آہن آب میں (مرتبۂ ویران)

صحبت اہل صفا سے تیرہ دل کب صاف ہو
زنگ سے آلودہ ہو جاتا ہے آہن آب میں (مرتبۂ آزاد)

(۶) فارسی کے ظرفیہ ('در' اور 'بہ') کے ترجمے 'میں' کی جگہ اُردو کے محاورے کے مطابق 'سے' یا 'کو' لانا :

میں ہجر میں مرنے کے قریں ہو ہی چکا تھا
تم وقت پر آ پہنچے، نہیں ہو ہی چکا تھا (مرتبۂ ویران)

میں ہجر سے مرنے کے قریں ہو ہی چکا تھا
تم وقت پر آ پہنچے، نہیں ہو ہی چکا تھا (مرتبۂ آزاد)

لبیک و اذاں، ناقوس و جرس یا خندۂ قلقل، نالۂ نے
دل کھینچنے میں ہاں کوئی ہو، ہر ایک نوائے دلکش ہو (مرتبۂ ویران)

لبیک و اذاں، ناقوس و جرس یا قلقل مے یا نالۂ نے
دل کھینچنے کو اے ہم‌نفسو! کوئی تو نوائے دلکش ہو (مرتبۂ آزاد)

(۷) نون کے اعلان کا ترک :

پیکاں تو دل دوز ہے، سوفار ہے باہر
اس تیر سے ہے دل میں دروں غنچہ، بروں گل (مرتبۂ ویران)

پیکاں تو ہے دل دوز سر سینہ ہے سوفار
اس تیر سے ہے دل میں دروں غنچہ، بروں گل (مرتبۂ آزاد)

گل پریشان ہوا ہنس کے چمن میں آخر
دیکھ اے غنچے! یہاں خندہ زنی خوب نہیں (مرتبۂ ویران)

گل پریشاں ہوا ہنس ہنس کے چمن میں آخر
دیکھ اے غنچے یہاں خندہ زنی خوب نہیں (مرثیۂ آزاد)

دیتی شربت ہے کسے زہر بھری آنکھ تری
عین احسان ہے وہ زہر بھی گر دیتی ہے (مرثیۂ ویران)

دیتی شربت ہے کسے زہر بھری آنکھ تری
عین احسان ہے مجھے زہر بھی گر دیتی ہے (مرثیۂ آزاد)

(۸) ذوق کے 'ہی' کی جگہ آزاد 'بھی' لاتے ہیں :

ترے اسیر جو صیاد کرتے ہیں فریاد
تو پھر وہ دم ہی نہیں زیر دام لیتے ہیں (مرثیۂ ویران)

ترے اسیر جو صیاد کرتے ہیں فریاد
تو پھر وہ دم بھی نہیں زیر دام لیتے ہیں (مرثیۂ آزاد)

بنا کے آئنہ دیکھے ہے پہلے آئنہ گر
ہنرور اپنے ہی عیب و ہنر کو دیکھتے ہیں (مرثیۂ ویران)

بنا کے آئنہ ہیں دیکھتے جو آئنہ گر
ہنرور اپنے بھی عیب و ہنر کو دیکھتے ہیں (مرثیۂ آزاد)

اٹھے جہاں ہی سے جو بستر سے وہ اٹھے
تیرا مریض عشق جو صاحب فراش ہے (مرثیۂ ویران)

دنیا سے بھی اٹھے تو نہ بستر سے اٹھ سکے
تیرا مریض عشق جو صاحب فراش ہے (مرثیۂ آزاد)

(۹) فارسی اثر کی تخفیف کی کوشش :

دشنام دو کہ بوسہ خوشی ہر ہے آپ کی
رکھتے فقیر کام نہیں رد و کد سے ہیں (مرثیۂ ویران)

دو گالیاں کہ بوسہ خوشی پر ہے آپ کی
رکھتے فقیر کام نہیں رد و کد سے ہیں (مرثیۂ آزاد)

صحبت عیسیٰ بنائے خر کو انساں کس طرح
تربیت سے واقعی نا اہل دانا کب بنے (مرثیۂ ویران)

صحبت عیسیٰ بنائے کیا گدھے کو آدمی
جس کے جوہر میں ہو نادانی وہ انساں کب بنے (مرتبہ آزاد)

برنگ غنچہ خونیں دل ہنسے کیا اس گلستاں میں
بھر آیا منہ میں خوں گر یک تبسم زیر لب آیا (مرتبہ ویران)

برنگ غنچہ خونیں دل ہنسے کیا اس گلستاں میں
بھر آیا منہ میں خوں گر اک تبسم زیر لب آیا (مرتبہ آزاد)

میں نے یہ چند مثالیں بغیر کسی خاص کوشش کے عمل میں لائے دیوان ذوق سے لے کر دے دی ہیں ۔ ان اشعار کو اپنے عہد کی زبان و محاورے میں تبدیل کرنے کے ذمہ دار خود مولانا مانے جا سکتے ہیں ۔ استاد ذوق اپنے وقت کی زبان چھوڑ کر آزاد کے عہد کی زبان میں لکھنے سے رہے ۔ حافظ ویران نے ، جس طرح استاد کا کلام ملا ، جوں کا توں نقل کر دیا ۔ اسی لیے ایسے ابیات کا متن جو ویران کے نسخے اور تذکروں کے انتخاب میں مشترک ہے ، بالکل متفق ہے ۔ ادھر آزاد اور ویران کے مرتب کیے ہوئے نسخوں کی زبان میں فرق ہے ، لہذا اس تبدیلی کے لیے قدرتاً ہماری نگاہ مولانا پر اٹھتی ہے ۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ مولانا کے اڈیشن میں مولانا کے سوا کوئی ایسی تبدیلیاں داخل بھی نہیں کر سکتا ۔ یہی نہیں بلکہ ایک منطقی نتیجہ اور نکلتا ہے کہ ان اصلاحات کے علاوہ جن کا نمونہ اوپر دیا جا چکا ہے ، ایسی اصلاحات بھی ، جو محض مضمون و زبان میں ترقی کے خیال سے دی گئی ہیں[1] اور جن کا جائزہ سطور آیندہ

---

۱ - ڈاکٹر تنویر احمد علوی صاحب کی رائے بھی ملاحظہ ہو :
”ایک اور سوال بھی غالباً مولانا کے ذہن کو برابر پریشان کرتا رہا اور وہ یہ کہ ان کے استاد کی زبان پر اعتراضات شروع ہو گئے ہیں ۔ ان کی شاعری کا رنگ قدیمانہ ہو چلا ہے اور معاصرین کے مقابلے میں اس میں متروکات کی تعداد بھی کچھ زیادہ ہے ۔ محاوروں کے انداز استعمال پر بھی بعض لوگ معترض تھے ۔ آب حیات کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ دو ایک مرتبہ انھوں نے اپنے استاد سے اس کی شکایت بھی کی تھی جس کا استاد نے کچھ زیادہ اثر نہیں لیا ۔“ (مقدمۂ دیوان ذوق) مرتب

کا موضوع ہے ، مولانا ہی کی ذات سے تعلق رکھتی ہیں - اُستاد ذوق نے جو اپنے کلام میں اصلاح دی ہے ، حافظ ویراں کا اُس سے ناواقف رہنا ناممکن ہے کیوں کہ وہ آزاد سے زیادہ اُستاد ذوق کے جلیس و رفیق رہے ہیں - لہٰذا ہمیں تسلیم ہے کہ ذوق کی اصلاحات ویران کے نسخے میں شامل ہیں اور یہ جو تبدیلیاں آزاد کے نسخے میں نظر آتی ہیں ، ہمارے نزدیک اگر تمام نہیں تو اکثر مولانا کے قلم سے ہیں -

یہاں ناظرین کی توجہ ایک غزل کی طرف منعطف کرائی جاتی ہے جس کا مطلع ہے :

جو دل قمارخانے میں بت سے لگا چکے
وہ کعبتین چھوڑ کے کعبے کو جا چکے

ذوق نے یہ مطلع شاہی خواجہ سرا میاں محبوب کے حق میں کہا تھا ، جس نے نواب زینت محل کی وزارت کے دور میں بہ‌قول مولانا بہت اقتدار حاصل کر لیا تھا اور نواب بنا دیا گیا تھا - اس خواجہ سرا کو جوے بازی کا بڑا لپکا تھا - ایک مرتبہ بادشاہ اس سے نارض ہو گئے - اس نے مشہور کر دیا کہ میں حج کو جاتا ہوں - کسی نے اُستاد ذوق سے ذکر کیا کہ میاں صاحب حج کو چلے - استاد نے مطلع بالا پڑھا اور کئی مہینے کے بعد غزل پوری کی -

اس غزل کے اشعار حافظ ویران کے نسخے میں تیرہ اور مولانا کے نسخے میں سترہ ہیں - اشعار کی زیادتی سے قطع نظر آزاد کے ہاں گیارہ شعر ایسے ملتے ہیں جن کی زبان میں ترمیم و تبدیلی پائی جاتی ہے - دونوں نسخوں کا فرق دکھانے کے لیے میں یہ اختلاف اشعار ذیل میں نقل کرتا ہوں :

(۱) کیا خط میں مدعا لکھوں اپنا کہ مدعی
پہلے ہی اُن کو میری طرف سے پڑھا چکے (متن ویران)
کیا خط لکھوں اُنھیں کہ جو لکھنے کی بات ہے
پہلے ہی غیر واں ہیں اُنھیں سب پڑھا چکے (متن آزاد)

(۲) آنا بلا سے اس کا قیامت سے کم نہیں
مرتے ہیں انتظار میں ، اک روز آ چکے (متن ویران)

آنا بلا ہے ان کا قیامت سے کم نہیں
ہیں ہم تو مر چکے ، آسے آنا ہو آ چکے (متن آزاد)

(۳) زہراب بھی ہے بادہ تو کر لیں گے نوش جاں
ساقی پیالہ منہ سے ہم اب تو لگا چکے (متن ویران)
زہراب یا شراب یہاں سب ہے نوش جاں
ساقی پیالہ منہ سے ہم اب تو لگا چکے (متن آزاد)

(۴) اچھا کیا وفا کے عوض تو نے کی جفا
بس اب ستم نہ کر کہ کیا اپنا پا چکے (متن ویران)
اچھا کیا وفا کے عوض تم نے کی جفا
جانے دو ، تم بھی اب کہ کیا اپنا پا چکے (متن آزاد)

(۵) یاد آیا یاں کے آنے کا وعدہ تو کب آنہیں
جب رات کو وہ پاؤں میں مہندی لگا چکے (متن ویران)
یاد آیا یاں کے آنے کا وعدہ بھی خوب آنہیں
جب رات کو وہ پاؤں میں مہندی لگا چکے (متن آزاد)

(٦) جب تک کہ سر ہے ساتھ ہے یہ سر کے ہو سو ہو
ہم اب تو سر پہ بار محبت اٹھا چکے (متن ویران)
اے دل زمیں کا بوجھ ہے یا آسماں کا بار
ہیں اب تو سر پہ بار محبت اٹھا چکے (متن آزاد)

(۷) کیا دیکھتا ہے ، تیغ لگا ایسی اک لگا
قصہ تمام عمر کا ، اے "بر جفا ، چکے (متن ویران)
مدت سے موت و زیست پڑے ہیں گلے کا ہار
تیغ نگہ تری کہیں قصہ چکا چکے (متن آزاد)

(۸) اب خاک کے ہیں ڈھیر تو کیا اس خرابے میں
پہلے تو ہم بھی خاک بہت سی اڑا چکے (متن ویران)
اب ڈھیر کر خرابۂ دنیا میں ہیں تو کیا
پہلے تو ہم بھی خاک بہت سی اڑا چکے (متن آزاد)

(۹) حاجت نہیں ہے تیرے شہیدوں کو غسل کی
قاتل وہ تیرے ہاتھ سے خوں میں نہا چکے (متن ویران)

حاجت نہیں ہے تیرے شہیدوں کو غسل کی
ہیں تیغ آب دار سے خوں میں نہا چکے (متن آزاد)

(۱۰) کیا مجھ سے قیمت دل و جاں پوچھتا ہے تو
دونوں ہیں اک نگاہ پہ اے دلربا! چکے (متن ویران)

سب ہم سے قیمت دل و جاں پوچھتے ہیں آج
تار اُن کے اک نگاہ میں ہیں سب چکا چکے (متن آزاد)

(۱۱) بنکارو آج خوب چلو میکدے کو ذوق
چھوڑو کہیں ، وظیفہ بہت بڑبڑا چکے (متن ویران)

مسجد میں بیٹھے کیا ہو چلو میکدے کو ذوق
اٹھو کہیں ، وظیفہ بہت بڑبڑا چکے (متن آزاد)

اس غزل میں مولانا کی اصلاح چنداں کامیاب نہیں معلوم ہوتی ۔ میں سرسری طور پر نظر ڈالتا ہوں ۔

شعر (۱) مدعی اور مدعا میں تجنیس لانے کے باوجود استاد ذوق اپنا مطلب نہایت جچے تلے اور چست الفاظ میں ادا کرتے ہیں ۔ جو مطلب ذوق نے لفظ 'مدعا' سے نکالا ہے ، آزاد اس کے لیے پورا جملہ ، جو لکھنے کی بات ہے ، لاتے ہیں ۔ اس طرح لفظ 'مدعی' جن خاص ممیزی معنوں میں یہاں آیا ہے ، لفظ 'غیر' ان پر حاوی نہیں ہوسکتا ۔ سچ یہ ہے کہ 'غیر' یہاں بالکل بے موقع ہے ۔ علی' ہذا 'انہیں' مکرر اور 'وان' حشویہ آئے ہیں ۔

شعر (۲) آزاد نے اپنے عہد کے رواج کے مطابق 'اس' کو تعظیماً 'اُن' میں بدل دیا ۔ ذوق کا جملہ 'مرتے ہیں انتظار میں' آزاد کے جملے 'ہیں ہم تو مر چکے' سے زیادہ فصیح ہے ۔

شعر (۳) ، (۴) و (۵) میں آزاد نے لفظاً و معناً کوئی ترقی نہیں کی ۔ شعر (۶) میں مبالغے کے سوا آزاد نے کوئی بات پیدا نہیں کی ۔

'زمین بوجھ' کی ترکیب غزل کے میدان میں اعتراض سے خالی نہیں ۔

شعر (۷) آزاد کے ہاں 'موت و زیست گلے کا ہار پڑے ہیں' سے مقصد عاشق کی نیم جان حالت ہے ۔ یہ پیرایۂ بیان اگرچہ جدت سے خالی نہیں تاہم شگفتہ نہیں ۔ 'چکا چکے' بھی کانوں پر ناگوار گزرتا ہے ۔ ذوق کے ہاں برجستگی اور روانی ہم آہنگ ہیں ۔

شعر (۸) ذوق کے ہاں خاک کے ڈھیر کی تخصیص ہے ۔ آزاد نے خرابے کی تخصیص کی ہے ۔ ذوق کا شعر ہر حال میں روشن اور بہتر ہے ۔

شعر (۹) میں آزاد کے ہاں کوئی ترقی نہیں اور مخاطب نامعلوم ہے ۔

شعر (۱۰) آزاد کے دوسرے مصرع میں 'تار' سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ۔ 'بار' چسپاں ہے ۔ ذوق کے ہاں دل و جان کی قیمت محبوب دریافت کرتا ہے ۔ آزاد کے ہاں سب پوچھتے ہیں ۔ گویا دل و جان دل و جان نہیں ، کانے بھینس ہیں کہ ہر شخص اُن کا گاہک ہے ۔ ذوق کے ہاں 'نگاہ ہے' آزاد کے ہاں 'نگاہ میں' فارسی اور اردو روزمرہ کا اثر ہے ۔

شعر (۱۱) ذوق نے مے خواروں کی زبان استعمال کی ہے ، آزاد نے متانت اور سنجیدگی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ۔

لیکن حضرت آزاد کی شخصی خصوصیت مصرعوں کی ابتدا میں 'ہیں' کے خاص استعمال سے ظاہر ہے ۔ چنانچہ :

(ع) ہیں ہم تو مر چکے آپ آنا ہو آ چکے (آزاد)
(ع) مرتے ہیں انتظار میں اک روز آ چکے (ذوق)
(ع) ہیں اب تو سر پہ بار محبت اٹھا چکے (آزاد)
(ع) ہم اب تو سر پہ بار محبت اٹھا چکے (ذوق)
(ع) ہیں تیغ آب دار سے خوں میں نہا چکے (آزاد)
(ع) قاتل وہ تیرے ہاتھ سے خوں میں نہا چکے (ذوق)

کہا جا سکتا ہے کہ غزل بالا پر اصلاح آزاد کے قلم سے نہ ہو بلکہ خود ذوق نے دی ہو ۔ میں جواب میں اسی قدر کہوں گا کہ یہ اصلاح اُستادانہ نہیں ہے بلکہ سقیم اور غیر مستقیم ہے ۔ اور لغزشوں سے

قطع نظر ذوق کو کیا ضرورت تھی کہ اپنے پختہ کلام کو 'ہیں' کی ایسی تکرار سے جیسا کہ ہم اوپر دیکھ آئے ہیں ، ناہموار اور داغدار بنائے ۔ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ذوق نے اپنی وفات سے چار سال قبل تک اس غزل پر کوئی اصلاح نہیں دی تھی کیوں کہ حضرت سراج‌الدین ظفر بادشاہ دہلی نے اس پر ایک مخمس لکھا ہے جو آن کے دیوان دوم طبع ۱۲۶۷ھ میں شامل ہے ۔ ذوق ۱۲۷۱ھ میں وفات پاتے ہیں ۔ اگر ذوق کو اس غزل میں کوئی اصلاح دینی منظور تھی تو آس وقت دیتے جب حضور نے اس کو مخمس کرنے کا ارادہ کیا تھا ۔ کیوں کہ ذوق بادشاہ کے آستاد تھے ، بلکہ مولانا نے تو ظفر کو بدنام کرنے کے لیے اس آستادی شاگردی کو اور رنگ دے دیا ہے ۔ یعنی یہ کہ ذوق ظفر کے واسطے غزلیں تیار کرتے تھے ۔ اس صورت میں یہ جو دو تین مخمس ذوق کی غزلوں پر ظفر کے ہاں ملتے ہیں ، حضرت مولانا کے نقطۂ نظر سے ذوق ہی کے کہے ہوئے ہوں گے ۔ میں اس بدگمانی میں شریک نہیں ۔ ہاں تو اگر ذوق اس غزل میں کوئی رد و بدل کرتے تو آس وقت کر سکتے تھے جب اس غزل پر مخمس تیار کر رہے تھے ، نہ کہ وقت گزر چکنے کے بعد ۔ قصہ مختصر ظفر اور حافظ ویران دونوں ذوق کے شاگرد ہیں اور دونوں کی معلومات کی رو سے کہا جا سکتا ہے کہ ذوق نے اس غزل میں کوئی اصلاح نہیں دی کیوں کہ دونوں کے ہاں اس غزل کا متن بالکل متفق ہے اور کسی اختلاف کا حامل نہیں ۔ اسی قسم کی ایک اور مثال ذیل میں درج ہے :

مولانا کی مشہور و معروف تصنیف 'آب حیات' ۱۸۸۱ع میں پہلی مرتبہ شائع ہوتی ہے ۔ اس کی دوسری اشاعت ۱۸۸۳ع میں چھپتی ہے ۔ اس اشاعت میں مولانا آزاد نے ذوق کے انتخاب کلام میں آن کی ایک مشہور غزل کا اضافہ کیا ہے جو طبع اول میں شامل نہ تھی ۔ اس کا مطلع ہے :

مزے یہ دل کے لیے تھے، نہ تھے زباں کے لیے
سو ہم نے دل میں مزے سوزش نہاں کے لیے

'آب حیات' میں مولانا نے یہ غزل راغ الوقت دیوانِ ذوق سے

لے کر ، جو حافظ ویران کے اہتمام سے ۱۲۷۹ھ میں ، یعنی آستاد ذوق کی وفات سے آٹھ سال بعد چھپتا ہے ، دو شعر کے اضافے کے ساتھ بجنسہ نقل کر لی تھی ۔ لیکن اس کے پانچ چھ برس بعد جب دیوان ذوق ترتیب دینے لگے ، گمان ہوتا ہے مولانا نے اس غزل پر ، جو بقول حضرت ممدوح ۱۸۳۵ع میں نواب اصغر علی خاں کے مشاعرے میں پڑھی گئی تھی ، نظر ثانی کی اور ایک شعر بھی اضافہ کیا ۔ میں یہاں اس غزل کے صرف ایسے اشعار جن میں مولانا نے ترمیم کی ہے ، درج کرتا ہوں :

(۱) مزے یہ دل کے لیے تھے ، نہ تھے زباں کے لیے
سو ہم نے دل میں مزے سوزشِ نہاں کے لیے (آب حیات[۱])

مزے تو دل کو ملے تھے ، ہوئے زباں کے لیے
یہ ہم نے دل میں مزے سوزشِ نہاں کے لیے (دیوان ذوق[۲])

(۲) نہیں ثبات بلندیِ عز و شاں کے لیے
کہ ساتھ اوج کے پستی ہے آسماں کے لیے (آب حیات)

ثبات کب ہے زمانے کی عز و شاں کے لیے
کہ ساتھ اوج کے پستی ہے آسماں کے لیے (دیوان ذوق)

(۳) فروغِ عشق سے ہے روشنی جہاں کے لیے
یہی چراغ ہے اس تیرہ خاک داں کے لیے (آب حیات)

فروغ عشق سے ہے روشنی جہاں کے لیے
کہ یہ چراغ ہے اس تیرہ خاک داں کے لیے (دیوان ذوق)

(۴) صبا جو آئی خس و خار گلستاں کے لیے
قفس میں کیوں کہ نہ پھڑکے دل آشیاں کے لیے (آب حیات)

صبا ہی آئی خس و خار گلستاں کے لیے
قفس میں لوٹ رہا ہے دل آشیاں کے لیے (دیوان ذوق)

---

۱ ۔ طبع دوازدہم ۔
۲ ۔ مرتبۂ آزاد ۔

(۵) حجر کے چومنے ہی پر ہے حج کعبہ اگر
تو بوسے ہم نے بھی آس سنگ آستاں کے لیے (آب حیات)

جو سنگ کعبہ کے بوسے میں حج کعبہ ہے شیخ
تو بوسے ہم نے بھی آس سنگ آستاں کے لیے (دیوان ذوق)

(۶) نہ چھوڑ تو کسی عالم میں راستی کہ یہ شے
عصا ہے پیر کو اور سیف ہے جواں کے لیے (آب حیات)

نہ دینا ہاتھ سے تم راستی کہ عالم میں
عصا ہے پیر کو اور سیف ہے جواں کے لیے (دیوان ذوق)

(۷) جو پاس مہر و محبت کہیں یہاں بکتا
تو ہم بھی لیتے کسی اپنے مہرباں کے لیے (آب حیات)

دکان حسن میں رکھتے نہیں متاع وفا
وگرنہ لیتے ہم ایک اپنے مہرباں کے لیے (دیوان ذوق)

(۸) خلش سے عشق کی ہے خار پیرہن تن زار
ہمیشہ اس ترے مجنون ناتواں کے لیے (آب حیات)

خلش سے عشق کی ہے خار پیرہن اے یار
یہ جان اس ترے مجنون ناتواں کے لیے (دیوان ذوق)

(۹) تپش سے عشق کی یہ حال ہے مرا گویا
بجائے مغز ہے سیماب استخواں کے لیے (آب حیات)

الٰہی سوز محبت سے اُڑتا ہے تن زار
کہ لایا عشق ہے سیماب استخواں کے لیے (دیوان ذوق)

(۱۰) الٰہی! کان میں کہا آس صنم نے پھونک دیا
کہ ہاتھ رکھتے ہیں کانوں پہ سب اذاں کے لیے (آب حیات)

الٰہی! کان میں ہے کیا صنم نے پھونک دیا
کہ ہاتھ رکھتے ہیں کانوں پہ سب اذاں کے لیے (دیوان ذوق)

(۱۱) نہیں ہے خانہ بدوشوں کو حاجت ساماں
اثاثہ چاہیے کیا خانۂ کہاں کے لیے (آب حیات)

قد خمیدہ پر اپنے ہیں بال زیب وبال
اثاثہ کچھ تو رہے خانۂ کہاں کے لیے (دیوان ذوق)

(۱۲) نہ لوح گور پہ مستوں کی ہو، نہ ہو تعویذ
جو ہو تو خشت خم ہے کوئی نشاں کے لیے (آب حیات)

مری تو گور پہ جام و سبو کی ہو تصویر
کہ یادگار زمانہ رہے نشاں کے لیے (دیوان ذوق)

(۱۳) اگر امید نہ ہمسایہ ہو تو خانۂ یاس
بہشت ہے ہمیں آرام جاوداں کے لیے (آب حیات)

امید ہو گئی ہمسایہ ورنہ خانۂ یاس
بہشت تھا ہمیں آرام جاوداں کے لیے (دیوان ذوق)

(۱۴) وہ مول لیتے ہیں جس دم کوئی نئی تلوار
لگاتے پہلے مجھی پر ہیں امتحاں کے لیے (آب حیات)

نگاہ ناز نے دیکھے تھے جوہر آج اپنے
دل اپنا ہم کو بھی یاد آیا امتحاں کے لیے (دیوان ذوق)

(۱۵) صریح چشم سخن گو تری کہے نہ کہے
جواب صاف ہے ہر طاقت و تواں کے لیے (آب حیات)

تمھاری نرگس بیمار نے جو کی تھی نگاہ
وہی جواب ہوا طاقت و تواں کے لیے (دیوان ذوق)

(۱۶) رہے ہے ہول کہ برہم نہ ہو مزاج کہیں
بجا ہے ہول دل ان کے مزاج داں کے لیے (آب حیات)

مزاج آن کا نہ بجلی ہے اور نہ ہے سیماب
خطر جو ہے تو یہی ہے مزاج داں کے لیے (دیوان ذوق)

(۱۷) مثال نے ہے مرا جب تلک کہ دم میں دم
فغاں ہے میرے لیے اور میں فغاں کے لیے (آب حیات)

نہیں ہوں نے مگر اتنا مجھے بھی ہے معلوم
فغاں ہے میرے لیے اور میں فغاں کے لیے (دیوان ذوق)

(۱۸) بلند ہووے اگر کوئی میرا شعلۂ آہ
تو ایک اور ہو خورشید آسماں کے لیے (آب حیات)
اڑا کے آہ کا شعلہ کبھی بنائیں گے ہم
شب فراق میں خورشید آسماں کے لیے (دیوان ذوق)

(۱۹) بنایا آدمی کو ذوق ایک جزو ضعیف
اور اس ضعیف سے کل کام دو جہاں کے لیے (آب حیات)
بنایا ذوق جو انسان کو اس نے جزو ضعیف
تو اس ضعیف سے کل کام دو جہاں کے لیے (دیوان ذوق)

یہ غزل ذوق نے اپنی عمر کے چھپنویں سال میں لکھی ہے جو تجربے اور مشق کے لحاظ سے اُن کی شاعری کا بہترین دور مانا جا سکتا ہے - اس عہد کے کلام میں اول تو اصلاح کی ضرورت نہیں - دوسرے یہ غزل اُن کے بچپن کے کلام میں شامل بھی نہیں جس پر پختگیٔ عمر کے بعد نظر ثانی کی جاتی - ایسے کلام کے واسطے خود مولانا موقع بہ موقع تصریح کر دیتے ہیں کہ یہ غزل نظر ثانی سے شرف پا چکی ہے یا محروم رہی ہے وغیرہ- مزید برآں غزل ہذا ذوق کی بہترین غزلوں میں شمار ہوتی ہے - اس پر اصلاح کی ضرورت کیوں پیش آئی -

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ 'آب حیات' کے دوسرے ایڈیشن کے وقت حضرت مولانا کے پاس اس غزل کے واسطے اُن دو شعروں کے علاوہ جو کسی ذریعے سے اُن تک پہنچے ہیں ، حافظ ویران کے ایڈیشن کے سوائے ، جس سے یہ غزل حرفاً حرفاً متفق ہے ، کوئی اور ماخذ موجود بھی نہیں ہے - پھر چند سال بعد دیوان ذوق کی ترتیب کے وقت انھیں کون سا ایسا جدید ماخذ مل گیا جس نے اس غزل کے متن میں تغیر پیدا کر دیا ؟ مولانا نے اس کی نہ کوئی تصریح کی ہے نہ اس کی طرف کوئی اشارہ کیا ہے - غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ یہ اصلاح خود حضرت مولانا کے رنگ میں ہے - زبان کی ترقی کے علاوہ استاد ذوق کی عام سادگی کے برخلاف

اصلاحی ابیات میں مضمون کو پیچ دے کر ادا کرنے کی بھی کوشش سراسر نمایاں ہے ۔ بہت سے موقعوں پر مولانا کامیاب رہے ہیں مگر ایسے موقعے بھی کم نہیں جن کے لیے ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ شعر میں ترقی کی بجائے تنزل آ گیا ہے ۔ میں یہاں بعض اشعار سے بحث کرتا ہوں :

شعر ۱ : ذوق کا مقصد ہے کہ سوزش پنہاں کے مزے دل کے لیے خاص ہیں ۔ زبان ذائقے کا آلہ ہونے کے باوجود اس چٹخارے کو کیا جانے ۔ اس لیے ہم اس کا مزہ دل ہی دل میں اٹھاتے رہے اور کبھی زبان تک نہ لائے ، جس سے ہمارا راز عشق آشکارا ہو جاتا ۔

آزاد دیوان ذوق میں فرماتے ہیں کہ مزے کی چاشنی دل کے واسطے مقصود تھی مگر زبان کو مل گئی لیکن ہم نے سوزش نہانی کے لطف دل ہی دل میں اٹھائے ۔ کہنا پڑتا ہے کہ شعر میں صاف تنزل ہے ۔

شعر ۲ : ذوق نے دنیاوی شان و شوکت اور اس کے عروج کی پائداری سے صاف انکار کر دیا ہے ۔ آزاد نے اس انکار کو استفہام کے ساتھ ادا کیا ہے ، لیکن اس موقع پر انکار اور صریح انکار زیادہ مناسب ہے ۔

شعر ۳ : ذوق کے ہاں جو سادگی بیان اور بے ساختگی ہے ، آزاد کے ہاں موجود نہیں ۔ 'کاف علت' اور علت نے آزاد کی اصلاح کو ثقیل کر دیا ہے ۔

شعر ۵ : میں آزاد نے سوائے حشویہ لفظ 'شیخ' لا کے مضمون میں کوئی بات پیدا نہیں کی ۔

اشعار ۶ ، ۷ و ۸ میں زبان کے لحاظ سے آزاد کے ہاں یقیناً ترقی پائی جاتی ہے ۔

شعر ۹ : ذوق کا مقصد ہے کہ حرارت محبت نے میرا یہ حال کیا ہے کہ استخوان سر میں مغز ، مغز نہیں رہا سیماب بن گیا ۔ آزاد کے ہاں بر بنائے سوزش عشق جسم اڑنے لگا ہے ۔ پھر اپنا مقبول کاف (یعنی بلکہ) لا کر کہا ہے کہ عشق ہڈیوں کے لیے سیماب لایا ہے ۔ 'سوزش کی بنا

پر جسم کو جلنا چاہیے نہ اڑنا' ۔ یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے ۔ بہرحال ذوق کے ہاں مغز سر سیماب بنا ، آزاد کے ہاں سارا جسم سیماب بن گیا ۔ وہی مثل 'ہم نے بھی اڑائے ہم نے انڈے اڑائے ۔'

شعر ۱۰ : ذوق کا 'کیا اس' آزاد کے 'ہے کیا' سے بہتر ہے ۔

شعر ۱۱ : ذوق کا یہ شعر نہایت مشہور ہے اور ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے ۔ اس میں اصلاح کی گنجائش نظر نہیں آتی ۔ آزاد کی اصلاح 'قد خمیدہ' اور 'بال و وبال' کی تجنیس کے باوجود بالکل بے نمک اور پھیکی ہے ۔

شعر ۱۲ : میں آزاد کے ہاں ترقی ہے ۔

شعر ۱۳ : میں دونوں برابر ہیں ۔

شعر ۱۴ : یہ شعر بھی نہایت مشہور ہے اور ہر قسم کی اصلاح سے بے نیاز ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ محبوب کے ہر تازہ ستم کا سب سے پہلے میں ہی نشانہ بنتا ہوں ۔ گویا اس کے ستم نئی نئی تلواریں ہیں جن کی کاٹ اور باڑ مجھ پر آزمائی جاتی ہے ۔

آزاد فرماتے ہیں کہ 'نگاہ ناز کی شمشیر' کو آج اپنے جوہر دیکھتے تھے ۔ مجھے اپنا دل مرحوم یاد آیا کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو اس امتحان کے کام آتا ۔ مولانا کا میلان نازک خیالی کی طرف ضرور ہے لیکن معناً کوئی ترقی نہیں کی ۔

شعر ۱۵ : ذوق کا شعر بہتر ہے ۔

شعر ۱۶ ، ۱۷ میں آزاد نے ترقی کی ہے ۔

شعر ۱۸ : ذوق کا بیان ہے کہ ہم آہ بھی کرتے ہیں تو پنہاں کرتے ہیں ۔ اگر کہیں شعلۂ آہ بلند ہو جائے تو آسمان کے لیے ایک اور آفتاب تیار ہو جائے ۔

حضرت آزاد کا شعر ایک مستانہ بنکار معلوم ہوتا ہے کہ اگر لہر آگئی تو شبِ فراق میں آہ کا شعلہ آسمان میں اڑا کر ایک نیا آفتاب قائم کر دیں گے ۔

شعر ۱۹ : ذوق فرماتے ہیں کہ خدا نے موجودات عالم میں انسان کو ایک ناتواں فرد پیدا کیا ہے، مگر اس کی قدرت ملاحظہ ہو کہ ایسی ضعیف ہستی کو کائنات کا مظہر کل قرار دیا -

ادھر مولانا آزاد نے 'حروف شرط و جزا حشویہ' لا کر زبان میں گرانی پیدا کر دی ہے -

ہر شخص اپنی تحریر و تقریر میں بعض بعض الفاظ اپنی زبان سے بار بار ادا کرتا ہے جو بوجہ کثرت استعمال اس کے بیان کا اسلوب خاص بن جاتے ہیں - مولانا کے اسلوب تحریر کی بابت اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ کاف بیانیہ وغیرہ اور 'جو' (خواہ بحیثیت شرطیہ ، اسم موصول یا تابع فعل) ان کی تحریر میں بکثرت ملتے ہیں - مثلاً ان اصلاحی اشعار میں 'کاف بیانیہ' وغیرہ تین مرتبہ لائے ہیں جب کہ تینوں جگہ استاد ذوق کے ہاں شامل نہ تھا - امثال آیندہ ملاحظہ ہوں :

ع: کہ یہ چراغ ہے اس تیرہ خاک داں کے لیے (آزاد)
ع: یہی چراغ ہے اس تیرہ خاک داں کے لیے (ذوق)
ع: کہ لایا عشق ہے سیماب استخواں کے لیے (آزاد)
ع: بجائے مغز ہے سیماب استخواں کے لیے (ذوق)
ع: کہ یادگار زمانہ رہے نشاں کے لیے (آزاد)
ع: جو ہو تو خشت خم ہے کوئی نشاں کے لیے (ذوق)

اب ظاہر ہے کہ آزاد 'کاف' بکثرت لاتے ہیں - یہی حالت 'جو' کی ہے[1] - امثال :

---

۱ - مولانا کی نظم 'خواب امن' میرے سامنے ہے - اس میں ۱۶۹ شعر ہیں جن میں 'جو' انیس (۱۹) بار استعمال ہوا ہے - گویا ہر آٹھ شعر کے ساتھ ایک مرتبہ آیا ہے - 'خواب امن' کا ابتدائی شعر ہے :

تھک کے خورشید نے کل دم جو سر شام لیا
دل نے بھی کرسی آرام پہ آرام لیا

یعنی پہلے ہی شعر میں جو نمودار ہے - یہ دو شعر ایک اور جگہ سے دیے جاتے ہیں : (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۳ پر)

ع: جو سنگ کعبہ کے بوسے میں حج کعبہ ہے شیخ (آزاد)
ع: حجر کے چومنے ہی پر ہے حج کعبہ اگر (ذوق)
ع: تمہاری نرگس بیمار نے جو کی تھی نگاہ (آزاد)
ع: صریح چشم سخن گو تری کہے نہ کہے (ذوق)
ع: خطر جو ہے تو یہی ہے مزاج داں کے لیے (آزاد)
ع: بجا ہے ہول دل آن کے مزاج داں کے لیے (ذوق)
ع: بنایا ذوق جو انساں کو اس نے جزو ضعیف (آزاد)
ع: بنایا آدمی کو ذوق ایک جزو ضعیف (ذوق)

ایسی اصلاح کو استادانہ نہیں کہا جا سکتا، نہ ذوق کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ سب سے عجیب امر یہ ہے کہ آزاد 'آب حیات'

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۳ سے)

باغباں قدرت حق کا تھا جو آیا اس جا
تختہ اک تھا گل خود رو کا لگایا اس جا

دامن کوہ سے چشمہ جو ہوا تھا جاری
آب شیریں سے پڑا کرتا تھا شیریں کاری

نیز یہ دو مسلسل شعر:

درس و تدریس کے چرچے جو ہیں گھر گھر جاری
ہیں یہ جمعیت خاطر ہی کی باتیں ساری

جو ہمیں چاہییں موجود ہیں سارے ساماں
ملتے ہیں پہلے ضرورت سے ہمارے ساماں

ایک اور مقام سے یہ دو شعر:

عیش نے ہے جو تمھیں جان سے رنجور کیا
ضعف دل نے تمھیں ہمت سے ہے معذور کیا

کر دیا امن نے جو عیش کا پابند تمھیں
اور کیا بستر راحت کا ہے پیوند تمھیں

اب ظاہر ہے کہ 'جو' کے استعمال میں مولانا کفایت سے کام نہیں لیتے۔

اور 'دیوان ذوق' میں اسی غزل کا اس قدر متفاوت متن دے رہے ہیں اور کوئی وجہ نہیں دیتے ۔

'آب حیات' میں جو دو شعر زائد ہیں ، یہ ہیں :

(۱) دم عروج ہے کیا فکر نردباں کے لیے
کمند آہ تو ہے بام آسماں کے لیے

(۲) اشارہ چشم کا تیری یکایک اے قاتل
ہوا بہانہ مری مرگ ناگہاں کے لیے

آزاد نے دیوان میں ایک اور شعر دیا ہے :

نگاہ ناز نے کی دیر ورنہ میں تیار
ہوں کب سے بیٹھا ہوا مرگ ناگہاں کے لیے

لیکن یہ شعر ، شعر ۲ سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے بلکہ اس کا بدلہ ہے ۔

مذکورہ بالا دونوں غزلیں ذوق کی چوٹی کی غزلوں میں شمار ہوتی ہیں ۔ بظاہر ان میں اگرچہ کسی اصلاح کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے باوجود مولانا کا اصلاحی ہاتھ ان میں کام کر رہا ہے ۔ جب یہاں ان کا قلم نہیں رک سکا تو خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس کا دائرۂ عمل بہت وسیع ہوگا ۔ میں ان اصلاحوں کے اخلاق پہلو سے بحث کرنی نہیں چاہتا ۔ نہ اس عجیب و غریب صورت حال کی بابت کچھ کہنا چاہتا کہ شاگرد ، استاد کے کلام کو اپنی اصلاح کا تختۂ مشق بنا کر الٹی گنگا بہا رہا ہے ۔ ان امور سے قطع نظر کرکے میں دیوان کے ایسے اصلاح شدہ اشعار کی فہرست پر ذیل میں قناعت کرتا ہوں جس میں حافظ ویران اور مولانا کے اڈیشنوں کے متن فرق دکھانے کے لیے آمنے سامنے نقل کر دیے گئے ہیں :

تیرہ روزی نے مری مہر جہاں تاب کا نور
دیا جس وقت اڑا کرمک شب تاب بنا (متن ویران)

تیرہ روزی نے مری مہر جہاں تاب کا نور
جب اڑایا تو وہیں کرمک شب تاب بنا (اصلاح آزاد)

خال عارض ترا ہندو ہے بلا ہے کافر
تیرہ بختوں کے ہئے ذبح تو قصاب بنا (متن ویران)

خال عارض ہے جو ہندوے خدا ترس تو کیا
ہم سیہ بختوں کے حق میں تو ہے قصاب بنا (اصلاح آزاد)

مقدر ہی یہ گر سود و زیاں ہے
تو ہم نے یاں نہ کچھ کھویا نہ پایا (متن ویران)

مقدر ہے یہ گر سود و زیاں سے
تو ہم نے یاں نہ کچھ کھویا نہ پایا (اصلاح آزاد)

سراغ عمر رفتہ ہو تو کیوں کر
کہیں جس کا نشان پا نہ پایا (متن ویران)

سراغ عمر رفتہ ہاتھ کیا آئے
کہیں جس کا نشان پا نہ پایا (اصلاح آزاد)

احاطے سے فلک کے ہم تو کب کے
نکل جاتے مگر رستا نہ پایا (متن ویران)

فلک کے گنبد بے در سے ہم تو
نکل جاتے مگر رستا نہ پایا (اصلاح آزاد)

کہے کیا ہائے زخم دل ہمارا
دہن پایا لب گویا نہ پایا (متن ویران)

یہی ہردم ہے زخم دل کو رونا
دہن پایا لب گویا نہ پایا (اصلاح آزاد)

نام ہوں ہستی میں بالاتر ہمارا ہو گیا
جس طرح پانی کوئیں کی تہ میں تارا ہو گیا (متن ویران)

یوں تنِ خاکی میں دل روشن ہمارا ہو گیا
جس طرح پانی کوئیں کی تہ میں تارا ہو گیا (اصلاح آزاد)

دل پہ زخموں کی ترقی سے ہوئی اور اک بہار
آگے تھا صد برگ یہ گل اب ہزارا ہو گیا (متن ویران)

دل پہ زخموں کی ترق سے عجب پائی بہار
آگے تھا صد برگ یہ گل اب ہزارا ہو گیا (اصلاح آزاد)

دی شہادت نشے کی سرخی سے چشم یار نے
خوں رہا اپنا نہ پنہاں آشکارا ہو گیا (متن ویران)

چشم مست یار میں آخر ہوئی سرخی عیاں
لو ہمارا خون پنہاں آشکارا ہو گیا (اصلاح آزاد)

جو خط میں لکھا اُس نے وہ اس لکھنے سے پہلے
مکتوب سر لوح جبیں ہو ہی چکا تھا (متن ویران)
جو خط میں لکھا اس نے وہ لکھنے سے بھی پہلے
مکتوب سر لوح جبیں ہو ہی چکا تھا (اصلاح آزاد)

بے بدرقۂ مرگ توقف رہا ورنہ
عزم سفر جان حزیں ہو ہی چکا تھا (متن ویران)
بے بدرقۂ مرگ توقف رہا ورنہ
تجھ بن سفر جان حزیں ہو ہی چکا تھا (اصلاح آزاد)

ذبح ہونے کا مزا جانتا گر صید حرم
رکھ کے خنجر پہ گلا آپ وہ بسمل ہوتا (متن ویران)
ذبح ہونے کا مزا جانتا گر صید حرم
آپ گردن پہ چھری پھیر کے بسمل ہوتا (اصلاح آزاد)

وہ ہیں کیا جو زر بکف ہیں یہ ہمیشہ سر بکف ہیں
ترے جاں نثار کا سا نہیں دست جود ہوتا (متن ویران)

جو رقیب [زر] بکف ہیں کبھی ہوتے سربکف بھی
ترے جاں نثار کا گر انہیں دست جود ہوتا (اصلاح آزاد)

جو ہے سر گذشتہ اُس کو نہیں دینا سر کا مشکل
کہ وہ سر بکف نہ ہوتا جو نہ دست جود ہوتا[1] ایضاً

---

۱ - دونوں شعر ایک دوسرے سے ماخوذ ہیں - مولانا نے دونوں
کو رہنے دیا -

نیمچہ جب مرے قاتل نے بغل میں مارا
جو چڑھا منہ اسے میدان اجل میں مارا (متن ویران)

نیمچہ یار نے جس وقت بغل میں مارا
جو چڑھا منہ اسے میدان اجل میں مارا (اصلاح آزاد)

ہم نے جانا وہیں اس عشق نے مارا اس کو
کیشہ فرہاد نے جس وقت جبل میں مارا (متن ویران)

ہم نے جانا تھا جبھی عشق نے مارا اس کو
تیشہ فرہاد نے جس وقت جبل میں مارا (اصلاح آزاد)

کس دم نہیں ہوتا قلق ہجر ہے ہم کو
کس وقت مرا منہ کو کلیجا نہیں آتا (متن ویران)

کس دم نہیں گھٹتا مرا دم سینے میں غم سے
کس وقت مرا منہ کو کلیجا نہیں آتا (اصلاح آزاد)

ساتھ آہ کے دل بھی مع پیکاں نکل آیا
تھا کام تو مشکل مگر آساں نکل آیا (متن ویران)

ساتھ آہ کے شب دل سے وہ پیکاں نکل آیا
تھا کام تو مشکل مگر آساں نکل آیا (اصلاح آزاد)

نہ منہ ڈال خار آبلے میں کہ ہوگا
یہ ساغر مئے کہربائی کا جھوٹا (متن ویران)

اڑا کر کیا رنگ الفت کو رخ نے
یہ ساغر مئے کہربائی کا جھوٹا (اصلاح آزاد)

مجھے نعمت خلد سے بھی ہے بہتر
ترے در پہ ٹکڑا گدائی کا جھوٹا (متن ویران)

مجھے نعمت خلد ہووے جو پاؤں
ترے در پہ ٹکڑا گدائی کا جھوٹا (اصلاح آزاد)

رسائی ہوئی جب کہ دامن تک اس کی
ہوا ہاتھ اپنی رسائی کا جھوٹا (متن ویران)

ہوا بخت دامن سے جب ان کے سچا
ہوا ہاتھ اپنی رسائی کا جھوٹا (اصلاح آزاد)

خدا جانے ہے ذوق جھوٹا کہ سچا
مگر وہ نہیں آشنائی کا جھوٹا (متن ویران)

خدا جانے ہے ذوق جھوٹا کہ سچا
نہیں ہے ولے آشنائی کا جھوٹا (اصلاح آزاد)

جس کے سبب لڑائی ہو وہ آدمی نہیں
کانٹا ہے گھر میں سیہہ کا یا گل کنیر کا (متن ویران)

جس گھر میں ہو لڑائی وہاں آدمی نہیں
کانٹا سمجھیے سیہہ کا یا گل کنیر کا (اصلاح آزاد)

کعبے کا قصد اور ترے درد ہجر سے
میں اے صنم ہوں پہلی ہی منزل پہ لوٹتا (متن ویران)

کعبے کا رخ ہے اور ترے درد فراق سے
میں اے صنم ہوں پہلی ہی منزل میں لوٹتا (اصلاح آزاد)

جنت ہے زندگی میں زمانہ شباب کا
پیری ہے پہلے مرگ سے آنا عذاب کا (متن ویران)

عالم ہے زندگی میں زمانہ شباب کا
گلشن میں برگ برگ ہے پھول آفتاب کا (اصلاح آزاد)

اتنا تو سوز فغاں ہو کہ چمن میں بلبل
خرمن گل کی جگہ ڈھیر ہو انگاروں کا (متن ویران)

اتنا تو شور و فغاں ہو کہ چمن میں بلبل
خرمن گل کی جگہ ڈھیر ہو انگاروں کا (اصلاح آزاد)

ہیں کماں دار ترے تیر مژہ تشنۂ خوں
منہ کھلا رہتا ہے اس واسطے سوفاروں کا (متن ویران)

اے ستم گر جو ترے تیر نہیں تشنۂ خوں
تو کھلا رہتا ہے منہ کس لیے سوفاروں کا (اصلاح آزاد)

پنجۂ مہر کو خون شفق میں ہر روز
غوطے کیا کیا ہے ترا دست حنائی دیتا (متن ویران)

پنجۂ مہر کو بھی خون شفق میں ہر صبح
غوطے کیا کیا ہے ترا دست حنائی دیتا (اصلاح آزاد)

خوگر ناز ہوں کس کا کہ مجھے ساغر مے
بوسۂ لب نہیں بے چشم نمائی دیتا (متن ویراں)

ساغر مے بھی ترے کشتۂ انداز کو یار
بوسۂ لب نہیں بے چشم نمائی دیتا (اصلاح آزاد)

منہ سے بس کرتے نہ ہرگز یہ خدا کے بندے
گر حریصوں کو خدا ساری خدائی دیتا (متن ویران)

منہ سے بس کرتے نہ ہرگز یہ خدا کے بندے
گر انھیں آ کے خدا ساری خدائی دیتا (اصلاح آزاد)

ہو تو عاشق سوچ کر اس دشمن ایمان کا
دل نہ کر جلدی کہ جلدی کام ہے شیطان کا (متن ویران)

نکتہ اس بت سے کبھی لیویں گے ہم ایمان کا
ایسی کیا جلدی ہے ، جلدی کام ہے شیطان کا (اصلاح آزاد)

دیکھنا اے ذوق ہوں گے آج پھر لاکھوں کے خوں
پھر جمایا اس نے لعل لب پہ لاکھا پان کا (متن ویران)

دیکھنا اے ذوق ہوں گے آج پھر لاکھوں کے خوں
وہ جماتا ہے لب لعلیں پہ لاکھا پان کا (اصلاح آزاد)

جگر،دل دونوں پہلو میں ہیں زخمی اس نے کیا جانیں
ادھر مارا تو کیا مارا ، ادھر مارا تو کیا مارا (متن ویران)

جگر زخمی ہے اور دل لوٹتا ہے ، تم نے کیا جانے
ادھر مارا تو کیا مارا ، ادھر مارا تو کیا مارا (اصلاح آزاد)

میں جو شہید ہوں لب خندان یار کا
کیا کیا چراغ ہنستا ہے میرے مزار کا (متن ویران)

میں وہ شہید ہوں لب خندان یار کا
ہنستا رہے چراغ بھی میرے مزار کا (اصلاح آزاد)

ہے عین وصل میں بھی مری آنکھ سوے در
لپکا جو پڑ گیا ہے مجھے انتظار کا (متن ویران)

تو بر میں ہے مگر ہے مری آنکھ سوے در
لپکا جو پڑ گیا ہے مجھے انتظار کا (اصلاح آزاد)

حذر ہے خوں سے دل پائمال کے کیسا
چلا ہے دیکھو وہ دامن سنبھال کے کیسا (متن ویران)

خطر ہے خوں سے دل پائمال کے کیسا
بچا ہے دیکھنا دامن سنبھال کے کیسا (اصلاح آزاد)

نہیں ہے جوگی اگر چشم یار گرد اس کے
ہجوم کرتے ہیں مژگاں کے بالکے کیسا (متن ویران)

کسی کے رخ پہ ہے جوگی جو چشم ہندو زاد
تو اس کو گھیرے ہیں مژگاں کے بالکے کیسا (اصلاح آزاد)

دل یہ کہتا ہے کہ تو ساتھ ہی لے چل مجھ کو
ورنہ میں جاکے وہاں دیکھ مچل جاؤں گا (متن ویران)

دل سے کہتا ہوں کہ تو ساتھ نہ لے جا مجھ کو
جاکے میں واں ترے قابو سے نکل جاؤں گا (اصلاح آزاد)

کوچۂ یار میں جاؤں گا تو مثل خورشید
پاس آداب سے میں سر ہی کے بل جاؤں گا (متن ویران)

دیکھ کر کوئی صنم کہتا ہے یہ پاس ادب
ہوں جو خورشید تو یاں سر ہی کے بل جاؤں گا (اصلاح آزاد)

دل کہے ہے کہ مجھے روزن سینہ سے نکال
ورنہ خوں ہوکے میں آنکھوں سے نکل جاؤں گا (متن ویران)

دل یہ کہتا ہے مجھے روزن سینہ سے نکال
ورنہ خوں ہوکے میں آنکھوں سے نکل جاؤں گا (اصلاح آزاد)

آنکھ سے اشک صفت مجھ کو گرا کر نہ سنبھال
میں نہیں وہ کہ سنبھالے سے سنبھل جاؤں گا (متن ویران)

آنکھ سے اشک صفت مجھ کو گرا کر نہ اٹھا
دل نہیں میں کہ سنبھالے سے سنبھل جاؤں گا (اصلاح آزاد)

ہوں وہ مشتاق شہادت کہ ترے ہاتھ سے میں
پائے کوباں تہ شمشیر اجل جاؤں گا (متن ویران)

میں وہ مشتاق شہادت ہوں کہ سر دینے کو
پائے کوباں تہ شمشیر اجل جاؤں گا (اصلاح آزاد)

واں رخ شگفتگی سے رخ ورد بن گیا
یاں غم سے روے زرد گل زرد ہو گیا (متن ویران)

آ اے مرے چمن کے گل ورد دیکھ لے
عاشق کا رنگ زرد زر ورد ہو گیا (اصلاح آزاد)

دکھا دے جلوہ جو مسجد میں وہ بت کافر
تو چیخ اٹھے موذن جدا، خطیب جدا (متن ویران)

الٰہی جلوہ ہے کس بت کا آج مسجد میں
کہ دم بخود ہے مؤذن جدا، خطیب جدا (اصلاح آزاد)

جدا نہ درد جدائی ہو گر، مرے اعضا
حروف درد کی صورت ہوں اے طبیب! جدا (متن ویران)

تمھارا درد جدائی نہ ہو جدا، مجھ سے
حروف درد میں ہو حکمت طبیب جدا (اصلاح آزاد)

رہا پامال وہ عشق کی تربت کا نشاں
اُس پہ تعویذ جو نقش کف‌پا نے رکھا (متن ویران)

تھا نہ پامال وہ عشق کی تربت کا نشاں
ہارے تعویذ تو نقش کف‌پا نے رکھا (اصلاح آزاد)

نشہ دولت کا بد اطوار کو جس آن چڑھا
سر پہ شیطان کے ایک اور بھی شیطان چڑھا (متن ویران)

نشہ دولت کا بد اطوار کو جس آن چڑھا
سر پہ شیطان کے یاں اور بھی شیطان چڑھا (اصلاح آزاد)

چڑھ گیا جب کہ زمیں توسن وحشت اپنا
دیں گے افلاک پہ ہم خاک بیابان چڑھا (متن ویران)

توسن وحشت اگر اپنا زمیں چڑھ جائے
ابھی افلاک کو دیں خاک بیابان چڑھا (اصلاح آزاد)

میں نے جب دیکھا مہ نو تو اس ابرو کا خیال
لے کے خنجر مری چھاتی پہ وہیں آن چڑھا (متن ویران)

دل نے کب دیکھا مہ نو کو جو ابرو کافر
لے کے شمشیر ہے سینے پہ مرے آن چڑھا (اصلاح آزاد)

جب لڑی آنکھ تری کوئی مرے دل کے سوا
فوج مژگاں کے نہ منہ پر سر میدان چڑھا (متن ویران)

آنکھ تو لڑ گئی پر کوئی بھی اس دل کے سوا
فوج مژگاں کے نہ منہ پر سر میدان چڑھا (اصلاح آزاد)

ناز سے تان کے ابرو سے لگا تیر نگہ
چاہ جلد اپنی کہاں پر ترے قربان، چڑھا (متن ویران)

بوالھوس جاتے ہیں گر دام میں آ ہو کی طرح
چاہ ابرو کی کہاں پر ترے قربان، چڑھا (اصلاح آزاد)

غمز (ہ) و ناز کو دی سونپ متاع دل و جاں
چور تھا پر نظر اپنی پہ نگہبان چڑھا (متن ویران)

نگہ یار کو دی سونپ متاع دل و جاں
چور قسمت سے نظر اپنی نگہبان چڑھا (اصلاح آزاد)

تیز جو کرنے لگا عشاق پر تیغ نگاہ
چشم کی گردش سے وہ کار فساں لینے لگا (متن ویران)

آ کے دل پر جب کبھی کرنے لگے تیغ نگاہ
چشم کی گردش سے وہ کار فساں لینے لگا (اصلاح آزاد)

حسن سے ہے تا دل آہن بھی گرم اختلاط
شمع کی گلگیر جو منہ میں زباں لینے لگا[۱] (متن ویران)

ذوق حسن و عشق روشن ہو گیا سب بزم پر
شمع کی گلگیر جو منہ میں زباں لینے لگا (اصلاح آزاد)

آتارا تو نے تو سر تن سے اس شامت کے مارے کا
ارے احسان مانوں سر سے میں تنکا اُتارے کا (متن ویران)

آتارا تو نے سر تن سے گر اس شامت کے مارے کا
تو بھولوں گا نہ میں احسان ترے تنکا اُتارے کا (اصلاح آزاد)

ستارے دیکھ کر موتی تمھارے گوشوارے کا
کہیں ، ہم کو ملا یہ نور صدقہ اس ستارے کا (متن ویران)

ستارے دیکھ کر موتی تمھارے گوشوارے کا
کہیں گے ہے ہمارا نور صدقہ اس ستارے کا (اصلاح آزاد)

مری منزل میں ہے ماہ سریع السیر وہ مہ وش
خواص اسکا ہے گھر میں دشمنوں کے قطب تارے کا (متن ویران)

مرے گھر میں تو ہو ماہ سریع السیر بن جائے
کیا غیروں میں پیدا حکم کیونکر قطب تارے کا (اصلاح آزاد)

خریدار اس کی رحمت جنس عصیاں کی ہے گر یہ سے
چھوڑ ک کر بیچتا ہوں نفع پر سودا خسارے کا (متن ویران)

گنہ رحمت سے اس کی بخشوائے دل نے رو رو کر
چھوڑ ک کر ہم نے بیچا نفع پر سودا خسارے کا (اصلاح آزاد)

۱- یہ شعر اسی طرح گلشن بے خار (۱۱۸ ، طبع اردو اخبار پریس ، دہلی ۱۲۵۹ ھ) میں درج ہے ۔

ہو زیادہ آب خنجر کی الٰہی آبرو
آج مدت میں ہمارا حلق تر اچھا ہوا (متن ویران)

کم نہ ہو اس آب خنجر کی الٰہی آبرو
آج مدت میں ہمارا حلق تر اچھا ہوا (اصلاح آزاد)

ابھی کیا سرد قاتل یہ شہید تفتہ جاں ہوتا
کوئی دم شمع مردہ میں بھی گر باقی دھواں ہوتا (متن ویران)

ابھی ٹھنڈا بھلا کیوں کر شہید تفتہ جاں ہوتا
کوئی دم شمع مردہ میں بھی ہے باقی دھواں ہوتا (اصلاح آزاد)

جو روتا کھول کر جی تنگنائے دہر میں عاشق
تو جوئے کہکشاں میں بھی فلک پر خوں رواں ہوتا (متن ویران)

اگر جی کھول کر میں تنگنائے دہر میں روتا
تو جوئے کہکشاں میں بھی فلک پر خوں رواں ہوتا (اصلاح آزاد)

ترے خونیں جگر کی خاک پر ہوتا اگر سبزہ
تو مژگاں کی طرح سے اس کی دائم خوں رواں ہوتا (متن ویران)

ترے خونیں جگر کی خاک پر ہوتا اگر سبزہ
تو مثل موئے مژگاں اس سے پیہم خوں رواں ہوتا (اصلاح آزاد)

رکاوٹ دل کی اس قاتل کے وقت ذبح ظاہر ہے
کہ خنجر ہے مری گردن پہ رک رک کر رواں ہوتا (متن ویران)

رکاوٹ دل کی قاتل کے بوقت ذبح ظاہر تھی
کہ خنجر تھا مری گردن پہ رک رک کر رواں ہوتا (اصلاح آزاد)

آنکھیں مری تلووں سے وہ مل جائے تو اچھا
ہے حسرت پابوس، نکل جائے تو اچھا (متن ویران)

آنکھیں مری تلووں سے وہ مل جائے تو اچھا
یہ حسرت پابوس نکل جائے تو اچھا (اصلاح آزاد)

کھینچے دل انساں کو نہ وہ زلف سیہ فام
اژدر کوئی انساں کو نگل جائے تو اچھا (متن ویران)

کھینچے دل انساں کو نہ وہ زلف سیہ فام
سانپ اس کو اگر آ کے نگل جائے تو اچھا (اصلاح آزاد)

تاثیر محبت عجب اک سحر کا عمل ہے
لیکن یہ عمل یار پہ چل جائے تو اچھا (متن ویران)
تاثیر محبت تو عجب سحر کا عمل ہے
لیکن یہ عمل یار پہ چل جائے تو اچھا (اصلاح آزاد)

سدا ملائکِ تسبیح خواں کو آئے رشک
جو میکدے میں سنیں شور ہائے و ہو میرا (متن ویران)
مقام وجد میں آئیں ابھی ملائک عرش
جو میکدے میں سنیں شور ہائے و ہو میرا (اصلاح آزاد)

فلک کا رنگ جو اب تک سیاہ ہے اس پر
پڑا تھا سایۂ بخت سیہ کبھو میرا (متن ویران)
نظر جو آتا ہے اب تک فلک کا رنگ سیاہ
پڑا تھا سایۂ بخت سیہ کبھو میرا (اصلاح آزاد)

پاؤں کب نکلے[1] رکاب حلقۂ زنجیر سے
توسن وحشت ہمارا گرم جولاں ہی رہا (متن ویران)
حلقۂ زنجیر میں بھی دل رہا پادر رکاب
توسن وحشت ہمارا گرم جولاں ہی رہا (اصلاح آزاد)

وہ ہوں ناکام سمجھا نامرادی جو مراد اپنی
مرے مرقد پہ چلہ اس نے آ کر دوستاں باندھا (متن ویران)
وہ ہوں ناکام سمجھا نامرادی جو مراد اپنی
مرے مرقد پہ چلہ دشمنوں نے دوستاں باندھا (اصلاح آزاد)

جہاں میں عرصہ عشرت سے سوا دہ چند ہے غم کا
اگر ہو عید کا اک دن تو عشرہ ہو محرم کا (متن ویران)

---

۱ - 'گلشن بے خار' ۱۱۶ (طبع اردو اخبار پریس ۱۲۵۹ھ) میں 'نکلے' کی جگہ 'نکلا' تحریر ہے -

جہاں میں عرصہ عشرت سے سوا دہ چند ہے غم کا
کہ ہے گر عید کا اک دن تو عشرہ ہے محرم کا (اصلاح آزاد)

کیا جانے تیغ عشق کی لذت کو بوالہوس
گو جوں ملخ وہ حلق بریدوں میں مل گیا (متن ویران)

لذت کو تیغ عشق کی سن سن کے بوالہوس
آ کر ملخ سا حلق بریدوں میں مل گیا (اصلاح آزاد)

یوں لائے واں سے ہم دل صد پارہ ڈھونڈھ کر
دیکھا جہاں بڑا کوئی ٹکڑا ، اٹھا لیا (متن ویران)

یوں لائے واں سے ہم دل صد پارہ کرکے جمع
دیکھا جہاں پڑا کوئی ٹکڑا ، اٹھا لیا (اصلاح آزاد)

کیوں تکبر بولتا یہ بندہ محکوم القضا
گر بڑا بول اپنا قاضی کا پیادہ جانتا (متن ویران)

بولتا بڑھ بڑھ کے اتنا کیوں بشر مست غرور
گر بڑا بول اپنا قاضی کا پیادہ جانتا (اصلاح آزاد)

سرمہ ہے سفاک شہرہ ہے نگاہ یار کا
سچ کہا ہے بڑ کاٹے نام ہو تلوار کا (متن ویران)

قتل کرتی ہے نگہ شہرہ نگاہ یار کا (کذا)
سچ کہا ہے باڑ کاٹے ، نام ہو تلوار کا (اصلاح آزاد)

محتسب شعلۂ آواز سے جل جاوے گا
گرچہ ٹوٹا دل آتش نفس جام شراب (متن ویران)

محتسب شعلۂ آواز سے جل جائے گا
ٹوٹا گر اک دل آتش نفس جام شراب (اصلاح آزاد)

ہو برسوں ہجر ، وصل ہو گر ایک دم نصیب
کم ہوگا کوئی مجھ سا محبت میں کم نصیب (متن ویران)

ہو ہجر مدتوں جو ہو وصل ایک دم نصیب
کم ہوگا کوئی ہم سا بھی الفت میں کم نصیب (اصلاح آزاد)

محضر خوں جو مرا سارا کتر کر پھینکا
دے گی اس ظلم کی محشر میں گواہی مقراض (متن ویران)

محضر خوں مرا سارا ہے کتر کر پھینکا
دے گی اس ظلم کی محشر میں گواہی مقراض (اصلاح آزاد)

پھر کر ادھر آدھر نہ ہمارا گیا قلق
لفظ قلق کی طرح سے وہ ہی رہا قلق (متن ویران)

پھر کر ادھر آدھر بھی نہ اپنا گیا قلق
لفظ قلق کی طرح سے یوں ہی رہا قلق (اصلاح آزاد)

صفحۂ دہر پہ یک دل نہ ہوا ایک سے ایک
دل کے دو حرف ہیں سو وہ بھی جدا ایک سے ایک (متن ویران)

صفحۂ دہر پہ یک دل نہ ہوا ایک سے ایک
دل کے دو حرف ہیں سو بھی ہے جدا ایک سے ایک (اصلاح آزاد)

برنگ غنچۂ پیکان و غنچۂ تصویر
نہ دیکھا اپنا شگفتہ کسی بہار میں دل (متن ویران)

برنگ غنچۂ پیکان و غنچۂ تصویر
ہوا شگفتہ نہ اپنا کسی بہار میں دل (اصلاح آزاد)

نیشترجل کے نہ جوں کشتۂ فولاد ہو خاک
نکلے ہے آتش سودا سے مری لوہو گرم (متن ویران)
نیشتر جل کے وہیں کشتۂ فولاد ہوا
نکلا یہ آتش سودا سے مرا لوہو گرم (اصلاح آزاد)

شورابۂ سرشک سے دھوتا ہے زخم دل
تیزاب میرے حق میں یہ مرہم سے کم نہیں (متن ویران)
شورابۂ سرشک میں ڈوبا ہوا ہے دل
تیزاب میرے زخم پہ مرہم سے کم نہیں (اصلاح آزاد)

ہم اُن کے زور کے قائل ہیں ہیں وہی شہ زور
جو عشق میں دل مضطر کو تھام لیتے ہیں (متن ویران)

ہم ان کے زور کے قائل ہیں زور بازو میں
جو عشق میں دل مضطر کو تھام لیتے ہیں (اصلاح آزاد)

فقط قمر ہی نہ داغی غلام ہے ان کا
وہ مول ایسے ہزاروں غلام لیتے ہیں (متن ویران)

قمر کا داغ بھلا آئے کس حساب میں واں
وہ مول ایسے ہزاروں غلام لیتے ہیں (اصلاح آزاد)

عشق کو نشو و نما منظور کب ہے ورنہ سبز
تخم اشک شمع ہو خاکستر پروانہ میں (متن ویران)

عشق کو اے حسن اگر نشو و نما منظور ہو
سبز نخل شمع ہو خاکستر پروانہ میں (اصلاح آزاد)

خواہ پھرتا ہے فلک اور خواہ پھرتی ہے زمیں
ہر ہمارے واسطے یاں منزل راحت نہیں (متن ویران)

خواہ گردش ہے زمیں کو خواہ پھرتا ہے فلک
ہر ہمیں زیر فلک سر منزل راحت نہیں (اصلاح آزاد)

اُس کے گھر لے چلا مجھے دیکھو
دل خانہ خراب کی باتیں (متن ویران)

پھر مجھے لے چلا اُدھر دیکھو
دل خانہ خراب کی باتیں (اصلاح آزاد)

یاد ہیں مہ جبیں کہ بھول گئے
وہ شب ماہتاب کی باتیں (متن ویران)

مہ جبیں یاد ہیں کہ بھول گئے
وہ شب ماہتاب کی باتیں (اصلاح آزاد)

راہ جنوں میں جلد اٹھاؤں جو میں قدم
پائے رفیق و ہمت رہبر کو توڑ دوں (متن ویران)

دشت جنوں میں میں جو اٹھایا ذرا قدم
پائے رفیق و ہمت رہبر کو توڑ دوں (اصلاح آزاد)

ہم اپنے جذبۂ دل کے اثر کو دیکھتے ہیں
وہ پہلے بزم میں دیکھیں کدھر کو دیکھتے ہیں (متن ویران)
وہ دیکھیں بزم میں پہلے کدھر کو دیکھتے ہیں
محبت آج ترے ہم اثر کو دیکھتے ہیں (اصلاح آزاد)
وہ روز ہم کو گزرتا ہے جیسے عید کا دن
کبھی جو شکل تمہاری سحر کو دیکھتے ہیں (متن ویران)
وہ دن تو عید کا ہوتا ہے دن ہمارے لیے
تمہارا اٹھ کے جو منہ ہم سحر کو دیکھتے ہیں (اصلاح آزاد)
سایۂ سرو چمن مجھ بن ڈراتا ہے مجھے[1]
اژدہا بن بن کے شب اے رشک گلشن آب میں (متن ویران)
سایۂ سرو چمن نے کیا ڈرایا ہے مجھے
اژدہا بن بن کے شب اے رشک گلشن آب میں (اصلاح آزاد)
خط کو ہم لکھنے جو بیٹھے آنکھ سے امڈے یہ اشک[2]
بہہ گیا خط لکھتے لکھتے مشفق من آب میں (متن ویران)
شب جو ہم لکھنے کو بیٹھے آنکھ سے امڈے یہ اشک
بہہ گیا خط لکھتے لکھتے مشفق من آب میں (اصلاح آزاد)
ہوں وہ شگفتہ دل کہ نہ دوزخ میں تنگ ہوں
آہن کی طرح آگ میں بھی لالہ رنگ ہوں[3] (متن ویران)
ہوں وہ شگفتہ دل کہ نہ دوزخ میں تنگ ہوں
آہن تو آگ میں ہوں مگر لالہ رنگ ہوں (اصلاح آزاد)
جو ہے سو پہلے میرے اٹھانے کی فکر میں[4]
محفل میں اس کی کیا کوئی چوسر کا رنگ ہوں (متن ویران)

---

۱ - صفحہ ۱۱۷ 'گلشن بے خار' میں اسی طرح درج ہے -
۲ - صفحہ ۱۱۸ 'گلشن بے خار' میں بھی اسی طرح مرقوم ہے -
۳ - 'گلشن بے خار' میں (صفحہ ۱۲۳) مصرع دوم اسی طرح مرقوم ہے -
۴ - 'گلشن بے خار' (صفحہ ۱۲۴) میں بھی مصرع اول کا یہی متن درج ہے -

پتی سب سے پہلے میرے اٹھانے کی فکر میں
محفل میں ان کی میں کسی چوسر کا رنگ ہوں (اصلاح آزاد)

تن سے کیا جان کہ جاں اپنی نکلنے پاوے[1]
ہو بشرطے ترے آنے کا بھروسا ہم کو (متن ویران)

دم میں اب دم نہ رہا اپنے جو ٹھہریں کوئی دم
ہاں مگر ہو ترے آنے کا بھروسا ہم کو (اصلاح آزاد)

اب زباں پر بھی نہیں آتا کبھی الفت کا نام
اگلے مکتوبوں میں کچھ رسم کتابت ہو تو ہو (متن ویران)
اب زباں پر بھی نہیں آتا کہیں الفت کا نام
اگلے مکتوبوں میں کچھ اُس سے کتابت ہو تو ہو (اصلاح آزاد)

کرو دونوں آنکھوں کے طبقے یہ روشن کہ ہو ایک رشک مہ چاردہ تم
منا ہے کہ تم نور سے اپنے کرتے منور بہ یک جلوہ چودہ طبق ہو
(متن ویران)

کرو دونوں آنکھوں کے طبقے یہ روشن کہ ہو جاؤ رشک مہ چاردہ تم
منا ہے کہ تم نور سے اپنے کرتے منور بہ یک جلوہ چودہ طبق ہو
(اصلاح آزاد)

اے قاتل! حلق بریدہ سے اک شعلۂ دل جو سر کش ہو
تو روشن حلقہ جیب سے اپنے دیکھ تنور آتش ہو (متن ویران)
اے قاتل! حلق بریدہ سے اک شعلۂ دل گر سر کش ہو
تو روشن حلقہ جیب کا میری مثل تنور آتش ہو (اصلاح آزاد)

گر کلک آہ کو پھیروں میں تو سرمۂ دود دل سے پھر
سب صفحہ ماہ منور کا جوں سینۂ باز منقش ہو (متن ویران)

گر کلک آہ کو گردش دوں تو دودۂ شمع دل سے مرے
طاؤس فلک کا سینہ ابھی جوں سینۂ باز منقش ہو (اصلاح آزاد)

---

۱ - 'طبقات الشعراء' کریم الدین (صفحہ ۲۶۱) میں بھی یوں ہی ملتا ہے -

جب ضعف سے مجھ کو غش آیا تو طنز سے کیا وہ کہتا ہے
بس غش نہ کرو معلوم ہوا کچھ مرنے پر تم حد غش ہو (متن ویران)

جب ضعف سے مجھ کو غش آیا تو طنز سے وہ کیا کہتا ہے
بس غش نہ کرو ہم جان گئے تم مرنے پر ازحد غش ہو (اصلاح آزاد)

اک خون کا دریا جذب کیا ہے خاک کوے قاتل نے
ہاں دفن کو ایسے کشتوں کے ایسی ہی زمین دل کش ہو (متن ویران)

کیا خون کے دریا جذب کیے ہیں خاک کوچۂ قاتل نے
مدفن کو بھی[1] اس کے ستم کش کے ایسی ہی زمین دل کش ہو (اصلاح آزاد)

اس بحر میں کیا برجستہ غزل اے ذوق یہ تم نے لکھی ہے
ہاں وزن کو جس کے سن کر شاداں روح خلیل و اخفش ہو (متن ویران)

کیا رجز کو کر مقطوع و مرفل تم نے غزل یہ لکھی ہے
ذوق اس کی بحر کو سن کر شاداں روح خلیل واخفش ہو (اصلاح آزاد)

اثر وہ ہے مری وحشت کا، پتھر جس سے مضطر ہو
نگیں پر نام گر لکھ دوں نکل کر گھر سے باہر ہو (متن ویران)

مری تاثیر وحشت وہ ہے، مضطر جس سے پتھر ہو
نگیں پر نام لکھ دوں تو نکل کے گھر سے باہر ہو (اصلاح آزاد)

ترا مجنون تفتہ دشت میں آتش قدم گر ہو
جلا دے زیر پا گو خار مژگاں سمندر ہو (متن ویران)

ترا دیوانۂ دل سوختہ آتش قدم گر ہو
جلا دے زیر پا گو خار مژگاں سمندر ہو (اصلاح آزاد)

رہائی قتل پر موقوف ہو گو ہم اسیروں کی
روانی تیغ کی پا بستۂ زنجیر جوہر ہو (متن ویران)

رہائی قتل پر موقوف ہو گو ہم اسیروں کی
روانی تیغ میں وابستۂ زنجیر جوہر ہو (اصلاح آزاد)

---

۱ - 'بھی' زائد از وزن ہے -

ہستیِ تنک مایہ نے کچھ پھونکا ہے ایسا
ابھرے ہے حباب لب یم اور زیادہ (متن ویران)

ہستی تنک مایہ جو پھونکے گی اسی طرح
ابھرے گا حبابِ لبِ یم اور زیادہ (اصلاح آزاد)

ہے سوز محبت سے مری خاک میں گرمی
کیوں کر نہ اٹھاوے وہ قدم اور زیادہ (متن ویران)

کرتی ہے مری خاک جلا کر مجھے پامال
کیوں کر نہ اٹھاوے وہ قدم اور زیادہ (اصلاح آزاد)

ہے روغن نفطاب مرے گریے میں اے چشم
بھڑکے ہے جو یوں آتش غم اور زیادہ (متن ویران)

آخر مئے عشق آنکھوں سے ٹپکائی کسی نے
بھڑکے ہے جو یوں آتش غم اور زیادہ (اصلاح آزاد)

چالیس قدم ساتھ وہ تابوت کے آئے
کیا ہو جو بڑھیں چند قدم اور زیادہ (متن ویران)

جاتا ہے شہیدان محبت کا جنازہ
دو تم بھی اٹھا چند قدم اور زیادہ (اصلاح آزاد)

سرعت ہے ابھی نبض میں جوں موج رم برق
کیا ہوگا جو ہوگی تپ غم اور زیادہ (متن ویران)

یا رب یہ مری نبض ہے یا موج رم برق
کیا ہوگا جو ہوگی تپ غم اور زیادہ (اصلاح آزاد)

اے شمع ایک چور ہے باد نسیم صبح
مارے ہے کوئی دم میں ترے تاج زر پہ ہاتھ (متن ویران)

اے شمع دیکھ بزم فنا میں سنبھل کے بیٹھ
مارے گی دم میں صبح ترے تاج زر پہ ہاتھ (اصلاح آزاد)

قاتل کبھی نہ تو نے اٹھائے ہزار حیف
آ کر مزار کشتۂ تیغ نظر پہ ہاتھ (متن ویران)

قاتل ہے کیا ستم کہ اٹھاتا نہیں کوئی
آ کر مزارِ کشتۂ تیغ نظر پہ ہاتھ (اصلاح آزاد)
جو دیکھے اس کو تھام کے دل بیٹھ جائے ذوق
جب ناز سے کھڑا ہو وہ رکھ کر کمر پہ ہاتھ (متن ویران)
اے ذوق میں تو بیٹھ گیا دل کو تھام کر
اس ناز سے کھڑے تھے وہ رکھے کمر پہ ہاتھ (اصلاح آزاد)
روز آفتیں نئی ہیں دلِ پُر محن کے ساتھ
جب دیکھو زخم تازہ ہے زخمِ کہن کے ساتھ (متن ویران)
روز آفتیں نئی ہیں دل پُر محن کے ساتھ
اک زخم تازہ روز ہے زخم کہن کے ساتھ (اصلاح آزاد)
ناخن نہ دے خدا تجھے اے پنجۂ جنوں
ٹکڑے اڑاوے جسم کے تو پیرہن کے ساتھ (متن ویران)
دست جنوں نہ دے تجھے ناخن خدا کہ تو
ٹکڑے اڑاوے تن کے مرے پیرہن کے ساتھ (اصلاح آزاد)
پایا درِ اثر نہ کہیں، رات بھر پھری
سر مارتی یہ آہ، سپہرِ کہن کے ساتھ (متن ویران)
پایا درِ اثر نہ کہیں شب کو آہ نے
سر مارتی پھری ہے سپہرِ کہن کے ساتھ (اصلاح آزاد)
اللہ رے تاب حسن کہ اس کا درِ بلاق
چشمک زنی کرے ہے سہیل یمن کے ساتھ (متن ویران)
لب پہ ترے پسینے کی بوند اے عقیق لب
چشمک زنی کرے ہے سہیل یمن کے ساتھ (اصلاح آزاد)
تیرے بلاکش اژدرِ دوزخ کو کھینچ لیں
اک آتشیں کمند دلِ شعلہ زن کے ساتھ (متن ویران)
دل وہ بلا ہے اژدرِ دوزخ کو کھینچ لے
مارے اگر کمند دمِ شعلہ زن کے ساتھ (اصلاح آزاد)

ممکن نہیں ہے ذوق علائق سے چھوٹنا
جب تک کہ روح کو ہے تعلق بدن کے ساتھ (متن ویران)

مشکل ہے ذوق دام علائق سے چھوٹنا
جب تک کہ روح کو ہے علاقہ بدن کے ساتھ (اصلاح آزاد)

ملا جو غیر نے عطر اس کو واں تو رشک سے یاں
لکیریں مٹ گئیں ہاتھوں کی ملتے ملتے ہاتھ (متن ویران)

ملا جو غیر نے عطر اس کو واں تو یاں میری
لکیریں مٹ گئیں ہاتھوں کی ، ملتے ملتے ہاتھ (اصلاح آزاد)

جو چھیڑے برق کے شعلے کو تیرا سوختہ یاں
تو وہ کہے کہ لگا تو نہ جلتے جلتے ہاتھ (متن ویران)

جو چھیڑے برق کو یہ تفتہ جاں تو کہتی ہے
کہ دیکھو مجھ کو لگانا نہ جلتے جلتے ہاتھ (اصلاح آزا۔)

فقیر وجد میں گر ہاتھ اٹھائے عالم سے
تو پہنچے عرش پہ وہ کودتے اچھلتے ہاتھ (متن ویران)

اٹھائے وجد میں جب ہاتھ ہم نے عالم سے
تو پہنچے عرش تلک کودتے اچھلتے ہاتھ (اصلاح آزاد)

رواں ہوتا ہے اس بستاں سرا سے کاروان گل
چٹکنے کو صبا غنچے کے آواز درا سمجھے (متن ویران)

کہو بلبل سے چلتا کارواں ہے نکہت گل کا
چمن باد صبا سمجھے کہ آواز درا سمجھے (اصلاح آزاد)

نہ دی رخصت نظر کو میری جانب کیوں تغافل سے
اسے بھی آپ کیا میرا ہی بخت نارسا سمجھے[1] (متن ویران)

---

۱ - یہ شعر 'گلشن بے خار' (صفحہ ۱۱۵) میں اسی طرح ملتا ہے - کریم الدین نے (صفحہ ۳۰۶) مصرع اول میں 'کیوں مری جانب' لکھا ہے۔

نگاہ لطف اُن کی جب نہ باز آئی تغافل سے
ہم اس کی نارسائی اپنا بخت نارسا سمجھے (اصلاح آزاد)

محبت سے ذرا گر موم ہو اُس دل شکن کا دل
دل بشکستہ میرا اپنے حق میں کیمیا سمجھے (متن ویران)

ہوا جب گرمیِ الفت سے موم اُس دل شکن کا دل
تو اُس کے دل شکستہ اپنے حق میں کیمیا سمجھے (اصلاح آزاد)

بجھے گا سوز دل اے گریہ! پل میں، آب تو دے
وگر ہے آگ میں دینا یوں ہی عذاب تو دے (متن ویران)

بجھاتا گریہ ہے گر سوز دل کو آب تو دے
اور آگ میں یونہی دینا ہے گر عذاب تو دے (اصلاح آزاد)

گزر لے گریہ مرے سر سے اتنا آب تو دے
کہ سر پہ چرخ بھی دکھلائی جوں حباب تو دے (متن ویران)

الٰہی چشم کے چشمے کو اتنا آب تو دے
کہ سر پہ چرخ بھی دکھلائی جوں حباب تو دے (اصلاح آزاد)

رکھے ہے حوصلہ دریا کب اہل ہمت کا
نہیں یہ اتنا کہ بھر کاسۂ حباب تو دے[1] (متن ویران)

ہماری آنکھ سے ہم چشم ہوگا کیا دریا
کسی کو بھر کے ذرا کاسۂ حباب تو دے (اصلاح آزاد)

شوخ قاتل کو مرے کیا چاہیے ہے رنگ پاں
خون اعجاز مسیحا سے لب اُس کا لال ہے[2] (متن ویران)

شوخیِ قاتل کرے آلودہ کیوں منہ پان سے
خون اعجاز مسیحا سے لب اُس کا لال ہے (اصلاح آزاد)

---

۱ - یہ شعر 'گلشن بے خار' (صفحہ ۱۱۹) میں بھی اسی طرح آیا ہے -

۲ - شعر ھذا 'گلشن بے خار' میں (صفحہ ۱۲۱) بالکل انھی الفاظ میں آیا ہے -

کھل گیا مضموں شکست دل کا بن خط کے پڑھے
نامہ بر کا اس قدر اپنے شکستہ حال ہے[1] (متن ویران)

پوچھتے کیا ہو شکست دل کو ، صورت دیکھ لو
اس ہے چیں بر جبیں ، قاصد شکستہ حال ہے (اصلاح آزاد)

کھل گیا مضموں شکست دل کا ، بے خط کے کھلے
نامہ بر کا اس قدر اپنے شکستہ حال ہے ،، ،،

میری خاکستر آڑی تھی جس سے گردوں سب بنے
اس میں کچھ اخگر جو باقی تھے سو وہ کوکب بنے (متن ویران)

میری خاکستر آڑی تھی اس سے گردوں سب بنے
اس میں کچھ اخگر بھی باقی تھے سو وہ کوکب بنے (اصلاح آزاد)

خال اے خورشید رو! رخ پر تمھارے جب بنے
تیرہ بختان محبت سوختہ کوکب بنے (متن ویران)

خال اے خورشید رو! رخ پر تمھارے کب بنے
تیرہ روز آکر افق پر سوختہ کوکب بنے (اصلاح آزاد)

عشق تعلیم نیاز و ناز یک جا کیوں کہ ہو
گر نہ مجنوں آن کر لیلی کا ہم مکتب بنے (متن ویران)

کیوں کہ تعلیم نیاز و ناز ہو یک جا بہم
گر نہ مجنوں آن کر لیلی کا ہم مکتب بنے (اصلاح آزاد)

جو نہ ہوں عقدے کبھی جوں غنچۂ تصویر وا
وائے قسمت وہ ہمارے عقدۂ مطلب بنے (متن ویران)

غنچۂ تصویر بھی کھل کر جو عقدے وا نہ ہوں
ہائے قسمت وہ ہمارے عقدۂ مطلب بنے (اصلاح آزاد)

ترے جو سجدۂ در سے جبیں ہو خاک آلودہ
نہ پونچھیں حوریں کے اے پری! رخسار دامن سے (متن ویران)°

---

۱ - 'گلشن بے خار' (صفحہ ۱۲۲) میں یہی الفاظ ہیں -

تمھارے جلوۂ رخ کے جو بسمل خاک پر لوٹیں
تو پرواں آ کے پونچھیں اے پری! رخسار دامن سے (اصلاح آزاد)

ہوا بے پردہ بھی ہم سے تو اُس نے یوں کیا پَردہ
بنایا درمیاں اک پردۂ دیوار دامن سے (متن ویران)

ہوا بے پردہ وہ پردہ نشیں تو یوں کیا پردہ
بنایا درمیاں اک پردۂ دیوار دامن سے (اصلاح آزاد)

وہی زیبا ہے اُس کے واسطے جو قطع ہے جس کی
نکل سکتا ہے کوئی آستیں کا کار دامن سے (متن ویران)

وہی زیبا ہے اُس کے واسطے جو قطع ہے اُس پر
نکل سکتا ہے کوئی آستیں کا کار دامن سے (اصلاح آزاد)

پھروں کھینچے ہوئے کوسوں میں اپنے زور وحشت سے
اگر بندہ جانے میرے دامن کہسار دامن سے (متن ویران)

پھروں کھینچے ہوئے کوسوں میں اپنے زور وحشت میں
ذرا تم باندھ دیکھو دامن کہسار دامن سے (اصلاح آزاد)

جلیں گے آتش رنگ حنائے پا سے گھر کتنے
ہلا پنکھا جو وقت گرمیِ رفتار دامن سے (متن ویران)

جلیں گے آتش رنگ حنائے پا سے گھر کتنے
دکھائیں گے ادا جب گرمیِ رفتار دامن سے (اصلاح آزاد)

دکھائے صدمۂ زنجیر نے یہ پاؤں مجنوں کے
کہ اک صدمہ سا پہنچے ہے دم رفتار دامن سے (متن ویران)

دکھائے صدمۂ زنجیر نے یہ پاؤں مجنوں کے
کہ صدمہ دل پہ ہوتا ہے دم رفتار دامن سے (اصلاح آزاد)

ہوا پنکھے کی خواب آور ہے یہ کیا ایک جنبش میں
کرے سو فتنۂ خوابیدہ وہ بیدار دامن سے (متن ویران)

ہوا پنکھے کی خواب آور ہے ہر وہ ایک جنبش میں
کریں سو فتنہ خوابیدہ کو بیدار دامن سے (اصلاح آزاد)

نگاہ بوالہوس آندھی ہے تیری خاک اڑانے کو
چھپا لے تو چراغ شعلۂ رخسار دامن سے (متن ویران)

نگاہ بوالہوس آندھی ہے تیری خاک اڑانے کو
چھپا لے اے پری رو! شعلۂ رخسار دامن سے (اصلاح آزاد)

اشکوں میں بہے جاتے ہیں ہم سوے در یار
مقصود رہ کعبہ ہے دریا کے سفر سے (متن ویران)

اشکوں میں جو بہ جاتے ہیں ہم کے چلے ہم بسوے دوست
مقصود رہ کعبہ ہے دریا کے سفر سے (اصلاح آزاد)

اف گرمیِ وحشت کہ مری ٹھوکروں ہی میں
پتھر ہیں پہاڑوں کے اڑے جاتے شرر سے (متن ویران)

اللہ رے وحشت کہ مری ٹھوکروں ہی میں
پتھر ہیں پہاڑوں کے اڑے جاتے شرر سے (اصلاح آزاد)

کشتہ ہوں میں کس چشم سیہ مست کا یارب
ٹپکے ہے جو مستی مری تربت کے شجر سے (متن ویران)

کشتہ ہوں میں کس چشم سیہ مست کا یارب
مستی ہے ٹپکتی مری تربت کے شجر سے (اصلاح آزاد)

اے ذوق! کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے (متن ویران)

اے ذوق رہِ عشق میں ہے خضر و مسیحا
ہمدم جو نکل آئے کوئی گردِ سفر سے (اصلاح آزاد)

کہتے کیا کیا ہیں دیکھ تو اغیار
یار تیری چاہتوں سے مجھے (متن ویران)

کیا کہیں، کہہ رہے ہیں کیا کیا کچھ
غیر تیری حمایتوں سے مجھے (اصلاح ازاد)

یہ بھی تقدیر کا لکھا کہ لکھے
خط وہ کن کن کفایتوں سے مجھے (متن ویران)

بات قسمت کی ہے کہ لکھتے ہیں
خط وہ کن کن کفایتوں سے مجھے (اصلاح آزاد)

کر نہ گریے میں تو کمی اے چشم
شوق کم ہے کفایتوں سے مجھے (متن ویران)

کہہ دو اشکوں سے کیوں ہو کرتے کمی
شوق کم ہے کفایتوں سے مجھے (اصلاح آزاد)

شعلہ بھڑکے نہ کیوں کہ محفل میں
شمع تجھ بن ہوا سے لڑتی ہے (متن ویران)

شعلہ بھڑکے گا کیا بھلا سر بزم
شمع تجھ بن ہوا سے لڑتی ہے (اصلاح آزاد)

نہیں مژگاں کی دو صفیں گویا
اک بلا اک بلا سے لڑتی ہے (متن ویران)

صف مژگاں تری خدا کی پناہ
اک بلا اک بلا سے لڑتی ہے (اصلاح آزاد)

واہ کیا کیا طبیعت اپنی بھی
عشق میں ابتدا سے لڑتی ہے (متن ویران)

آج کہتے ہو کیا طبیعت کو
عشق میں ابتدا سے لڑتی ہے (اصلاح آزاد)

سچ ہے 'اَلحَرْبُ خَـدْعَـةٌ' اے ذوق
نگہ اُس کی دغا سے لڑتی ہے (متن ویران)

ذوق دنیا ہے مکر کا میداں
نگہ اس کی دغا سے لڑتی ہے (اصلاح آزاد)

اس بت کدے میں کون ہے کافر ترے سوا
تو آپھی بت پرست و بت و بت تراش ہے (متن ویران)

اس بت کدے میں کون ہے کافر ترے سوا
تو بت پرست، بت بھی ہے اور بت تراش ہے (اصلاح آزاد)

ہوتے وبال دوش نہیں کشتگان عشق
اُڑ جاتی ٹھوکروں ہی میں عاشق کی لاش ہے (متن ویران)

ہوتی وبال دوش نہیں عاشقوں کی خاک
اُڑ جاتی ٹھوکروں میں تری، اُن کی لاش ہے (اصلاح آزاد)

لب ریز صد نشاط بہ رنگ ہلال عید
سینے میں میرے ناخن غم کی خراش ہے (متن ویران)

لب ریز صد نشاط ہے مثل ہلال عید
سینے میں وہ جو ناخن غم کی خراش ہے (اصلاح آزاد)

برندہ ایک تیغ محرف سے بھی سوا
اس کج ادا نے اور نکالی تراش ہے (متن ویران)

برش میں اب تو خنجر خمدار سے بھی تیز
اس شوخ کج ادا نے نکالی تراش ہے (اصلاح آزاد)

عیسیٰ بھی گر ہے پاس تو ممکن نہیں شفا
خورشید کو وہ تپ ہے فلک پر لگی ہوئی (متن ویران)

عیسیٰ بھی پاس ہے، نہیں ممکن مگر شفا
خورشید کو وہ تپ ہے فلک پر لگی ہوئی (اصلاح آزاد)

دیکھ کر اُس کو گیا عالمِ حیرت میں تو میں
لیک میں کیا کہوں اُس عالمِ حیرت کے مزے (متن ویران)

دیکھ کر آس کو گیا عالم حیرت میں تو میں
پر بیاں کیا کروں اس عالم حیرت کے مزے (اصلاح آزاد)

غنچہ خنداں ہو نہ کیوں ، کرکے زر اپنا برباد
کہ اڑانے ہی میں دولت کے ہیں دولت کے مزے (متن ویران)

پھول گلشن میں ہنسے کرکے زر اپنا برباد
کہ اڑانے ہی میں دولت کے ہیں دولت کے مزے (اصلاح آزاد)

ابر و باراں کے نہ کیوں لطف اٹھائیں مےخوار
کہ اڑاتے ہیں گنہگار ہی رحمت کے مزے (متن ویران)

ابر و باراں کے مزے کیوں کہ نہ لوٹیں میخوار
کہ اڑاتے ہیں گنہگار ہی رحمت کے مزے (اصلاح آزاد)

بے مزاجی کو کریں لاکھ ترے ظلم و ستم
بھولنے کے نہیں وہ پہلی عنایت کے مزے (متن ویران)

بے مزاجی کو کریں لاکھ ترے ظلم و ستم
پر نہیں بھولتے وہ پہلی عنایت کے مزے (اصلاح آزاد)

ہے جوہر کہاں پہ ننگا اگر فقیر
ہے تیغ تیز ، ننگ ہے اس کو غلاف سے (متن ویران)

ہو جوہر کہاں پہ ننگا جو خاکسار
اک تیغ ہے کہ ننگ ہے اس کو غلاف سے (اصلاح آزاد)

گزری ہے مشق سینہ شگافی میں عمر چرخ
اس کلک تیر نالۂ گردوں شگاف سے (متن ویران)

گزری ہے مشق سینہ شگافی میں اے قلم
عاشق کی عمر نالۂ گردوں شگاف سے (اصلاح آزاد)

کیا تماشا ہے کہ مثل مہ نو دے کے فروغ
خود نمائی کو ہیں چمکا رہے شہرت والے (متن ویران)

کیا تماشا ہے کہ مثل مہ نو اپنا فروغ
جانتے اپنی حقارت کو ہیں شہرت والے (اصلاح آزاد)

چھوڑ دیتے ہیں قلم جوں قلم آتش باز
میری شرح تپش دل کی کتابت والے (متن ویران)

چھوڑ دیتے ہیں قلم جوں قلم آتش باز
لکھ کے میری تپش دل کو کتابت والے (اصلاح آزاد)

جو ہے ستم و کینہ و بیداد غضب ہے
سر تا بہ قدم وہ ستم ایجاد غضب ہے (متن ویران)

ہر ناز میں کرتا ستم ایجاد غضب ہے
سر تا بہ قدم وہ بتِ بیداد غضب ہے (اصلاح آزاد)

بلبل یہ ترے واسطے فریاد غضب ہے
فریاد نہ کر، دیکھ کہ صیاد غضب ہے (متن ویران)

اے بلبل نالاں تری فریاد غضب ہے
کر بات بھی آہستہ کہ صیاد غضب ہے (اصلاح آزاد)

کیوں غنچہ پریشاں ہو نہ ہوتے ہی شگفتہ
اس باغ میں ہونا ہی دل شاد غضب ہے (متن ویران)

گلشن میں ابھی ہنس کے پریشاں ہوئے اے گل
اس باغ میں آنا یہ دل شاد غضب ہے (اصلاح آزاد)

ہم چاہتے ہی تم کو گرے سب کی نظر سے
پہلے ہی سے اس چاہ کی افتاد غضب ہے (متن ویران)

دل حسن کے یوسف سے جو ہونے لگا روشن
ہم سمجھے کہ اس چاہ کی افتاد غضب ہے (اصلاح آزاد)

اخوان شیاطیں ہیں یہ مست مئے پندار
کیا حضرت آدم کی بھی اولاد غضب ہے (متن ویران)

شیطاں بھی اماں مانگتا ہے ان کے عمل سے
کیا حضرت آدم کی بھی اولاد غضب ہے (اصلاح آزاد)

مرتے نہیں حوروں پہ تری طرح سے واعظ
ہم جس پہ ہیں عاشق وہ پری‌زاد غضب ہے (متن ویران)

پریوں پہ تری طرح سے مرتے نہیں ہمدم
ہم جس پہ ہیں عاشق وہ پری‌زاد غضب ہے (اصلاح آزاد)

انجم سے رخ چرخ پہ بوندیں ہیں عرق کی
عاشق کی ترے گرمیٔ فریاد غضب ہے (متن ویران)

تارے یہ فلک پر ہیں کہ اڑتے ہیں شرارے
عاشق کی ترے گرمیٔ فریاد غضب ہے (اصلاح آزاد)

قامت تو ترا کیا ہے سرِ سرو قیامت
طرہ بھی سر طرۂ شمشاد غضب ہے (متن ویران)

قامت تو ترا سرو کے سر پر تھا قیامت
ہر طرہ سرِ طرۂ شمشاد غضب ہے (اصلاح آزاد)

اگرچہ میں مر بھی جاؤں گا تو کہیں گے جیتا ہے دم چرایا
وہ جب تلک اپنے آستانے پہ میری تربت نہ دیکھ لیں گے (متن ویران)

گزر بھی جاؤں گر اپنے جی سے کہیں گے جیتا ہے جی چرایا
وہ جب تلک اپنے آستانے پر میری تربت نہ دیکھ لیں گے (اصلاح آزاد)

کیا کہتے ہو آئیں گے سر خاک شہیداں
کچھ فتنے اٹھانے ہوں مزاروں سے تو کہیے (متن ویران)

کیا کہیے گا اب اور سر خاک شہیداں
کچھ فتنے اٹھانے ہوں مزاروں سے تو کہیے (اصلاح آزاد)

ان دانتوں کو کیا موتیوں سے کہتے ہو ہم تاب
موتی نہیں کچھ مال ستاروں سے تو کہیے (متن ویران)

اس گوہرِ دنداں پہ اگر سوجھے کوئی بات
موتی تو ہیں کیا مال، ستاروں سے تو کہیے (اصلاح آزاد)

شانے کا دل چاک پسند آپ کو آیا
کس واسطے ان سینہ فگاروں سے تو کہیے (متن ویران)

جس راہ سے شانہ ہے گیا زلف رسا میں
اُس رستے کو ان سینہ فگاروں سے تو کہیے (اصلاح آزاد)

بڑھتی جاتی ہے جو مشق ستم اس ظالم کی
کچھ محبت مری اصلاح مگر دیتی ہے (متن ویران)

ناز و انداز تو ہیں کر چکے سب مشق ستم
کچھ محبت مری اصلاح مگر دیتی ہے (اصلاح آزاد)

دم بہ دم زخم پہ اک زخم ہے ، دم لینے کی
مجھ کو فرصت تری کب تیغ نظر دیتی ہے (متن ویران)

کیا کرے حسرت دیدار کہ دم لینے کی
دل کو فرصت نہیں وہ تیغ نظر دیتی ہے (اصلاح آزاد)

تپ دل شمع کی جب کم نہیں ہوتی ناچار
اس کو کافور سفیدیِ سحر دیتی ہے (متن ویران)

شمع گھبرا نہ تپ غم سے کہ اک دم میں ابھی
آ کے کافور سفیدیِ سحر دیتی ہے (اصلاح آزاد)

رات بھاری تھی سرِ شمع پہ سو ہو گزری
کیا طباشیر سفیدیِ سحر دیتی ہے ,, ,,

خانہ خرابیاں دلِ بیمار غم کی دیکھ
وہ ہی دوا خراب ہے جو خانہ ساز ہے (متن ویران)

خانہ خرابیاں دلِ بیمار غم کی ہائے
ہے وہ دوا خراب کہ جو خانہ ساز ہے (اصلاح آزاد)

ڈرتا ہوں خنجر اُس کا نہ بہہ جائے ہو کے آب
میرے گلے میں نالۂ آہن گداز ہے (متن ویران)

خنجو کہیں نہ یار کا جھ جائے ہو کے آب
میرے گلے میں نالۂ آہن گداز ہے (اصلاح آزاد)

پہنچا ہے شب کمند لگا کر وہاں رقیب
سچ ہے حرام زادے کی رسی دراز ہے (متن ویران)

پہنچا ہے شب کمند لگا کر کہاں رقیب
دیکھو حرام زادے کی رسی دراز ہے (اصلاح آزاد)

مداح خال روے بتاں ہوں ، مجھے خدا
بخشے تو کیا عجب کہ وہ نکتہ نواز ہے (متن ویران)

نقطے پہ خال روے بتاں کے مجھے خدا
بخشے تو کیا عجب کہ وہ نکتہ نواز ہے (اصلاح آزاد)

اے ذوق اپنا سب پہ کھلے کیوں نہ راز عشق
ہر نالہ اک کلید در گنج راز ہے (متن ویران)

اے ذوق کیوں نہ سب پہ کھلے تیرا راز عشق
جو نالہ ہے کلید در گنج راز ہے (اصلاح آزاد)

نہیں پروہیں کہ یہ ہیں حقۂ پروین میں ملک
لائے اُس عارض روشن سے پسینا بھر کے (متن ویران)

عقد پروین یہ نہیں حقۂ پروین میں ملک
لائے ہیں اُس رخ روشن کا پسینا بھر کے (اصلاح آزاد)

روز اُس گلشن رخسار سے لے جاتے ہیں گل
اپنے دامان نگہ مردم بینا بھر کے (متن ویران)

روز اُس گلشن رخسار سے لے جاتے ہیں
اپنے دامان نظر مردم بینا بھر کے (اصلاح آزاد)

تصور اُس لب شیریں کا آ جاوے اگر دل میں
تو آنسو ہو کے شربت ، خون ہو کر انگبیں نکلے (متن ویران)

ولائے گر تصور اُس لب شیریں کا آنکھوں کو
تو آنسو ہو کے شربت ، خون ہو کر انگبیں نکلے (اصلاح آزاد)

نہیں مژگاں ؐہر خوں خار غم تھے دل نشیں نکلے
جنوں یہ نیشتر کیسے، کہیں ڈوبے کہیں نکلے (متن ویران)

جو تھے مژگان ؐہر خوں سب وہ خار دل نشیں نکلے
جنوں یہ کیسے نشتر تھے کہیں ڈوبے کہیں نکلے (اصلاح آزاد)

کیوں ہم نے دیا دل تجھے او سنگ دل اپنا
کم بخت ہم اُس سخت گھڑی کو نہیں پاتے (متن ویران)

کیا وقت تھا وہ تجھ کو، دیا دل تھا جو ہم نے
اے سنگ دل اُس سخت گھڑی کو نہیں پاتے (اصلاح آزاد)

لیتے ہیں شب وصل میں ہم ان کے جو بوسے
وہ لب پہ سحر رنگ مسی کو نہیں پاتے (متن ویران)

لیتے ہیں شب وصل میں اُس لب کے یہ بوسے
ہم لب پہ سحر رنگ مسی کو نہیں پاتے (اصلاح آزاد)

میں ایسا کہیں گم ہوں کہ یاران عدم بھی
گم ہو کے مری گمشدگی کو نہیں پاتے (متن ویران)

میں ایسا ہوا گم کہ عزیزان عدم بھی
گم ہو کے مری گمشدگی کو نہیں پاتے (اصلاح آزاد)

کھول دے آنکھیں دم ذبح ، نہ دیکھوں گا تجھے
ہر چھری اپنی تو گردن پہ میں دیکھوں چلتی (متن ویران)

کھول دو آنکھوں سے پٹی، نہیں دیکھوں گا تمھیں
ہر چھری اپنی تو گردن پہ میں دیکھوں چلتی (اصلاح آزاد)

جب میں دنیا سے چلا ، سر پہ یہ بولی حسرت
تو اکیلا نہیں ، ہمرہ ترے میں ہوں چلتی (متن ویران)

جب میں دنیا سے چلا سر پہ یہ بولی حسرت
تو اکیلا نہیں میں ساتھ ترے ہوں چلتی (اصلاح آزاد)

چلنے گو دیکھے ہے ساحل کو سوار کشتی
ہر حقیقت میں ہے کشتی سر جیحوں چلتی (متن ویران)
سمجھے ہے راکب کشتی کہ ہے ساحل چلتا
ہر حقیقت میں ہے کشتی سر جیحوں چلتی (اصلاح آزاد)

تیر و پیکاں جتنے تھے دل میں دیے ہم نے نکال
اپنے ہاتھوں گھر لٹانا کوئی ہم سے سیکھ جائے (متن ویران)
تیر و پیکاں جتنے دل میں تھے، دیے اس کو نکال
اپنے ہاتھوں گھر لٹانا کوئی ہم سے سیکھ جائے (اصلاح آزاد)

کیوں کر نہ سخن سے ہوں گرفتار تفکر
ہاں قید قفس مرغ خوش الحاں کے لیے ہے (متن ویران)
بیٹھا ہے سخن ور جو گرفتار تفکر
زیبا یہ قفس مرغ خوش الحاں کے لیے ہے (اصلاح آزاد)

ہے بادہ کشوں کے لیے اک غیب سے تائید
زاہد جو دعا مانگتا باراں کے لیے ہے (متن ویران)
مستوں کے لیے رحمت باری کے ہیں آثار
زاہد جو دعا مانگتا باراں کے لیے ہے (اصلاح آزاد)

نہ چھوڑے گی جیتا مجھے چشم قاتل
یقیں ہے یقیں بلکہ عین الیقیں ہے (متن ویران)
صنم میرے دل کو، خدائی کا تیری
یقیں ہے یقیں بلکہ عین الیقیں ہے (اصلاح آزاد)

کیا خاک تجھ پہ جان کوئی جاں نثار دے
مٹی تلک نہ جب ترے دل کا غبار دے (متن ویران)

کیا خاک تجھ پہ جان کوئی جاں نثار دے
مٹی بھی جس کو تیرے نہ دل کا غبار دے (اصلاح آزاد)

بے فیض گر ہے چشمۂ آب بقا تو کیا
مانگو تو ایک قطرہ نہ آئینہ وار دے (متن ویران)

بے فیض چشمہ آب مصفا کا ہے تو کیا
مانگوں تو ایک قطرہ نہ آئینہ وار دے (اصلاح آزاد)

دم کو ہمارے سینے میں اک دم نہیں قرار
یہ وہ غریب ہے کہ مسافر وطن میں ہے (متن ویران)

دم کو نہیں ہے سینے میں آرام ایک دم
یہ وہ غریب ہے کہ مسافر وطن میں ہے (اصلاح آزاد)

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے (متن ویران)

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر گئے پر نہ لگا جی تو کدھر جائیں گے (اصلاح آزاد)

قفس کو لے اڑے اس پر اسیر مضطرب تیرے
خبر گل کی منے[1] اڑتی سی گر باد بہاری سے (متن ویران)

قفس کو لے اڑیں صیاد اسیر مضطرب تیرے
خبر گل کی اگر اڑتی سنیں باد بہاری سے (اصلاح آزاد)

نہیں جاتے اٹھائے ناز کاش ان کی عوض ہوے
مری چھاتی پہ پتھر سنگ دل دو چار بھاری سے (متن ویران)

اٹھائے جاؤں کب تک داغ کاش ان کے عوض ہوتے
مری چھاتی پہ پتھر سنگ دل دو چار بھاری سے (اصلاح آزاد)

لگی بھی گر زمیں سے پیٹھ تیرے تفتہ جانوں کی
تو مثل برق اٹھ بھاگیں گے پھر وہ بے قراری سے (متن ویران)

---

۱ - یہاں ''منے'' کاتب کی غلطی ہے - ''منی'' صحیح ہوگا -۱

لگی بھی گر زمیں کو پیٹھ تیرے تفتہ جانوں کی
تو مثل برق اٹھ بھاگے وہیں پھر بے قراری سے (اصلاح آزاد)

ترے مجنوں کے تن پر لاغری کا قطع ہے جامہ
کرے ہے پیرہن دو ایک برگ بید مجنوں سے (متن ویران)

ترے مجنوں کے تن پر لاغری کا قطع ہے جامہ
بناتا پیرہن ہے ایک برگ بید مجنوں سے (اصلاح آزاد)

پتلی سیاہ دیکھیو اُس چشم مست کی
بھونرا عجب ہے یوں گل عبہر میں گھر کرے (متن ویران)

چشم سیہ تمھاری نظر بھر کے دیکھے جب
لالے میں داغ دے، گل عبہر میں گھر کرے (اصلاح آزاد)

بلبل کا آشیانہ ہے گلشن میں کیا عجب
اس رخ پہ دل جو زلف معنبر میں گھر کرے (متن ویران)

گل گشت چیں نہیں کہ گئے صبح، شام آئے
دل ہو کہ اُس کی زلف معنبر مین گھر کرے (اصلاح آزاد)

آنکھ اپنی اُس کے لب پہ عجب گھر پکڑ گئی
جوں عنکبوت برگ گل تر میں گھر کرے (متن ویران)

یوں رنگ رخ پہ اُس کے جا ہے مرا خیال
جس طرح رنگ برگ گل تر میں گھر کرے (اصلاح آزاد)

قاتل مرے لہو کو شتابی سے دھو کہیں
جوں مورچہ نہ یہ ترے خنجر میں گھر کرے (متن ویران)

خون شہید ناز کو دھونا تھا کیا بھلا
یہ زنگ وہ نہیں ہے جو خنجر میں گھر کرے (اصلاح آزاد)

ہنگام بوسہ گرم جو مجھ پر ذری ہوے
شکر تھے لب ہسینے سے شکر تری ہوے (متن ویران)

ہنگامِ بوسہ گرم جو وہ اک ذری ہوئے
شکر تو تھے پسینے سے شکر تری ہوئے (اصلاح آزاد)

یک خال زیرِ زلف سے ظاہر مرے لیے
اے ماہ! سو طریقہ بد اختری ہوئے (متن ویران)

اک خال زیرِ زلف سے ظاہر مرے لیے
اے یار! سو طریقہ بد اختری ہوئے (اصلاح آزاد)

اڑائے خوب گلچھرے نکل مجنوں نے زنداں سے
کہ ہر مو گل فشانی ہے شرارِ سنگ طفلاں سے (متن ویران)

اڑائے خوب گلچھرے نکل مجنوں نے زنداں سے
برستے پھول ہیں سر پر شرارِ سنگ طفلاں سے (اصلاح آزاد)

شرارے متصل نکلے یہاں تک سنگ طفلاں سے
کہ چمکے ہے سرِ مجنوں پہ بجلی سنگ باراں سے (متن ویران)

چمکتی ہے سرِ مجنوں پہ بجلی سنگ باراں سے
لگے گی ابرِ رحمت کی جھڑی اب چشم گریاں سے (اصلاح آزاد)

گھر سے باہر نہ نکلتا کبھی اپنے خورشید
ہوسِ گرمیِ بازار لیے پھرتی ہے (متن ویران)

پھرتا سرگشتہ زمانے میں بھلا کیوں خورشید
(ن) در بدر پھرتا نہ سرگشتہ جہاں میں خورشید
ہوسِ گرمیِ بازار لیے پھرتی ہے (اصلاح آزاد)

گرچہ ہوں وادیِ عنقا سے پرے لاکھوں کوس
لیک ہے گم شدگی کی ابھی منزل آگے (متن ویران)

گرچہ ہے وادیِ عنقا سے پرے سو سو قاف
لیک ہے گم شدگی کی ابھی منزل آگے (اصلاح آزاد)

قطرہ قطرہ آنسو جس کی طوفاں شدت ہے[1]
پارہ پارہ دل ہے جس میں تودہ تودہ حسرت ہے (متن ویران)

---

۱ - 'گلشن بے خار' (صفحہ ۱۱۳) میں بھی اسی طرح منقول ہے اور 'آثارالصنادید' میں بھی (صفحہ ۲۱۹) -

قطرہ قطرہ آنسو جس کی طوفاں طوفاں شدت ہے
ٹکڑے ٹکڑے دل جو پڑا ہے تودہ تودہ حسرت ہے (اصلاح آزاد)

ہوس میں کعبے کی کیوں شیخ بت خانے سے گمرہ ہے
یہاں تو کوئی صورت بھی ہے واں اللہ ہی اللہ ہے (متن ویران)

کرے کعبے میں کیا جو سر کہ بت خانے سے آگہ ہے
یہاں تو کوئی صورت بھی ہے واں اللہ ہی اللہ ہے (اصلاح آزاد)

ہمیشہ کام تھا مجنوں کو تو صحرا نوردی سے
بسایا خانۂ زنجیر ہم نے پائمردی سے (متن ویران)

ہمیشہ کام مجنوں کو رہا صحرا نوردی سے
بسایا خانۂ زنجیر ہم نے پائمردی سے (اصلاح آزاد)

خاک اُڑاتا دشت میں گر تیرا سودائی پھرے
پھر بگولا ہے تو کیا آندھی بھی بولائی پھرے (متن ویران)

خاک اڑاتا دشت میں جب تیرا سودائی پھرے
پھر بگولا تو ہے کیا آندھی بھی بولائی پھرے (اصلاح آزاد)

مقدم صدق پر ہے کذب گرچہ صدق فائق ہے
کہ پہلے صبح کاذب یاں ہے، پیچھے صبح صادق ہے (متن ویران)

جہاں دنیا میں دیکھا سچ کے اُوپر جھوٹ فائق ہے
کہ پہلے صبح کاذب ہے تو پیچھے صبح صادق ہے (اصلاح آزاد)

فہرست ہذا اکثر اصلاحی اشعار پر حاوی ہے۔ یہ دعویٰ نہیں کیا جاتا کہ ہر شعر اس میں شامل ہے۔ اس فہرست سے میں نے ایسے ابیات ترک کر دیے ہیں جن میں ایک لفظ کی تبدیلی یا الٹ پھیر پائی گئی۔ میں نے ایک سے زیادہ لفظوں کی تبدیلی والے اشعار کا انتخاب کیا ہے۔

ان اصلاحوں کی ایک سے زیادہ خصوصیت ہے؛ سب میں اہم، جیسا کہ سابق میں عرض کر چکا ہوں، وہی ہے کہ ان کی صفائی اور روانی کے اعتبار پر ان کی زبان کو ذوق کے وقت کی زبان نہیں مانا

جا سکتا ، کیوں کہ ان سے ایسے محاورے اور الفاظ جو ذوق کے زبان زد ہیں ، مثلاً بلبلے، صل علیٰ، واہ وا ، رحمت ہے ، ہائے رے ، سیلی مارنا ، پیشوا لینے کو جانا ، ٹیڑھ کی لینا ، ابھرنا ، کیا جان ، یاروں ، حراروں ، لون (نمک) ، بے اضافت فارسی جمع جیسے دوستاں : ع

مرے مرقد پہ چاہ اس نے آ کر دوستاں باندھا

اور عزیزاں : ع

در پائے مقفل سے عزیزاں نکل آیا

یا ذوق کے عہد کے بعض الفاظ کا لہجہ جیسے ہویں (ہوں ہی) ، لوہو (لہو)، کولا (کوئلا)، پھسنا (پھنسنا)، ہسنا (ھنسنا) ، سونچنا (سوچنا) ، جبہائی (جنبھائی) وغیرہ وغیرہ مطلق غیر حاضر ہیں ۔

اصلاح زیادہ تر ایک ہی مصرع پر شامل ہے ۔ دوسرے مصرع میں قلت کے ساتھ تصرف کیا گیا ہے[1] ۔ زبان کے علاوہ بعض اوقات مضمون میں دقت پیدا کرنے کی کوشش بھی دیکھی جاتی ہے ۔ اصلاح

---

۱ ۔ البتہ ایسے شعر بھی ملتے ہیں جن کے ایک مصرع میں استاد کا صرف ایک آدھ لفظ باقی رہا ہے اور دوسرے میں بھی قافیے اور ردیف کے سوائے مشکل ہی سے اصل کا کوئی لفظ سلامت رہ گیا ہے ۔ مثلاً 'ویران' کے متن میں ایک شعر ہے :

رکھے ہے حوصلہ دریا کب اہل ہمت کا
نہیں یہ اتنا کہ بھر کاسۂ حباب تو دے

مولانا اسے یوں بدلتے ہیں :

ہماری آنکھ سے ہم چشم ہوگا کیا دریا
کسی کو بھر کے ذرا کاسۂ حباب تو دے

'کاسہ' کو 'کاسۂ' بولنا اردو والوں کا لہجہ ہے جو قدیم زمانے میں عام تھا ، مگر قرین قیاس نہیں کہ ذوق نے 'کاسہ لکھا ہو ، خاص کر جب کہ اس پر فارسی اضافت بھی داخل ہوتی ہے ۔ غالباً مولانا نے اسے کاتب کی غلطی جان کر بدل دیا اور یہ بے جا نہیں ۔ باقی تیرہ لفظوں میں سے استاد کے گیارہ لفظ قلم زد ہوئے !

کاچسکا خال خال موقعوں پر ایک شعر کی خاطر دو دو شعر کے وجود میں لائے جانے کا ذمہ دار ہے ، اگرچہ دونوں کا مرکزی تخیل ایک ہی ہے۔

اصلاحی ترمیم و تنسیخ اکثر موقعوں پر مناسب اور درست ہے ۔ اگرچہ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جن میں یہ کوشش ناکام ثابت ہوئی ہے[1] ۔

کہا جا سکتا ہے کہ شاید یہ اصلاحیں مولانا نے اُس جنگ سے حاصل کی ہوں جو اُنھوں نے ظفریاب لشکر کے داخلۂ دہلی کے موقع پر اپنا بھرا گھر چھوڑتے وقت اُٹھا لیا تھا ۔ لیکن یہ جنگ اُن اصلاحوں کا

---

۱ ۔ اس کے متعلق اسلم فرخی صاحب کی رائے درج ذیل ہے :

''ویران اور آزاد دونوں کے متنِ اشعار سے یہ بات فوراً واضح ہو جاتی ہے کہ آزاد کے ہاں جو تبدیلی ہے اس کی وجہ سے ذوق کے اکثر اشعار سست ہو گئے ہیں ۔ وہ روانی اور برجستگی جو ذوق کے کلام کی خصوصیت ہے ، ان اشعار میں نہیں ملتی ۔''

(محمد حسین آزاد ، جلد دوم ، صفحہ ۵۲۶)

ڈاکٹر تنویر احمد علوی اس کا سبب آزاد کے اختلالِ ذہنی کو قرار دیتے ہیں :

''اس حد تک اختلالِ ذہنی کا ثبوت تو خود مسودۂ آزاد سے ملتا ہے کہ ذوق کے بہت سے اچھے شعروں کو مولانا نے ایک بار اپنے قلم سے لکھ کر کاٹ دیا ہے اور ان میں جو تبدیلیاں اور اضافے کیے ہیں ان کی وجہ سے اکثر محاورے اور زبان کا برمحل اور برجستہ استعمال مولانا کے ہاتھوں مجروح ہو گیا ہے ۔'' (مقدمۂ دیوان ذوق)

پنڈت کیفی صاحب انجمن کے شائع کردہ انتخاب ذوق کے مقدمے میں فرماتے ہیں :

''...جب آزاد لاہور میں بیٹھ کر اور 'نیرنگ خیال' اور 'آب حیات' لکھ کر ادب میں اپنی جگہ بنا چکے تو انھوں نے دیوان ذوق کا ایک نسخہ شائع کیا ۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو بہتر تھا کیونکہ اس کے اور اس سے پہلے کے ایڈیشن میں جو اختلاف لفظی وغیرہ ہیں، وہ آزاد کے ذوق سخن کے خلاف چغلی کھاتے ہیں ۔'' (مرتب)

حاصل نہیں ہو سکتا کیوں کہ اگر ہم یہ مان لیں تو ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ جنگ نہیں تھا بلکہ ذوق کا دیوان تھا جو بالکل مرتب اور اصلاح یافتہ شکل میں موجود تھا ۔ مگر خود مولانا ایسا دعویٰ نہیں کرتے ۔ بے شک آن کو قیمتی امداد ملی ہے اور ذوق کی غزلوں کی تعداد کثیر ، مع جدید قصائد کے ، جو حافظ ویران کے مرتبہ دیوان میں داخل نہ تھی ، حاصل ہوئی ۔

لوگ کہیں گے کہ مولانا نے بڑی جسارت بلکہ بے ادبی کی جو آستاد کے کلام پر اصلاح دی ۔ توبہ توبہ ۔ لیکن ایک نقطۂ نظر اور بھی ہے کہ دنیا میں ہزاروں آستاد اور لاکھوں شاگرد گزرے ہیں ۔ ان میں کتنے ایسے شاگرد ہیں جن کو آستاد کے کلام پر اصلاح دینے کی سعادت حاصل ہوئی ہو ؟

ہمارے اس عقیدے کی کہ حضرت مولانا ان اصلاحات کے مصتق ہیں[1] ، اس مقالے کی آیندہ قسط اور بھی موید و معاون ثابت ہوگی ۔

---

۱ ۔ ان اصلاحات کے متعلق اسلم فرخی صاحب رقم طراز ہیں :
''رفع شر کے خیال سے یہ تسلیم کرنا ممکن تھا کہ آزاد کے پاس کلام ذوق کا جو جنگ تھا ، اس میں زیادہ تر غزلیں اصلاح شدہ تھیں اور نظر ثانی خود ذوق کی تھی لیکن آب حیات ، بیاض آزاد اور دیوان ذوق کی غزلوں میں جو فرق ہے ، اس کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی ۔ آزاد نے پہلے ایک متن شائع کیا ، پھر دوسرا اور انھوں نے اس تبدیلی کی کوئی وضاحت نہیں کی ۔'' (محمد حسین آزاد ، جلد دوم ، صفحہ ۵۳۲)

ڈاکٹر تنویر احمد علوی مقدمۂ دیوان ذوق میں فرماتے ہیں :
''مولانا کے قلم سے تبدیلیوں اور اضافوں کا ایک طویل سلسلہ دیوان ذوق مرتبہ آزاد کے مسودے میں سامنے آتا ہے ۔ یہ تبدیلیاں گوناگوں اور بے شمار ہیں......اصلاح شدہ شکل یا توکسی ایسے ماخذ پر مبنی ہے جس کا حوالہ مولانا نے نہیں دیا یا پھر وہ مولانا کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے ......مولانا کی اصلاحات کی وجہ سے ذوق کا رنگ اکثر قائم نہیں رہا اور بعض مصرعے تو اپنی چستی ، بندش و درستی ، ترکیب اور بلندی معنی کے اعتبار سے مائل بہ پستی نظر آتے ہیں ۔'' (مرتب)

یہ قسط لالہ سری رام کے ایک مختصر بیان پر، جو محترمی قاضی عبدالودود صاحب بیرسٹرایٹ لاء (پٹنہ) نے عنایت فرمایا ہے، ختم کرتا ہوں[1] ۔ آزاد کے بیان میں لکھا ہے :

''ذوق کا ایک دیوان خاص اپنے اہتمام سے مرتب کیا ہے ۔ بعض لوگوں کا اس کی نسبت خیال ہے کہ آپ نے اس میں جا بہ جا تصرف کیا ہے'' (خم خانۂ جاوید' جلد ۱ ، صفحہ ۳۷) ۔

۱ ۔ یہاں ڈاکٹر تنویر احمد صاحب علوی کے مرتبہ دیوان ذوق کے مقدمے سے ایک اقتباس پیش کرنا مناسب ہوگا :

''نہ صرف مولانا کی زندگی میں بلکہ اس زمانے میں جب کہ مولانا نے اس کام کو انجام دیا تھا ، دیوان ذوق مرتبہ آزاد کے متن کی صحت پر اشتباہ کا اظہار کیا گیا ۔ چنانچہ داغ مرحوم نے جو خود ذوق کے اہم شاگردوں میں سے تھے ، اپنے ایک خط میں اس کی جانب شکوہ آمیز اشارہ کیا ہے :

''جو قصائد استاد کے نئے دیوان میں چھپے ہیں ، وہ ایک شخص کے پاس یہاں بھی ہیں ۔ آزاد نے بطور خود بعض جگہ بہت تصرف کیا ہے ۔'' (نگار ، جنوری ۱۹۵۰ء ، صفحہ ۳۰) ۔

'حیات ذوق' کے مصنف احمد حسین لاہوری نے بھی اس ضمن میں ایک روایت نقل کی ہے :

''دیوان غزلیات ذوق سن ۱۲۷۹ھ میں چھپ کر شائع ہوا تھا ۔ اب حال ہی میں مولانا آزاد نے بھی دیوان ذوق چھپوایا تھا ۔ مولانا آزاد کے ایڈیشن کی نسبت ایک صاحب کہنے لگے کہ اس میں انھوں نے بہت سی غزلیں اپنی ملا دی ہیں ۔ چناں چہ وہ کہتے تھے کہ میں اس کتب خانے میں جو اکبری دروازے کے باہر تھا ، جایا کرتا تھا اور دیکھا کرتا تھا کہ مولوی صاحب طبیعت سے اشعار گھڑ کر ناتمام غزلوں میں شامل کر دیتے تھے ۔''

(حیات ذوق ، صفحہ ۳۴) مرتب

۳ - دیوان ذوق میں مولانا آزاد کے اضافے

دیوان ذوق مرتبۂ مولانا محمد حسین آزاد میں ہمیں دو قسم کا کلام ملتا ہے ؛ ایک وہ جو پختگیِ سخن اور شاعری کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ پائے کا ہے اور جس کی بنا پر ذوق کو اساتذۂ فن کی صف میں قابل عزت جگہ ملی ہے - دوسرا وہ ہے جس کا پایۂ شاعری چنداں بلند نہیں - حضرت آزاد اس کو اُستاد کے بچپن کے کلام سے تعبیر کرتے ہیں - اُن کے الفاظ ہیں :

''ایسے اشعار اپنے کبھی کسی سے سنتے یا خود یاد آ جاتے تو سناتے اور عجب بت سے فرماتے : ''یہ ہمارا بچپن کا کلام ہے - نظر ثانی کریں گے ، پھر دیوان میں داخل کریں گے - اور کچھ کچھ اصلاح بھی کرتے جاتے تھے - مگر والد مرحوم کے تقاضوں سے اور میری حاضر باشی سے جس مسودے کو درست کر دیتے تھے، نئی غزل مرصع ہو جاتی تھی -'' (دیوان ، صفحہ ۸۰)

مولانا نے ایسی غزلوں کی ابتدا میں مختصر مختصر حاشیہ دے دیا ہے جس سے وہ دوسری غزلوں سے فوراً شناخت کی جا سکتی ہیں - میں ان غزلوں کی فہرست[1] یہاں درج کرتا ہوں - شناخت کے واسطے ان کی

---

۱ - ڈاکٹر صادق صاحب نے مولانا محمد حسین آزاد پر اپنے مقالے کے ضمیمے میں ذوق کی مشکوک غزلیات کی جو فہرست دی ہے ، اس میں حافظ صاحب کی اس فہرست کے غزلیات نمبر ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۵ ، ۱۶ ، ۱۷ ، ۲۱ ، ۲۲ ، ۲۳ ، ۲۴ ، ۲۵ ، ۲۶ اور ۲۷ شامل نہیں ہیں - صادق صاحب کے ہاں ایک غزل : ع

ہر گام پہ رکھے ہے وہ یہ ہوش نقش پا

البتہ موجود ہے - ممکن ہے کہ یہ حافظ صاحب کی فہرست میں غزل نمبر ۱۱ کی بدلی ہوئی صورت ہو - یوں بھی صادق صاحب اور حافظ صاحب کی فہرستوں میں ایک ہی غزل کے دیے ہوئے مصرعوں میں نمایاں فرق موجود ہے -

صادق صاحب کی فہرست میں صرف ایک غزل (آنکھیں مری تلووں سے وہ مل جائے تو اچھا) ایسی ہے جو حافظ صاحب کے ہاں مطلق غیر حاضر ہے - علاوہ ازیں تین قصائد بھی ہیں - (مرتب)

ابتدا کا ایک ایک مصرع کافی ہوگا :

(۱) جل اٹھا شمع نمط تار رگ جاں میرا (صفحہ ۸۰)
(۲) رکھتے تھے جو کشور کسریٰ و قیصر زیر پا (صفحہ ۸۱)
(۳) دشمن جاں یک بہ یک سارا زمانہ ہو گیا (صفحہ ۸۱)
(۴) کوہ کے چشموں سے اشکوں کو نکلتے دیکھا (صفحہ ۸۲)
(۵) برنگ گل صبا سے کب کھلا دلگیر دل میرا (صفحہ ۸۳)
(۶) اُن سے کچھ وصل کا ذکر اب نہیں لانا اچھا (صفحہ ۸۴)
(۷) چاہے عالم میں فروغ اپنا تو ہو گھر سے جدا (صفحہ ۸۴)
(۸) لخت دل اور اشک تر دونوں بہم دونو جدا (صفحہ ۸۵)
(۹) لعل لب و دندان صنم کا دل نے جب سے خیال کیا (صفحہ ۸۵)
(۱۰) ہجر میں کیا کیا مرض ہے سنگ دل پیدا ہوا (صفحہ ۸۶)
(۱۱) رکھ دل جلوں کی خاک پہ تو با فراغ پا[۱] (صفحہ ۸۶)
(۱۲) تجھ کو یوسف سے کیا حسن میں برتو پیدا (صفحہ ۸۶)
(۱۳) کوئی آوارہ تیرے نیچے اے گردوں نہ ٹھہرے گا (صفحہ ۸۸)
(۱۴) دیوانہ ہوں تیرا مجھے کیا کام کہ لوں گل (صفحہ ۱۲۰)
(۱۵) ہم سے ظاہر و پنہاں جو اُس غارت گر کے جھگڑے ہیں (صفحہ ۱۳۷)
(۱۶) تمنا نہیں ہے کہ امداد دل کو تپش کا صلہ ہو کہ مژد قلق ہو (صفحہ ۱۵۵)
(۱۷) جس ہاتھ میں خاتم لعل کی ہے، گر اُس میں زلف سرکش ہو (صفحہ ۱۵۶)

---

۱ - ڈاکٹر تنویر احمد علوی صاحب کا کہنا ہے :

"غزل نمبر ۱۱ سودا کی زمین میں ہے اور ذوق ایک زمانے تک سودا کی ایسی زمین ہائے غزل میں اپنے لیے کشش محسوس کرتے اور ان پر طبع آزمائی کرتے رہے - اس لیے اس کا امکان ہے کہ یہ غزل ذوق نے ہی کہی ہو اور بہت ممکن ہے کہ زمانۂ ابتدائے سخن گوئی میں کہی ہو -" (مرتب)

اس غزل پر حافظ ویران نے اپنی اشاعت میں یہ حاشیہ دیا ہے :
”یہ غزل زمانۂ ابتدائے سخن گوئی لکھی ہے ۔“ (صفحہ ۸۲)
(۱۸) ہاتھ سینے پہ مرے رکھ کے کدھر دیکھتے ہو (صفحہ ۱۶۲)
(۱۹) عبث تم اپنی رکاوٹ سے منہ بناتے ہو (صفحہ ۱۶۲)
(۲۰) جو کھوے قد یار کی تصویر دکھا دو (صفحہ ۱۶۳)
(۲۱) دم ذبح تیغ جفا میں جب تری بہتا آب حیات ہو (صفحہ ۱۶۳)
(۲۲) ہیں ترے رشک خط رخسار سے (صفحہ ۱۷۲)
(۲۳) یاں کے آنے کا مقرر قاصدا وہ دن کرے (صفحہ ۲۱۰)
(۲۴) کوئی کمر کو تری ، ہو اگر کمر ، تو کہے (صفحہ ۲۱۱)
(۲۵) ملنا ہمارا ان کا تو کب جائے جاے ہے[1] (صفحہ ۲۱۸)
(۲۶) قفل صد خانۂ دل آیا جو تو ٹوٹ گئے (صفحہ ۲۲۲)
(۲۷) کس کے مو شانے میں اے دست ہوس ٹوٹ گئے (صفحہ ۲۲۳)
(۲۸) خدا نے میرے دیا سینہ لالہ زار مجھے (صفحہ ۲۲۶)
(۲۹) مرض عشق جسے ہو اسے کیا یاد رہے (صفحہ ۲۲۶)
(۳۰) حد رقم سے وصف جبیں ہے صنم پرے (صفحہ ۲۳۱)
(۳۱) خم ابرو ترا جب یار نظر آتا ہے (صفحہ ۲۳۲)
(۳۲) مار کر تیر جو وہ دلبر جانی مانگے (صفحہ ۲۳۵)

ان غزلوں کو اگرچہ مولانا کے حاشیوں کی رہنمائی میں میں نے چن لیا ہے ، تاہم میں مطمئن نہیں ہوں ۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ”انتہاے کلام تو سب سے سن چکے ، ابتدائے کلام آزاد سے سنو“ (صفحہ ۸۰ دیوان)۔ اس عبارت سے تو یہی گمان گزرتا ہے کہ اس کے ذیل میں جو غزلیں ہیں وہ ذوق کے بچپن کا کلام ہوں گی ۔ لیکن پہلی غزل کے بعد جو دوسری غزل آتی ہے اس کو مولانا آغاز شباب کی غزل بتاتے ہیں ، تو پھر یہ بچپن کا کلام نہ ٹھہرا ۔ تیسری غزل کے واسطے کہا ہے : ”ایک مرشد زادے کی فرمائش سے کہی تھی ۔ انھیں گانے بجانے کا بہت شوق تھا ، اسی کے لیے غزل کہوائی تھی“ (صفحہ ۸۱) ۔ بچپن یا ابتدائی زمانے

۱۔ ڈاکٹر تنویر احمد علوی صاحب کا بیان ہے کہ غزل نمبر ۲۳ ، ۲۴ اور ۲۵ مولانا آزاد کی مملوکہ ایک قلمی بیاض میں مل جاتی ہیں ۔ (مرتب)

میں ذوق مرشد زادوں سے کہاں تعلق میں آئے۔ یہ اُن کے شباب کا زمانہ ہونا چاہیے جب اُنھیں قلعۂ معلّی میں داخلے کی اجازت ملی ہوگی۔ چوتھی غزل کو ابتدائی مشق کہا ہے۔ پانچویں پر کوئی حاشیہ نہیں۔ چھٹی پر 'ابتدائی مشق' لکھا ہے۔ ساتویں پر خاموشی سے گزر گئے۔ آٹھویں کے لیے فرماتے ہیں: "نظرثانی سے نور نہیں پایا۔" نویں، دسویں بھی غالباً اسی مد میں داخل ہیں۔ گیارھویں پر کوئی حاشیہ نہیں۔ بارھویں کو تیس ہزاری باغ کی پیداوار بتایا ہے؛ لیکن تیس ہزاری باغ کی غزلوں کی تاریخ، جو مولانا دیتے ہیں، وہ ۱۲٦۰ھ ہے۔ اس سنہ میں ذوق چھپن برس کے ہوں گے۔ الغرض باوجود اُس تفصیل کے جو مولانا نے دی ہے، ہم ذوق کے بچپن کے کلام کی شناخت سے قاصر ہیں۔ یا ہمیں اس اصلاح (بچپن) میں وسعت پیدا کرنی ہوگی اور ابتدائی مشق، آغاز شباب، عنفوان شباب اور عالم شباب وغیرہ کو اُس مد میں شامل ماننا پڑے گا۔ اس صورت میں فہرست بالا کی تمام غزلیں ذوق کے بچپن کے کلام میں شمار ہو سکتی ہیں۔

ایک عجیب امر یہ ہے کہ اس فہرست کی اکثر غزلیں حافظ ویران کے اڈیشن میں نہیں ملتیں۔ چنانچہ اوپر کی بتیس غزلوں میں سے صرف گیارہ غزلوں کے ایک ایک، دو دو یا زیادہ اشعار ملتے ہیں سوائے غزل ۲۲ کے جو اُن کے ہاں بھی پوری موجود ہے[1]۔ ہمیں تعجب ہوتا

۱ - ڈاکٹر تنویر احمد علوی صاحب کی تحقیق کے مطابق: "ان میں سے صرف غزل نمبر ۲۲ ہی ایسی نہیں جو نسخۂ ویران میں مکمل صورت میں موجود ہو بلکہ ۱٦ اور ۱۷ نمبر پر آنے والی غزلیں بھی اسی ذیل میں آتی ہیں۔ یہ ایک آدھ شعر کے فرق کے ساتھ نسخۂ ویران میں مکمل طور پر موجود ہیں اور غزل نمبر ۱۷ کو پیش کرتے ہوئے خود مذکورہ نسخے کے حاشیے میں یہ وضاحت کی گئی ہے: "یہ غزل زمانۂ ابتدائے سخن گوئی لکھی ہے۔" (مقدمۂ کلیات ذوق، صفحہ ۵٦)

ڈاکٹر صاحب کی تحقیق صحیح ہے، تاہم وہ خود بھی یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ دونوں غزلیں ہر دو نسخوں میں مکمل طور پر یکساں نہیں ہیں بلکہ چند مصرعوں کا فرق موجود ہے۔ (مرتب)

ہے کہ حافظ ویران ، ذوق کی خدمت میں اس قدر حاضر باشی کے باوجود ان غزلوں سے نا واقف محض ہیں ۔ ذوق کے اس حصۂ کلام سے آن کی بے خبری یقیناً حیران کن ہے ۔ وہ صرف ایک غزل کو ، جیسا کہ سطور بالا میں دیکھا جا چکا ہے ، ذوق کی ابتدائے شاعری کا کلام بتاتے ہیں ۔

ایک نئی بات یہ بھی ہے کہ ذوق کا یہ بچپن کا کلام سوائے بعض غزلوں کے آس مخصوص رنگ میں نہیں ہے جس رنگ میں آن کا باقی کلام ہے ۔ ان غزلوں کا انداز ذوق کے کلام سے بالکل مختلف ہے لہٰذا ذوق کے آس حصۂ کلام پر جس کے تنہا راوی مولانا آزاد ہیں ، شبہے کی گنجائش ضرور نکل آتی ہے ۔ یہی نہیں ، ایک اور وجہ بھی ہے جو اس سے زیادہ وزنی ہے ؛ میرے پاس بعض مسودے خود حضرت مولانا کے قلم میں ہیں ۔ ان کی شہادت مولانا کے نظریے کے خلاف جاتی ہے ۔ اس شہادت کی رو سے ، جس کی تردید میں نہیں جانتا کیوں کر کی جائے ، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آستاد ذوق کا یہ مبینہ کلام ذوق سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا بلکہ اس کی تصنیف کی ذمہ داری حضرت مولانا پر عائد ہوتی ہے ۔ میرے پاس نو کاغذ ہیں جن میں چودہ ایسی غزلیں مسودوں کی شکل میں درج ہیں ۔ ان میں مذکورۂ بالا غزلوں کے نمبر ۱۵ ، ۲۸ ، ۲۹ ، ۳۰ ، ۳۱ ، ۳۲ بھی شامل ہیں ۔ اس کے علاوہ آٹھ اور غزلیں متعلقہ ردیف یا مندرجۂ دیوان موجود ہیں ۔ یہ کاغذات یقیناً نقلیں نہیں ہیں بلکہ اصل مسودے ہیں جن میں جگہ جگہ الفاظ اور مصرعوں کو کاٹا چھانٹا گیا ہے ۔ غالباً مولانا نے یہ جدید مواد دیوان ذوق کے لیے آستاد کے بچپن کے کلام کے نام سے تیار کیا ہے ۔ ان میں ، جیسا کہ مسودوں کا دستور ہے ، بعض شعر صاف مرقوم ہیں اور بعض مصرعوں اور شعروں کی تو پانچ پانچ چھ چھ مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ قطع و برید ہوئی ہے ۔ اگر یہ کاغذات ذوق کے خط میں ہوتے تو ذوق کے ایام طفلی کے کلام کا نظریہ بالکل درست بیٹھتا ۔ لیکن وہ تو مولانا کے قلم میں ہیں اور اندرونی شہادت سے پایا جاتا ہے کہ ۱۸۸۰ء اور ۱۸۸۹ء کے مابین کسی وقت تیار ہوئے تھے ۔ ان مسودوں کا وہی انداز ہے جو شاعر اپنی غزل تیار کرتے وقت اختیار کرتا ہے ؛ یعنی ایک ایک لفظ

پر غور کرتا ہے ، الفاظ کو الٹ پلٹ اور جملوں میں رد و بدل کرتا ہے ، بیان کی خوبی اور مضمون کی صفائی پر نظر رہتی ہے ، شعر اور مصرعے کاٹ کاٹ کر لکھنے پڑتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

میں یہاں یہ عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ یہ مسودے منجملہ دیگر پرانے کاغذات کے حضرت مولانا کی ردی کے ، جو کچھ سال قبل آتش زدگی سے بچائی گئی تھی ، دستیاب ہوئے ہیں۔ حضرت مولانا کے نبیرے آغا محمد باقر سلمانی ایم ۔ اے نے مجھے عنایت کیے ہیں ۔ میں نے اس ردی کے ڈھیر میں سے کئی چیزیں کام کی نکالی تھیں ۔ خصوصاً تذکرۂ 'آب حیات' کے تعلق میں ۔ ان میں سے آغا صاحب نے بعض کاغذ مجھے دے دیے اور بعض واپس لے لیے ۔ میں نے آغا صاحب کی تحریک سے آب حیات' پر اورینٹل کالج میگزین میں تنقید کا سلسلہ شروع کیا تھا ۔ آغا صاحب نے اس کو پڑھ کر ناخوشی کا اظہار کیا ، میں نے وہ سلسلہ جاری نہ رکھا ۔ ۱۹۴۲ء میں جب میں لاہور گیا ، آغا صاحب مہربانی کرکے مجھ کو اپنے دولت خانے پر لے گئے ۔ یہ وہی مکان تھا جس میں مولانا آزاد رہا کرتے تھے ۔ ان دنوں میری صحت بہت گری ہوئی تھی ۔ مجھے آغا صاحب کے ساتھ جانے میں تامل تھا ۔ ترغیب دینے کے لیے کہنے لگے کہ دادا جان کے پرانے کاغذات میں سے جو آپ پسند کریں گے ، دے دوں گا ۔ اس پر میں راضی ہوگیا ۔ ان کے ہاں جاکر اس ردی کے انبار کو دیکھا ۔ اس میں سے بعض چیزیں کام کی نکلیں ؛ مثلاً دو مضمون شاہ نصیر اور میر ممنون کے حالات پر ، بلوخمن پرنسپل مدرسہ کالج کلکتہ کے فارسی عربی کتب خانے کی فہرست ، جو خود مولانا نے اپنی لگائی ہوئی قیمتوں کے ساتھ تیار کی تھی ۔ موصوف کی وفات پر یہ کتب خانہ معرض بیع میں آیا ۔ مولانا بھی اس کے خریداروں میں تھے ۔ چند کاغذات قدیم دہلی اور اس کے کتبوں کے متعلق تھے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا کو اسلامی آثار قدیمہ سے بھی خاصی دل چسپی تھی ۔ نواب ضیاءالدین خان بہادر کا ایک مطبوعہ قصیدہ ، جو دربار دہلی کے موقع پر لکھا گیا تھا ۔ یک ورق فہرستیں مطبوعہ مصر و بمبئی نیز غزلیات ذوق کے یہ مسودات زیر بحث ۔ بعض چیزیں انھوں نے

واپس لے لیں کہ ان سے 'آب حیات' کی شہرت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے - اُس وقت ان مسودوں کی اہمیت کو نہ میں سمجھا ، نہ آغا صاحب سمجھے ورنہ مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے ان کی ہوا بھی نہ دیتے - مجھ کو حضرت مولانا کے ہاتھ کی تحریروں کی ضرورت تھی - چوں کہ یہ کاغذات بھی مولانا کے قلم میں تھے ، اس لیے آغا صاحب نے مجھے دے دیے - ایک مدت کے بعد ان کاغذات کی اہمیت مجھ پر منکشف ہوئی - اُستاد ذوق اور مولانا آزاد دونوں ہماری ادبیات کے آسمان کے تاباں ستارے ہیں - ان کے تعلق میں ہر تازہ اطلاع ہمارے سرمایۂ معلومات میں قیمتی اضافہ ہے - میں علمی دل چسپی کے خیال سے ان کاغذات کو شائع کرتا ہوں - ممکن ہے کہ ان کی اشاعت سے کوئی قابل قبول توجیہ اس غیر معمولی صورت حال کی بابت ہمارے ہاتھ آ جائے - اس صورت میں سب سے پہلے میں اپنی غلطی تسلیم کرنے کے واسطے تیار رہوں گا - ایک امر میرے لیے موجب تاسف ہے کہ اس تحقیق و تنقید کے چکر میں آ کر مجھ کو حضرت مولانا ، خصوصاً ان کے پوتے آغا صاحب سے شرمندہ ہونا پڑا - مجھ کو پورا پورا احساس ہے کہ میں اُن کی مہماں نوازی کا صلہ کھوٹے داموں میں دے رہا ہوں ، لیکن موقع کی اہمیت کافی عذر خواہ ہے - علم پرستی کا لحاظ سب سے اقدم ہے -

اس جملۂ معترضہ سے فراغت پا کر میں اُن مسودوں کی طرف رجوع کرتا ہوں ؛ جب یہ کاغذات میرے مطالعے میں آئے تو میرا پہلا خیال یہی ہوا کہ یہ اُستاد ذوق کے ہاتھ کے مسودے ہیں لیکن سیاہی اور کاغذ پر غور کرنے سے مجھے بہت جلد اپنی رائے میں ترمیم کرنی پڑی اور معلوم ہو گیا کہ یہ کاغذات مولانا کے اپنے زمانے کے ہیں - چھ کاغذ طالب علموں کے امتحان کی کاپیوں سے لیے ہیں - دو کاغذ نارتھ ویسٹرن ریلوے کے مطبوعہ فارموں پر ہیں جو جنوری ۱۸۸۸ع میں چھپے تھے - ایک کاغذ ڈائریکٹر تعلیمات پنجاب کے دفتر سے مارچ ۱۸۸۷ع کی تاریخ کی مولانا کے نام چھٹی ہے - ہلکی اُودی روشنائی میں مسودے تیار ہوئے ہیں -

مجھے جس چیز نے سب سے زیادہ حیران کیا ، یہ تھی کہ ذوق کی

غزلوں کے مسودے حضرت مولانا کے خط میں یہاں کیا کو رہے ہیں۔ آخر مطبوعہ دیوان ذوق میں، جو مولانا نے مرتب کیا تھا، ان غزلوں کو تلاش کیا۔ اُس میں تمام غزلیں بہ تفاوت قلیل مل گئیں۔ اُدھر حافظ ویران کے مرتبہ دیوان میں پوری غزلیں تو کجا، اُن کا ایک شعر تک نظر نہ آیا۔ نہ تذکرہ نگار ان سے واقف ہیں۔ آخر یہ رائے قائم کرنی پڑی (خدا کرے غلط ہو) کہ مولانا نے یہ غزلیں تصنیف کرکے ذوق کے دیوان میں اضافہ کر دی ہیں اور اُستاد کے بچپن کے کلام سے انھیں موسوم کر دیا ہے۔ میں یہ رائے دے کر آخری فیصلہ اپنے ناظرین پر چھوڑتا ہوں۔ ذیل میں اُن مسودات کی غزلوں کی فہرست عرض ہے[1]۔ حوالۂ صفحات مولانا کے دیوان سے ہے۔

(۱) ہم سے ظاہر و پنہاں جو اُس غارت گر کے جھگڑے ہیں (صفحہ ۱۳۷)

(۲) خدا نے میرے دیا سینہ لالہ زار مجھے[2] (صفحہ ۲۲۶)

۱۔ ڈاکٹر محمد صادق صاحب نے مولانا محمد حسین آزاد پر اپنا تحقیقی مقالہ ۱۹۳۹ع میں مکمل کیا تھا جو ۱۹۶۵ع میں شائع ہوا ہے۔ اشاعت کے وقت ڈاکٹر صاحب نے اس میں چند ضمیموں کا اضافہ کیا ہے۔ ضمیمہ نمبر ۸ میں انھوں نے ایسی ۲۷ غزلیں اور تین قصیدوں کی ایک فہرست دی ہے جن کے متعلق ان کے پاس ناقابل تردید دستاویزی ثبوت موجود ہے کہ یا تو ان کے مسودے آزاد کے پاس سرے سے تھے ہی نہیں اور اگر تھے تو غیر تسلی بخش حالت میں۔ اس فہرست میں حافظ صاحب کی دی ہوئی چودہ غزلوں میں سے پہلی اور آخری کے سوا باقی ماندہ بارہ غزلیں بھی موجود ہیں۔ (مرتب)

۲۔ ڈاکٹر تنویر احمد کا بیان ہے:

"غزل نمبر ۲ کے بارے میں بھی یہ سوچنے کی گنجائش ہے کہ اس زمین میں ذوق نے اپنے بچپن میں شعر کہے ہوں، اس لیے کہ مجموعۂ نغز میں، جو ذوق کے عالم نوعمری میں ترتیب دیا گیا، اس زمین میں بعض شعرا کی غزلیں موجود ہیں"۔ لیکن اس بات کا کیا علاج کہ ڈاکٹر صادق صاحب کے 'ناقابل تردید دستاویزی ثبوت' کی موجودگی ہمیں اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۵ پر)

(۳) مرض عشق جسے ہو آسے کیا یاد رہے (صفحہ ۲۲۶)
(۴) چشم قاتل ہمیں کیوں کر نہ بھلا یاد رہے (صفحہ ۲۲۷)
(۵) تدبیر نہ کر فائدہ تدبیر میں کیا ہے (صفحہ ۲۲۸)
(۶) پری رو کیا ستم‌گر پیشتر ایسے نہ ہوتے تھے (صفحہ ۲۲۹)
(۷) نہ کھینچو عاشق تشنہ جگر کے تیر پہلو سے (صفحہ ۲۲۹)
(۸) برق میرا آشیاں کب کا جلا کر لے گئی (صفحہ ۲۳۰)
(۹) حدِ رقم سے وصف جبیں ہے صنم پرے (صفحہ ۲۳۱)
(۱۰) ذکر مژگاں تیرا جس کے روبرو نکلا کرے (صفحہ ۲۳۲)
(۱۱) خم ابرو ترا جب یار نظر آتا ہے (صفحہ ۲۳۲)
(۱۲) دکھلا نہ خال ناف تو اے گل بدن مجھے (صفحہ ۲۳۴)
(۱۳) مار کر تیر جو وہ دل بر جانی مانگے[1] (صفحہ ۲۳۵)
(۱۴) نہ دیں گواہی جو داغ کہن نہیں دیتے[2] (صفحہ ۲۳۵)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۴ سے)

ظن خیر سے محروم کر دیتی ہے - ہاں اتنا ضرور ہے کہ بہ قول ڈاکٹر تنویر صاحب ''ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ذوق سے ان کا کوئی تعلق ہی نہیں -'' (مرتب)

۱ - ڈاکٹر تنویر احمد رقم طراز ہیں :

''غزل نمبر ۱۳ کسی مشاعرے کی غزل ہے - اس زمین میں غالب کی غزل کے علاوہ ذوق کے بعض دیگر معاصر شعرا کے اشعار بھی تذکروں میں ملتے ہیں ، اور گو اس بارۂ خاص میں کچھ کہنا مشکل ہے لیکن از روے قیاس کہا جا سکتا ہے کہ ذوق نے اس زمین میں بھی غزل کہی ہوگی'' - یہاں پھر ڈاکٹر صادق کا دستاویزی ثبوت ہمارا سدِ راہ ہے - (مرتب)

۲ - اس غزل کے متعلق ڈاکٹر تنویر احمد صاحب اپنے مرتبہ دیوان ذوق کے مقدمے میں فرماتے ہیں :

''ان سب غزلوں سے متعلق شیرانی مرحوم کی اس رائے کی تردید شاید ممکن نہ ہو سکے لیکن آخری غزل نمبر ۱۴ سے متعلق مجھے یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۶ پر)

سطور آیندہ میں بعض غزلوں کے مسودوں کی تفصیلی نقل دی جاتی ہے -

غزل اول :

اس غزل کے واسطے مولانا فرماتے ہیں : ''عالم شباب کی غزل ہے - یہ بھی بادشاہ کو پسند آ گئی تھی (دیکھو صفحہ ۱۱۲) کشش کی مقناطیس بہت لگائی مگر اُستاد نے بھی نہیں چھوڑی - حکیم احسن اللہ خاں طبیب شاہی تھے اور بڑے مقرب تھے (یہاں سے کچھ عبارت جو غیر متعلق تھی ، میں نے چھوڑ دی) انھیں یہ غزل بہت پسند تھی - حضور کے سامنے انھی کی زبان سے نکل گئی تھی -'' (دیوان ذوق طبع ۱۹۲۲ع ، صفحہ ۱۳۷ -)

بیانات بالا میں سے کسی ایک پر بھی مہر تصدیق نہیں لگائی جا سکتی - مولانا یہ غزل ذوق کے عالم شباب کی نوشتہ بتاتے ہیں - ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ بادشاہ کو پسند تھی - اس حساب سے بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد لکھی گئی ہوگی - یہ مان کر کہ بادشاہ کے پہلے سال جلوس (۱۲۵۳ھ) میں لکھی گئی تھی ، ذوق کی عمر اُس وقت ایک کم چالیس برس کی ہونی چاہیے - ہاں تو یہ ان کے شیب کا زمانہ ہے ، نہ کہ شباب کا -

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۵)

عرض کرنا ہے کہ اس کا مسودہ بہ قلم ذوق بھی اب تک موجود ہے اور اس میں تقریباً یہ تمام غزل ، جسے مولانا کی فکر فرمائی سے منسوب کیا گیا ہے ، مل جاتی ہے......مسودۂ ذوق میں اشعار کی تعداد ۱۵ اور آزاد میں ۱۸ ہے......مولانا نے اصل مسودے میں کوئی تبدیلی یا اضافہ نہیں کیا جس کے معنی ہیں کہ پہلے انھوں نے اسے نقل کیا اور اس کے بعد بعض تبدیلیاں کیں -''

غالباً یہ مسودہ ڈاکٹر صادق صاحب کی نظر سے بھی گزرا ہوگا - اسی لیے انھوں نے ذوق کی مشکوک غزلیات کی فہرست سے اس غزل کو خارج کر دیا ہے - (مرتب)

دوسرا دعویٰ ہے کہ بادشاہ اس غزل کو لینا چاہتے تھے مگر استاد نے نہیں دی ۔ یہ بیان بھی صحت سے دور معلوم ہوتا ہے ۔ اس غزل کے مقطع میں بادشاہ پر صاف صاف حملہ ہے ۔ اگر حکیم احسن اللہ خاں چاہتے بھی تو بادشاہ تک پہنچانے کی جرأت نہ کر سکتے تھے ۔ نہ غزل ایسے اعلیٰ پائے کی ہے کہ جس کے واسطے بادشاہ اور ذوق کے درمیان رسا کشی ہوتی ۔ لیکن بادشاہ مانگتے کہاں سے اور استاد دیتے کہاں سے ، جب اس زمانے میں اس غزل کا وجود ہی نہ تھا ۔ اب جو غزل وجود ہی نہ رکھتی ہو ، بھلا حکیم احسن اللہ خاں اسے کیا پسند کرتے اور حضور کے سامنے اس کا چرچا کیا کرتے ۔

حقیقت یہ ہے کہ اس غزل کے مصنف خود حضرت مولانا ہیں ۔ وہ اس کو لکھ کر دیوان ذوق میں شامل کو دیتے ہیں ۔ تمہید میں جو تخیل کے گل بوٹے کھینچے ہیں ، ان میں حقیقت کی بو باس نہیں ۔ اس دعوے کے ثبوت میں وہی کاغذ ، جس پر حضرت مولانا نے اس غزل کا مسودہ اپنے خط میں تیار کیا ہے ، پیش کیا جا سکتا ہے ۔ اسی مقصد سے اس کے چار شعروں کا بلاک ، جن میں مقطع بھی آ گیا ہے ، یہاں شامل کر دیا ہے ۔

مقطع میں حضرت مولانا نے حسب معمول ظفر کو بد نام کرنے کی کوشش کی ہے اور ذوق کی زبان سے کہلوایا ہے کہ ذوق تیرا دیوان کیوں کر مرتب ہو سکتا ہے ۔ عدیم الفرصتی کی شکایت فضول ہے ۔ خود کردہ را درماں نیست ۔ تو نے ظفر کا جھگڑا اپنے سر باندھ لیا ہے ۔ گویا ذوق رات دن بادشاہ کی غزلوں کی تیاری میں لگے رہتے اور اپنی غزلیں لکھنے کی ان کو فرصت نہ ملتی ۔ لیکن ذوق اپنا دیوان ترتیب نہ دے جانے کی وجہ اپنی پریشان خاطری بتاتے ہیں ۔ چنانچہ :

ذوق کیوں کر ہو اپنا دیوان جمع
کہ نہیں خاطر پریشاں جمع (صفحہ ۱۱۷)

ایک اور موقع پر یہ شاعرانہ توجیہ پیش کرتے ہیں :

ذوق دل سوختہ دیوان لکھے اپنا کیا خاک
متحمل نہیں گرمیٔ سخن کا کاغذ (صفحہ ۱۰۵)

مولانا بار بار ذوق کے منہ میں یہ الفاظ ڈالتے ہیں کہ ''حضور کی غزلیں کہاں فرصت دیتی ہیں۔'' (صفحہ ۱۱۰، دیوان)

یہ الفاظ ذوق نے بروقت ملاقات حکیم مومن خاں سے کہے تھے، جب انہوں نے ذوق سے نیا کلام سنانے کی خواہش کی تھی۔ مولانا نے ''یک تیر دو فاختہ'' کے مقولے پر عمل کرکے ظفر کے ساتھ مومن خاں کو بھی کانٹوں میں گھسیٹ لیا۔ کسی اور موقع پر مومن خاں اور ذوق کی پھر ملاقات کرائی جاتی ہے اور مومن خاں کی درخواست پر کہ ''کچھ ان دنوں کا کہا ہوا سنائیے، مدتیں گزر گئیں آپ کے منہ سے کچھ نہیں سنا'' ذوق وہی قدیمی عذر لنگ پیش کرتے نظر آتے ہیں کہ ''حضور کی غزلیں فرصت کہاں دیتی ہیں۔'' (صفحہ ۲۰۰، دیوان)

ادھر مولانا، ذوق کی غزلوں کی کثرت کے اظہار میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ غزلوں سے طاق بھر گیا، تکیے کے غلاف بھر دیے، مٹکے اور ٹھلیاں اور تھیلے بھی بھر گئے'' (صفحہ ۲۱ دیوان) اور ان کے تخمینے میں کہتے ہیں کہ ''جو غزلیں اپنے تخلص سے کہی تھیں، اگر جمع کی جاتیں تو بادشاہ کے چاروں دیوانوں کی برابر ہوتیں'' (صفحہ ۲۸، دیوان) کہا جا سکتا ہے کہ جب حضور کی غزلیں فرصت ہی نہ دیتی تھیں تو آخر یہ تمام ذخیرۂ غزلیات، جو بادشاہ کے چاروں دیوانوں کے مساوی تھا، کہاں سے فراہم ہو گیا؟ اب صورت یہ ہے کہ ذوق، مولانا کے اپنے بیان کے مطابق، ظفر کے چار دیوان، معروف کا ایک دیوان، ایک دیوان کے برابر، مجموعۂ قصائد اور ظفر کے چاروں دیوانوں کے برابر اپنا انبار غزلیات، بہ الفاظ دیگر تقریباً دس دیوان لکھ چکے ہیں؛ پھر بھی حضرت کو شکایت باقی ہے کہ بادشاہ کی غزلیں فرصت ہی نہیں دیتیں۔ یہ اگر ظفر کو ناحق بد نام کرنا نہیں ہے تو کیا ہے؟ ورنہ سچی بات یہ ہے کہ ذوق کو اپنے شاگردوں کی غزلوں کی اصلاح میں، جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی، بڑا وقت صرف کرنا پڑتا تھا۔ اب میں اصل مسودے کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

مسودے کا کاغذ کسی طالب علم نرنجن داس، اسکاچ مشن سکول سیالکوٹ کے مضمون سے، جس کا عنوان 'تعلیم' معلوم ہوتا ہے،

بیا گیا ہے ۔ نمبر صفحہ ۵ ہے ۔ مضمون، جیسا کہ امتحان کی کاپیوں کا دستور ہوتا ہے ، ایک طرف مرقوم ہے ۔ طرف ثانی سادہ چھوٹی ہوئی ہے ۔ اس طرف مولانا اپنا مسودۂ غزل تیار کرتے ہیں ۔ کاغذ انگریزی ہے ۔ آبی خطوط پڑے ہیں ۔ کاغذ ساز کمپنی کا نشان تاج اور اس کے نیچے بیضوی دائرے میں ایک عورت (برطانیا) ترسول لیے کرسی کے سہارے بیٹھی دکھائی گئی ہے ۔ ورق چونکہ بڑا تھا ، مولانا نے شکن ڈال کر دوہرا کر لیا اور ایک ورق کے دو ورق بنا لیے ۔ مسودہ ورق کی سیدھی طرف سے شروع ہوتا ہے ، لیکن کتابی شکل میں نہیں بلکہ بیاضوں کی طرح جن میں مصرعے اوپر تلے منحرف لکھے جاتے ہیں ۔ جن جن الفاظ یا فقروں پر قلم پھیرا گیا ہے ، میں نے بھی تقلیداً ان پر اسی طرح قلم پھیر دیا ہے ۔ اصل مسودے کی نقل کے علاوہ اس کے نیچے مولانا کے مرتبہ دیوان سے ہر شعر مقابلے کے واسطے نقل کر دیا ہے تاکہ دونوں کا فرق معلوم ہو جائے ۔ اشعار کی ترتیب مسودے کی ترتیب کے مطابق ہے ۔ مسودے اور مطبوعہ دیوان کے درمیان کی کڑی مطبع کی کاپی سمجھنی چاہیے جس میں مولانا نے موقع بہ موقع تبدیلیاں بھی کی ہیں ۔ صفحے کے بالائی دائیں گوشے میں سب سے اول الفاظ ''اللہ و علی'' نظر آتے ہیں ۔ ان کے نیچے غزل شروع ہوتی ہے ۔ اس غزل کے چار شعروں کا بلاک بھی دے دیا جاتا ہے ۔ افسوس ہے کہ بلاکوں میں کہیں کہیں حرف صاف نہیں یا بہت بگڑ گئے ہیں ۔

اصل مسودہ سے

(۱) ہم سے ظاہر و پنہاں جو اس غارتگر کے جھگڑے ہیں
دل سے دل کے جھگڑے ہیں نظروں سے نظر کے جھگڑے ہیں

دیوان مطبوعہ سے

ہم سے ظاہر و پنہاں جو اس غارتگر کے جھگڑے ہیں
دل سے دل کے جھگڑے ہیں نظروں سے نظر کے جھگڑے ہیں
(صفحہ ۱۳۷)

اصل مسودہ سے

کیا ملک فنا میں

ہی جی ~~اس ملک~~

(۲) جینے ~~ہی جی اس دنیا میں کیا~~ ساتھ بشر کے جھگڑے ہیں

ادھر سے

مر کے ~~چھٹا~~ جب کہ چھٹا ~~تو~~ تو جا کے ادھر کے جھگڑی ہیں

مر کے چھٹا ~~جب~~ دنیا سے ادھر

~~مر کے ادھر دنیا سے چھٹا~~

دیوان سے

جینے ہی جی کیا ملک فنا میں ساتھ بشر کے جھگڑے ہیں

مر کے ادھر سے جب کہ چھٹے تو جا کے آدھر کے جھگڑے ہیں

(صفحہ ۱۳۸)

اصل سے

(۳) کیسا مومن کیسا کافر کون ہے صوفی کیسا رند

سارے بشر ہیں بندے حق کے سارے شر کے جھگڑے ہیں

دیوان سے

کیسا مومن کیسا کافر کون ہے صوفی کیسا رند

سارے بشر ہیں بندے حق کے سارے شر کے جھگڑے ہیں

شعر نمبر ۲ و ۳ کے گوشے کی بیاض میں صفحے کے دائیں کنارے پر لکھا ہے : ''سر یہ سفر کے جھگڑے ہیں۔'' یہ فقرہ بطور یادداشت تحریر ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس قافیے کو بھی باندھا جائے گا۔

اصل سے

ہر اس کے

(۴) ایک ایک جور و ستم ~~ہر اس کے~~ سو سو داغ دل ہیں گواہ

ہم جو آتے جھگڑے ہیں حق ثابت کرکے جھگڑے ہیں

دیوان ؎

ایک ایک جور و ستم پر اس کے سو سو داغ دل ہیں گواہ
ہم جو اس سے جھگڑے ہیں حق ثابت کرکے جھگڑے ہیں

شعر نمبر ۳ و ۴ کی درمیانی بیاض میں صفحے کے کنارے ”زیور و زر کے“ بغرض یادداشت مرقوم ہے۔ گویا اس قافیے کے باندھنے کا بھی ارادہ ہے۔ آیندہ تین شعروں کا صفحے کے زیریں طرف سے طولاً بالائی طرف رخ ہے۔

اصل ؎

غم کہتا ہے دل میں رہوں میں جلوۂ جانا [ں] کہتا ہے میں
جلوۂ جانا [ں] ~~دل میں عیاں ہے~~
~~کس کو~~ غم کہتا ہے دل میں رہوں میں جلوۂ جانا [ں] کہتا ہے میں
کس کو نکالوں کس کو رکھوں یہ تو گھر کے جھگڑے ہیں

دیوان ؎

غم کہتا ہے دل میں رہوں میں ! جلوۂ جاناں کہتا ہے میں !
کس کو نکالوں کس کو رکھوں ! یہ تو گھر کے جھگڑے ہیں

اصل ؎

مرتب کیونکہ[۱] ہو دیوان ۔ شکوۂ فرصت کس سے کریں
~~ہو اسلوب اپنا کہا اور لائیں کہاں سے فرصت ہم~~
ذوق ~~مرتب دیوان~~[۲] ~~اپنا~~
~~نوحہ~~ باندھے گلے میں ہم نے اپنے آپ
کون ~~پڑھے اس کو کہ ہوہیں نامہ میں~~ ظفر کے جوگڑے[۳] ہیں

---

۱ - ’کیوں کہ ہو دیوان‘ بلاک میں بالکل غلط ہے۔
۲ - ’دیوان اپنا‘ بلاک والے نے مہمل کر دیا ہے۔
۳ - اس مصرع میں ’کون‘ کا ’نون‘ اور ، ’نامہ‘ کا ’مہ‘ بلاک میں اڑ گئے ہیں۔

دیوان سے

ذوق مرتب کیوں کہ ہو دیوان شکوۂ فرصت کس سے کریں
باندھے گلے میں ہم نے اپنے آپ ظفر کے جھگڑے ہیں
(صفحہ ۱۳۸)

اصل سے

بحر میں گوہر پانی پانی ~~لعل کا دل خون پتھر میں~~
~~پانی پانی ہو گئے موتی لعل ہیں سارے خون بہ جگر~~
~~دیکھو~~ لعل کا دل خون ہے دیکھو
ہوئے لب و دلداں سے تمہارے لعل و گہر کے جھگڑے ہیں

دیوان سے

بحر میں موتی پانی پانی ۔ لعل کا دل خون پتھر میں
دیکھا! لب و دنداں سے تمہارے لعل و گہر کے جھگڑے ہیں

ہوں جب سنگ ہمارے سینے پر
~~ہووہیں سنگ ہمارے سینے پر~~
دوست کے گھر میں دشمن آ کر سنگ ہوں میری چھاتی پر

~~دل کا ذکر ہو کیسے کرتے اب~~ تو سر کے جھگڑے ہیں
دل کا ذکر رہا ~~ہے اب~~ کیا باقی ۔ پھر

دیوان سے

دوست کے گھر میں دشمن ہو جب سنگ ہمارے سینے پر
دل کا ذکر رہا کیا باقی ، پھر تو سر کے جھگڑے ہیں

اصل سے

~~کا دیکھ کے~~
~~حضرت دل نے عالم پر عالم ہو گیا سارا میکدہ بہت~~
دیکھنا
حضرت دل کا ~~کیا کہوں~~ عالم ہاتھ اٹھائے دنیا سے
آپ ہیں بیٹھے اور کھڑے سو سر پہ سفر کے جھگڑے ہیں

دیوان ســہ

حضرت دل کا دیکھنا عالم ہاتھ اٹھائے دنیا سے
پاؤں پسارے بیٹھے ہیں اور سر پہ سفر کے جھگڑے ہیں

یہ صرف نو شعر کی غزل ہے لیکن چوبیس جگہ بہ نظر درستی و اصلاح آس پر قلم پھیرا گیا ہے اور ہر تبدیلی پہلی تبدیلی سے بہتر و روشن تر ہے۔ اگر اس کو مسودہ نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟ مقطع میں ظفر پر جو چوٹ ہے، بالکل بے موقع ہے۔ کیا ایسی وضعی شہادت سے اسپرنگر کے مدعیانہ بیان (فہرست کتب خانۂ اودھ ۱۸۵۴ ع) کے واسطے ظفر کے خلاف ثبوت بہم پہنچایا گیا ہے؟

غزل دوم

یہ غزل مذکورہ بالا نرنجن داس (اسکاچ مشن سیال کوٹ) کے مضمون 'تعلیم' کے پہلے صفحے کی پشت پر درج ہے۔ اس میں کاٹ چھانٹ اور قطع و برید بہ کثرت ہے۔ بعض اشعار پشت پر بنائے گئے اور مسودے کے صفحے پر لا کر پھر ان میں رد و بدل کیا گیا ہے۔ ایک ہی شعر کی اصلاح کئی کئی ٹکڑوں میں مختلف مقامات پر بکھری ہوئی ہے۔ مناسب ہی معلوم ہوتا ہے کہ جس شعر میں جو جو تغیرات مسودے کے دوران میں داخل ہوئے ہیں، ان کو ایک ہی مقام پر بلا لحاظ تقدیم و تاخیر ضبط کر دوں۔ البتہ پشت کا مسودہ مقدم اور اصل مسودہ مؤخر دکھایا ہے۔ مقطع اور ڈیڑھ شعر کا بلاک بھی شامل کر دیا ہے۔

"اللہ و علی" (نمبر چہارم)

پہلا شعر اولاً فرد کے طور پر مرقوم ہوا تھا۔ بعد میں مضمون بدل کر مطلع گردانا گیا۔

نشت مسودہ ؎

تری انکھوں کے فتنے شہرہ ہیں عالم میں
ہمیشہ عرصۂ عالم
~~ہمیشہ حشر برپا تھے تری آنکھو~~
جو فتنے آج ہیں اے فتنہ گر ایسے نہوئے
جو فتنے اب ہوئے اے فتنہ گر

اصل مسودہ ؎

پری رو کیا ستمگر پیشتر ایسے نہوتے تھے
ولیکن جیسے تم ہو فتنہ گر ایسے نہوتے تھے

دیوان ؎

پری رو کیا ستمگر پیشتر ایسے نہوتے تھے
و لیکن جیسے تم ہو فتنہ گر ایسے نہوتے تھے

(صفحہ ۲۲۹)

نشت ؎

وہ گیسو جب پریشاں رات بھر ایسے نہ ہوتے
~~وہ گھر میں غنچے کے جب رات بھر ایسے نہوتے تھے~~
وہ گیسو کھل کے جب وہاں رات بھر ایسے نہوتے تھے
جب اپنے گھر وہ کھل کر رات بھر ایسے نہوتے تھے
~~تم اپنے گھر جو کہکر (کذا) رات بھر ایسے نہوتے تھے~~
~~ادھر کھل کر جو تم رات بھر ایسے نہو~~
~~ادھر کھل کر جو تم~~
~~ادھر دل کھوں کر جب رات~~

. سحر

نسیم زلف کے جھوکے سحر ایسے نہوتے
کھلے جب اپنے گھر تم رات بھر ایسے نہوتے تھے
~~تم رات بھر جب اپنے گھر ایسے نہ ہوتے تھے~~
نسیم صبح کے جھوکے ادھر ایسے نہوتے تھے

اصل مسودہ ۔ گوشۂ چپ میں جانب زیریں ؎

آدھر تم بے تکلف کھل کے گر ایسے نہوتے تھے
نسیم صبح کے جھوکے ادھر ایسے نہوتے تھے

مطلع کے بعد: ؎

وہ گھر جب بے تکلف رات بھر ایسے
~~جب اپنے گھر وہ کھل کر رات بھر ایسے نہوتے تھے~~
ادھر
نسیم صبح کے جھوکے سحر ایسے نہوتے تھے

حاشیے میں جانب راست:

جو گھر تم بے تکلف رات بھر
~~جو وہاں تم بے تکلف رات بھر ایسے~~
وہ جب گھر اپنے کھل کر رات بھر
وہ جب دل کھول کر وہاں رات بھر

دیوان ؎

وہ جب واں بے تکلف رات بھر ہسے ٗوتے تھے
صبا کے جھوکے یہاں وقت سحر ایسے نہوتے تھے
(صفحہ ۲۲۹)

اصل مسودہ ؎

کسیکی قندقیں یاد آ گئی ہیں ورنہ مژگاں پر
نمایاں قطرۂ خون جگر ایسے نہوتے تھے

دیوان ؎

کسی کی قندقیں یاد آ گئیں ہیں ورلہ مژگان پر
نمایاں قطرۂ خون جگر ایسے نہوتے تھے
(صفحہ ۲۲۹)

اصل ؎

جو دیں ہیں گالیاں اس بدزباں نے آج کیا کہیے
کبھی نادم ہم آس کو چھیڑ کر ایسے نہوتے تھے

دیوان سے

جو دبی ہیں گالیاں اس بذباں کو (کذا) آج کیا کہیے
کبھی نادم ہم اس کو چھیڑ کر ایسے نہوتے تھے
(صفحہ ٢٢٩)

اصل سے

خدنگ عشق کھا کر زخم دل فرہاد کے باہم
لگے کہنے کہ شیریں نے شکر ایسے نہوتے تھے

دیوان سے

خدنگ عشق کھا کر زخم دل فرہاد کے باہم
لگے کہنے کہ شیریں نیشکر ایسے نہوتے تھے

پشت سے

سفر ہے جان کا پیش نظر
سفر ہے سامنے جان کا دلا
~~ابکے ہے سفر سفر ہی جان کا اے دل~~
~~سفر ہے اب کے جان کا کیا کہیں حیراں ہیں کریں کیا ہم~~
~~سفر ہی ابکے جان کا اس لیے ہیں دلمیں حیراں ہم~~
~~پریشاں ورنہ جوں گرد سفر ایسے نہوتے تھے~~

پشت سے

~~سفر ہے جان کا قالب سے ہم ہیں اس لیے حیراں~~
~~سفر ہر ہے جان کا~~ ہم حیراں
~~سفر ہے جان کا تن سے~~
~~پریشاں ورنہ جوں گرد سفر ایسے نہوتے تھے~~

اصل سے

سفر ہی اب کے ہے جاں کا ~~دیکھیں کیا ہو ہم بھی حیراں ہیں~~
~~ہیں~~
سفر ہے اب کے جاں کا حضرت دل ~~تب ہی حیراں ہیں~~
ہیں جبھی حیراں

سفر اب کے ہے جانکا حضرت دل بیٹھے حیراں ہیں
~~سفر ہے جاں کا قالب سے ہم ہیں اس لیے حیراں~~
پریشاں ورنہ جوں گرد سفر ایسے نہوتے تھے

دیوان سے
سفر اب کے ہے جانکا حضرت دل بیٹھے حیراں ہیں
پریشاں ورنہ جوں گرد سفر ایسے نہوتے تھے

پشت سے

کتاب دل ہے سوز عشق سے شاید بھڑک اٹھی
~~کتاب دل کو سوز عشق نے شاید جلایا ہے~~
کہ مضموں سوز غم کے پیشتر ایسے نہوتے تھے

اصل سے

شرار
کتاب دل ~~ہمارے~~ عشق سے ہے جل اٹھی شاید
کہ مضموں سوز غم کے پیشتر ایسے نہوتے تھے

دیوان سے
کتاب دل شرار عشق سے ہے جل اٹھی شاید
کہ مضموں سوز دل کے پیشتر ایسے نہوتے تھے

(صفحہ ۲۲۹)

اصل سے

میں آب دیتے ہے یا آبداری ہے
~~ہمارے آبلوں نے آب دی صحرا نوردی سے~~
کہ پہلے خبار صحرا تیز تسو ایسے نہوتے تھے

دیوان سے
ہمارے آبلوں میں آب ہے یا آب داری ہے
کہ پہلے خار صحرا تیز تر ایسے نہوتے تھے

پشت سے

اٹھائے عمر بھر ~~دل نے~~ دل پر ہیں دکھ درد جدائی کے
اٹھائے ہیں ستم دل نے ہزاروں مگر صدمے ہماری جان پر ایسے نہوتے تھے
ستم دیکھے ہیں ~~دل نے عمر بھر~~
ستم دیکھا کیا دل عمر بھر
ستم دیکھے ہیں دل پر عمر بھر اے پر جفا
ستم دیکھے جو دل پر عمر ~~بھر اے پر جفا دیکھے~~
ستم گذرے جو دل پر اے ستمگر عمر بھر گذرے
ستم گذرے جو دل پر اے ستمگر
ستم جو اے ستمگر ~~گذرے اب تک دل پہ گذرے~~ ہوئے دل پر
ستم جو جو تھے دنیا کے ستمگر ہو گئے دل پر
ستم دنیا کے جو جو تھے ستمگر ہو گئے دل پر

اصل مسودہ — جانب چپ کنارے پر سے

اٹھائے دکھ ہزاروں ~~دل نے~~ درد کے دل نے جدائی میں
اٹھاتا دکھ بہت تھا دل مرا در
جو دکھ ہوتے تھے ہم پر ہجر میں سب تھے اٹھا لیتے
مگر صدمے ہماری جان پر ایسے نہوتے تھے
ہم پر تھے یا دل پر تھے | مل جل کر گذر جاتے مگر جو صدمے اب ہیں جان
جو دکھ ~~تھے ہم پہ~~

سیدھی طرف وسط میں سے

ستم دنیا کے جو جو تھے ستمگر ہو گئے دل پر
~~ستم دیکھے جو دل پر اے ستمگر عمر بھر دیکھے~~
مگر صدمے ہماری جان پر ایسے نہوتے تھے

دیوان سے

ستم دنیا کے جو جو تھے ستمگر دل پہ تھے گزرے
مگر صدمے ہماری جان پر ایسے نہوتے تھے

مسودۂ اصل میں ایک شعر یوں مرقوم ہے ؎

~~ترے کوچے میں رہتے تھے کتنے اہل شرارت کے~~
~~مگر ہوتے ہیں جو اب شور و شر[1] ایسے نہوتے تھے~~

بعد میں کسی بنا پر اس شعر کو کاٹ کر اس کے قافیے کو 'آنکھوں' کے ساتھ نباہنے کی کوشش کی ۔ آخر میں 'قامت' اختیار کیا ۔

پشت ؎

زمانے میں بہت سے دیکھے ہیں محشر مگر ظالم
زمانے میں بہت اے فتنہ گر دیکھے بپا محشر
~~زمانے میں ستمگر ہم نے ہیں دیکھے بہت دیکھے بپا محشر~~
تری آنکھوں سے جو ہیں شور و شر ایسے نہوتے تھے

اصل ؎

زمانے میں ہزاروں شور دیکھے سیکڑوں
~~زمانے میں~~ ہمیشہ حشر برپا دیکھے ہر ظالم
~~زمانے [میں] ہمیشہ حشر [بر] پا دیکھے ہیں لیکن~~
ہمیشہ حشر زمانے میں بہت محشر بپا دیکھے ہیں ہر ظالم
تری آنکھوں سے ہیں جو شور و شر ایسے نہوتے تھے

دیوان ؎

زمانے میں ہیں سنتے شور مدت سے قیامت کا
پر اس قامت سے جو ہیں شور و شر ایسے نہوتے تھے

مسودۂ اصل میں ایک اور شعر ہے جو دیوان سے خارج کر دیا گیا ہے ۔ ؎

یہ فیض اہل دل ہے ورنہ بیدل جس طرح یک دل
ہیں اب مفتوں تمھارے نام پر ایسے نہوتے تھے

---

۱ ۔ بلاک میں 'شور و شر' کی جگہ 'شوری شر' چھپا ہے جو غلط ہے ۔

پھر اس میں ترمیم کر کے مقطع بنانا چاہا ۔ چنانچہ

مسودۂ اصل : ؎

~~تمام اہل سخن گرویدہ تھے اے ذوق ہر جیسے~~
~~ہیں اب مفتوں تمھارے نام۱ پر ایسے ہوتے تھے~~
تمھارے۲ شعر کو سنتے تو سب تھے ذوق
~~تمھارے شعر پر مرتے تھے سب اے ذوق ہر جیسے~~
سخن پر میرے سب گرویدہ تھے اے ذوق ہر جیسے
تمھارے شعر پر گرویدہ سب تھے ذوق ہر جیسے
ہمیشہ ذوق شیدا ہیں تمھارے شعر پر
تمھارے شعر کے شایق ہیں سب اے ذوق ہر جیسے
سنکر ذوق جیسے بزم عالم میں
~~ہمارے شعر تر کو دیکھ کر بازار۳ عالم میں~~
اب
ہوئے قائل ہیں سب اہل نظر ایسے ہوتے تھے

دیوان ؎

ہمارے شعر سن کر ذوق جیسے بزم عالم میں
ہوئے قائل ہیں اب اہل نظر ایسے نہوتے تھے

غزل سوم :

یہ غزل ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن پنجاب کی چٹھی نمبر ۹۲ کی پشت پر ہے جو مولانا کو بغرض یاد دہانی ۱۰ مارچ ۱۸۸۸ع کو بھیجی گئی تھی ۔ چٹھی کے اوپر کے حصے کا بلاک جس میں مولانا کا نام درج ہے ، دے دیا جاتا ہے ۔ اس میں ایک مصرعے کا مسودہ بھی شامل ہے جو چار طرح سے کیا ہے ۔ اس بلاک کے علاوہ پانچ شعروں کا اور بلاک بھی دیا جاتا ہے ۔ اس غزل میں نسبتاً قطع و برید کم نظر آتی

۱ ۔ صحیح قرأت 'تمھارے نام پر ایسے' ہے ۔ بلاک میں غلط بنا دیا ہے ۔ ۲ ۔ 'تمھارے شعر' بلاک میں غلط ہو گیا ہے ۔
۳ ۔ بلاک میں 'بازار' کی زے کا نقطہ الف بن گیا ہے ۔

ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی مسودہ کسی اور کاغذ پر ہوگا جو ماہ تک نہیں پہنچا ۔

اصل مسودہ ؎

ندیں گواہی جو داغ کہن نہیں دیتے
دکھائی کیا مرے تن پر چمن نہیں دیتے

دیوان ؎

ندیں گواہی جو داغ کہن نہیں دیتے
دکھائی کیا مرے تن پر چمن نہیں دیتے

اصل مسودہ ؎

جفا میں بات وہ کیا حکمتؔ نہیں دیتے
کہ درد جان ہمیں اب زخم تن نہیں دیتے

دیوان ؎

جفا میں بات وہ کیا حکمتؔ نہیں دیتے
کہ درد جاں ہمیں اب زخم تن نہیں دیتے

اصل ؎

جو بولوں کچھ تو مجال سخن نہیں دیتے
سیوں بھی میں
نہ بولوں میں یہ وہ سینے دہن نہیں دیتے

دیوان ؎

جو بولوں کچھ تو مجال سخن نہیں دیتے
سیوں بھی میں ، یہ وہ سینے ان نہیں دیتے

اشت ۔ سے

ہیں منع کرتے جو رونے کو
ہیں منع کرتے ~~جو رونے~~ جو بے درد
یہ جو
ہیں منع کر رہے رونے کو میرے ناداں دوست
~~وہ کون دوست~~
یہ کیسے دوست ہیں رونے کو منع کرتے ہیں

اصل سے

~~یہ لوگ جو رونے کو ہر دم جو منع کرتے ہیں~~
~~بجھانے کیوں مجھے دل کی جلن نہیں دیتے~~
یہ جو
ہیں منع کر رہے رونے کو ~~میرے~~ ناداں دوست
بجھانے کیوں مجھے دلؔ کی جلن نہیں دیتے

دیوان سے

ہیں منع کر رہے رونے کو یہ جو ناداں دوست
بجھانے کیوں مجھے دل کی جلن نہیں دیتے

اصل سے؂

یہ پڑ گئیں تن لاغر میں جھریاں ہیں مرے
کہ اتنے زلف میں بھی وہ شکن نہیں دیتے

دیوان سے

یہ پڑ گئیں تن لاغر میں جھریاں ہیں مرے
کہ اتنے زلف میں بھی وہ شکن نہیں دیتے

اصل سے

شہید ناز کے چہلم پہ ہے نظر شاید
کہ سرمہ آنکھوں میں تم جان[1] من نہیں دیتے

دیوان سے

شہید ناز کے چہلم پہ ہے نظر شاید
کہ سرمہ آنکھوں میں تم جان من نہیں دیتے

صل سے

مگر نہیں پاتی
اجل ہے ڈھونڈتی مجھ خوں گرفتہ کو یارو
اجل ہے ڈھونڈتی ~~پھرتی ورا اے بہرو~~
مرا پتا یارو

دیوان سے

اجل ہے پوچھتی پھرتی مرا پتا یارو[2]
بتا آے میرا بیت الحزن نہیں دیتے

(صفحہ ۲۳۶)

---

۱ - اس نشان کے ذیل میں یہ حاشیہ اصل مسودے میں دیا گیا ہے :

”دیکھو یہ غزل شاہ نصیر مرحوم کے عہد کی ہے - ہمارے وقت میں جانِ من اور یارو غزل کے دائرے سے نکل گئے تھے -“ حاشیہ ہذا دیوان میں کسی قدر ترمیم کے ساتھ مرقوم ہوا ہے- اس میں اس حاشیے کے الفاظ ’ہمارے وقت میں‘ کی جگہ ’اُستاد مرحوم کی آخر عمر میں‘ سب سے اہم تبدیلی ہے - ملاحظہ ہو حاشیہ آیندہ -

۲ - یہ غزل بھی شاہ نصیر مرحوم کے عہد کی ہے - اُستاد مرحوم کی آخر عمر میں جان من اور یارو غزلیات کے دائرہ سے نکل گئے تھے - (دیوان صفحہ ۲۳۶)

اصل سے

میں ہے کچھ نکچھ خطر کا گزر
عدم کی راہ میں بھی کچھ نکچھ خطر ہے ضرور
کہ ساتھ لینے بجز یک کفن نہیں دیتے

دیوان سے

عدم کی راہ میں بھی کچھ تو ہے خطر کا گزر
کہ ساتھ لینے بجز یک کفن نہیں دیتے

اصل سے

اس سے
جو مانگا آب دم تیغ لس کے بسمل نے
تو بولا کہا کہ زخمی کو اے خستہ تن نہیں دیتے

دیوان سے

جو مانگا آب دم تیغ اس سے بسمل نے
تو بولا ، زخمی کو اے خستہ تن نہیں دیتے

اصل سے

بیان شیخ جو ہے وصف حور و حلہ' نور
ذرا دکھا آسے اپنی پھبن نہیں دیتے

دیوان سے

بیان شیخ جو ہے وصف حور و شعلہ' طور
ذرا دکھا آسے اپنی پھبن نہیں دیتے

اصل سے

وہ تیر کھینچے ہے پہلو سے کہدے اے دل زار
کہ ہے نشانی ناوک فگن نہیں دیتے

دیوان سے

وہ تیر کھینچے ہے پہلو سے کہدے اے دل زار
کہ ہے نشانی ناوک فگن نہیں دیتے

پشت سے

ہو ان کی زلف سے کیا زخم دل کو چشم امید
لگا بھلے

اصل سے

~~جو زخم سینہ پہ مرہم کی کیا امید ان سے دلا~~
~~وہ زخم سینہ پہ مرہم تو کیسے رکھیں گے لوو~~

امید چارہ ہے کیا زخم دل کو زلفوں سے
لگا بھلے کو وہ مشک ختن نہیں دیتے

دیوان سے

ہو ان کی زلف سے کیا زخم دل کو چشم امید
لگا بھلے کو وہ مشک ختن نہیں دیتے

اصل سے

پڑے ہیں دامن کہسار و دامن صحرا
~~کہ بعد مرگ بھی جینے~~ کفن نہیں دیتے
ترے شہید کو دو گز

دیوان سے

پڑے ہیں دامن کہسار و دامن صحرا
ترے شہید کو دو گز کفن نہیں دیتے

اصل سے

زباں کو لطف[1] و محبت کا نہیں ہے اثر
~~زباں کو اپنی جو لب سے~~
زباں کو لطف[2] و محبت کا گر نہیں ہے اثر
منہ سے نکلنے
~~لب اپنے منہ سے~~ سخن نہیں دیتے
لب اپنی حد سے گزرنے

---

۱ - 'زباں کو لطف و محبت'، بلاک میں غلط چھپا ہے -
۲ - 'زبان کو لطف و محبت'، بلاک میں پھر غلط ہو گیا ہے -

دیوان ؎

زباں حلاوت الفت کا لے مزہ کہ نہ لے
لب اپنی حد سے گزرنے سخن نہیں دیتے

اصل ؎

پلایا زہر دکھا کر جو کوہ ہے مے کا پیالہ
یہ دھوکے اے بت پیماں شکن نہیں دیتے

دیوان ؎

پلایا زہر، دکھایا ہے مے کا پیانہ
یہ دھوکے اے بت پیماں شکن نہیں دیتے

صفحے کے بائیں طرف وسط میں پائیں سے بالا کی طرف :

اصل مسودہ ؎

سنبھال ناخن وحشت کو اب تو دست جنوں
کہ سینے یہ مرا چاک کفن نہیں دیتے

دیوان ؎

سنبھال ناخن وحشت کو اب تو دست جنوں
کہ سینے یہ مرا چاک کفن نہیں دیتے

اصل ؎

گلوں سے بن چکے جب دونو ہاتھ گلدستے
تو بولے ذوق جلا تن بدن نہیں دیتے

دیوان ؎

گلوں سے بن چکے جب دونو ہاتھ گلدستے
تو بولے ذوق جلا تن بدن نہیں دیتے

دیوان میں شعر ذیل زائد ہے :

دیوان ؎

سحر ہے روز دکھاتا نئی چمک خورشید
دکھا اسے مرا داغ کہن نہیں دیتے

(صفحہ ۲۳۵)

غزل چہارم :

یہ غزل نارتھ ویسٹرن ریلوے کے مال ارسال کرنے کے فارم کی پشت پر ، جو ۱٦ - جنوری ۱۸۸۸ع کو چھپا تھا، تحریر ہوئی ہے - فارم کو شکن ڈال کر دوہرا کیا ہے اور ورق دوم کے دوسرے صفحے پر غزل شروع ہوتی ہے - باقی ماندہ حصہ اسی ورق پر مرقوم ہے - دیوان میں مولانا نے اس غزل کو دو غزلوں میں تقسیم کر لیا ہے - پہلی غزل میں سترہ اور دوسری غزل میں تیرہ شعر ہیں - تین شعر پہلی غزل میں بعد کو اضافہ کیے ہیں جو مسودۂ ہذا میں شامل نہیں - دو غزلے کے ابیات کی ترتیب اس مسودے کی رو سے حسب ذیل ہے :

غزل اول : ۱ ، ۳ ، ۴ ، ۵ ، ٦ ، ۷ ، ۹ ، ۱۰ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳ ، ۱٦ ، ۱۷ ، ۲۷ -

غزل دوم : ۲ ، ۸ ، ۱۴ ، ۱۵ ، ۱۸ ، ۱۹ ، ۲۰ ، ۲۱ ، ۲۲ ، ۲۳ ، ۲۴ ، ۲۵ ، ۲٦ -

دیوان میں اس غزل کے واسطے مولانا نے یہ حاشیہ دیا ہے :

"لڑکپن کی غزل ہے - نظرثانی نہیں ہوئی -" مجھے اس بیان کی تردید کی ضرورت نہیں - جو غزل، ۱٦ جنوری ۱۸۸۸ع کے بعد وجود میں آئے ، ذوق کے لڑکپن کا کلام کیوں کر مانا جائے ؟ غزل کے ہر شعر پر تقریباً پنسل کے خط پڑے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی اور کاغذ پر اس کی نقل لی گئی ہے - چوں کہ اس مسودے اور دیوان کے متن میں زیادہ اختلاف ہے اس لیے خیال ہوتا ہے کہ یہ کاغذ ابتدائی مسودہ ہے ، نہ اصل مسودہ -

اصل مسودہ ؎

مرض عشق جسے ہو اسے کیا یاد رہے
تو جسے یاد ہو کیا اس کو دوا یاد رہے - شفا

دیوان ؎

مرض عشق جسے ہو اسے کیا یاد رہے
نہ دوا یاد رہے اور نہ دعا یاد رہے

(صفحہ ۲۲۶)

اصل ؎

چشم قاتل نہ ہمیں کیوں کہ بھلا یاد رہے
موت انسان کو لازم ہے سدا یاد رہے

پشت پر ؎

چشم قاتل ہمیں کیونکر نہ بھلا یاد رہے
موت انسان کو لازم ہے سدا یاد

دیوان میں یہ شعر دوسری غزل کا مطلع ہے :

دیوان ؎

چشم قاتل ہمیں کیوں کر نہ بھلا یاد رہے
موت انسان کو لازم ہے سدا یاد رہے

(صفحہ ۲۲۷)

اصل ؎

قاصد آئے تو کدھر جائے بھلا لیکے جواب
قاصد عاشق سودا زدہ کیا لائے جواب
جس کو
جب نہ گھر یاد رہے اور نہ پتا یاد رہے

دیوان ؎

قاصد عاشق سودا زدہ کیا لائے جواب
جب نہ معلوم ہو گھر اور نہ پتا یاد رہے

(صفحہ ۲۲۷)

اصل سے

~~دیکھ لینا ہمیں خود راہ میں~~
دیکھ بھی لینا ہمیں راہ میں اور کیوں صاحب
ہم سے منہ پھیر کے چلنا یہ بھلا یاد رہے

دیوان سے

دیکھ بھی لینا ہمیں راہ میں اور کیوں صاحب
ہم سے منہ پھیر کے جانا یہ بھلا یاد رہے

اصل سے

~~ہووے اس یار وفا دوست سے کیا وعدہ وفا~~
~~لیجیے یاروں کو بھلا بھیجیے کیا دیکھے پیام~~
کیا ہو اس یار وفا دوست سے امید وفا
رات کا بھی نہ ~~جنہیں~~ کھایا ہوا یاد رہے
جسے

دو شعر کے بعد :

تو کیا ہووے امید
اس وفا دوست سے گر ہووے تو کیا دل کو امید
ہووے اس یار وفا دوست سے کیا چشم امید
رکھے اس یار وفا دوست سے کیا چشم امید
رکھے آ
رکھے اس یار وفا دوست سے کیا کوئی امید
ہو کب اس یار وفا دوست سے امید وفا
~~رات کا بھی نہ جسے کھایا ہوا یاد رہے~~
رات کا بھی نہ جسے کھایا ہوا یاد رہے

دیوان سے

تو ے مدہوش سے کیا ہوش و خرد کی ہو امید
رات کا بھی نہ جسے کھایا ہوا یاد رہے

(صفحہ ۲۲۸)

اصل سے

کشتۂ ناز کے وہ ذبح کو تیار ہوئے
~~کی گردن پہ چھر~~
کشتۂ ناز کی گردن پہ چھری ~~پھیرتے ہو~~ چھری پھیرو جب
کاش تکبیر ~~تمھیں بھر خدا~~ یاد رہے
تو اس وقت ذرا
کاش اس وقت تمھیں نام خدا یاد رہے

دیوان سے

کشتۂ ناز کی گردن پہ چھری پھیرو جب
کاش اس وقت تمھیں نام خدا یاد رہے

اصل سے

پڑھتے جس وقت یہ دنیا کے نمازی ہیں نماز
پڑھتے جس وقت نماز اپنی ~~ہیں یہ اہل نماز~~ ہو اے اہل نماز
جب یہ دیندار ہیں دنیا کی نمازیں پڑھتے
ذرا تم کو
کاش اس وقت ~~تمھیں نام~~ خدا یاد رہے
کاش اس وقت انھیں نام خدا یاد رہے

دیوان سے

جب یہ دیندار ہیں دنیا کی نمازیں پڑھتے
کاش اس وقت انھیں نام خدا یاد رہے

(صفحہ ۲۲۸)

اصل سے

خاک برباد نکرنا مری اس کوچے میں
تجھ سے کہدیتا ہوں میں باد صبا یاد رہے

دیوان سے

خاک برباد نکرنا مری اس کوچے میں
تجھ سے کہدیتا ہوں میں باد صبا یاد رہے

اصل ؎

تیرا عاشق ہو نہ آسودہ بزیر طوبیٰ
خلد میں بھی ترے کوچے کی ہوا یاد رہے

دیوان ؎

تیرا عاشق ہو نہ آسودہ بزیر طوبیٰ
خلد میں بھی ترے کوچے کی ہوا یاد رہے

اصل ؎

باز آ جاؤ جفا سے تو رہے اتنا خیال
باز آ ~~جاؤ جفا سے جو کبھی~~ ئیں جفا سے جو کبھی آپ تو پھر
کہیں عاشق

یاد عاشق کو نہ کیجے گا ذرا یاد رہے
یاد عاشق کو نہ کیجے گا بھلا یاد رہے

دیوان ؎

باز آ جائیں جفا سے جو کبھی آپ تو پھر
یاد عاشق کو نہ کیجے گا بھلا یاد رہے

(صفحہ ۲۲۷)

اصل ؎

داغ دل پر مرے پھاہا نہیں ہے انگارا
چارہ‌گر لیجو نہ ہاتھوں میں اٹھا یاد رہے

دیوان ؎

داغ دل پر مرے پھاہا نہیں ہے انگارا[۱]
چارہ‌گر لیجو نہ چٹکی سے اٹھا یاد رہے

---

۱ - بجائے 'ہے انگارا' 'انگارا ہے' زیادہ موزوں ہے - لیکن اسے کتابت کی غلطی بھی نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ اصل مسودہ گواہی کے لیے موجود ہے - (مرتب)

اصل سے

[ہے]
حضرت عشق جب آ کر ہیں پڑھا دیتے سبق کے مکتب میں تعلیم کچھ اور
بھول جاتا ہے غم عشق میں انسان ہر شے انساں
نہ لکھا یاد رہے اور نہ پڑھا یاد رہے

دیوان سے

حضرت عشق کے مکتب میں ہے تعلیم کچھ اور
یہاں لکھا یاد رہے اور نہ پڑھا یاد رہے

اصل سے

محو اتنے تو نہ ہو عشق بتاں میں ایسے اے ذوق
چاہیے بندہ کو ہر وقت خدا یاد رہے

یہ شعر دیوان میں غزل دوم کا مقطع ہے۔

دیوان سے

محو اتنے بھی نہ ہو عشق بتاں میں اے ذوق
چاہیے بندے کو ہر وقت خدا یاد رہے
(صفحہ ۲۲۸)

اصل سے

ہے مرا خون ترے کوچے میں
خون مرا کوچے میں تیرے ہے بہا یاد رہے
میرا خون ہے ترے کوچے میں بہا یاد رہے
خون یہ خالی نہ جائے گا
خون کا نہیں کیوں یہ بھلا یاد رہے
خون بہا اس کا نہ بھولے
خون یہ ایسا نہیں جو
یہ بہا وہ نہیں جس کا نہ بہا
یہ جگہ وہ نہیں جس کا نہ پتہ یاد رہے

پشت پر سے

مرا خوں ہے ترے کوچے میں بہا یاد رہے
یہ بہا وہ نہیں جس کا نہ بہا یاد رہے

یہ شعر دیوان میں دوسری غزل کا مطلع دوم ہے -

دیوان سے

میرا خوں ہے ترے کوچے میں بہا یاد رہے
یہ بہا وہ نہیں جس کا نہ بہا یاد رہے

(صفحہ ٢٢٧)

اصل سے

اوٹتے سینکڑوں نخچیر ہیں
~~سینکڑوں صید ہیں صیاد کو~~ کیا یاد رہے
دل کو پہلے ہی ہدف کر کہ پتا یاد رہے

یہ شعر دیوان میں پہلی غزل کا مطلع سوم ہے -

دیوان سے

لوٹتے سینکڑوں نخچیر ہیں کیا یاد رہے
چیر دو سینے میں دل کو کہ پتا یاد رہے

(صفحہ ٢٢٦)

اصل سے

زخم دل بولے ترے لب کے نمک خواروں سے
لو بھلا کچھ تو محبت کا مزا یاد رہے

دیوان سے

زخم دل بولے ترے دل کے (کذا) نمک خواروں سے
لــو بھلا کچھ تــو محبت کا مــزا یــاد رہے

پشت سے

یاد اس وعدہ فراموش نے غیروں سے بدی
یاد کچھ کم تو نہ تھی اور سوا یاد رہے

اصل سے

یاد اس وعدہ فراموش ۔ غیروں سے بدی
یاد کچھ کم تو نہ تھی ۔ اور سوا یاد رہے

دیوان سے

یاد اس وعدہ فراموش نے غیروں سے بدی
یاد کچھ کم تو نہ تھی اور سوا یاد رہے

اصل سے

دو ورق میں کف حسرت کے دو عالم کا ہے علم
سبق عشق اگر تجھکو دلا یاد رہے

دیوان سے

دو ورق میں کف حسرت کے دو عالم کا ہے علم
سبق عشق اگر تجھ کو دلا یاد رہے

اصل سے

قتل عشاق پہ باندھی ہے کمر آج اس نے
ہر خدا ہے کہ آسے نام مرا یاد رہے

دیوان سے

قتل عاشق پہ کمر باندھی ہے اے دل اس نے
ہر خدا ہے کہ آسے نام مرا یاد رہے

اصل سے

طائر قبلہ نما بن کے کہا دل نے مجھے
کہ تڑپ کر یوہیں مر جائے گا جا یاد رہے

دیوان سے

طائر قبلہ نما بن کے کہا دل نے مجھے
کہ تڑپ کر یونہی مر جائے گا جا یاد رہے

اصل سے

کروے ہم پہ جفائیں تو وکھیں رکھو ایک نہ یاد

~~سوکریں ہم پہ~~

بھولے چوکے بھی جو ہووے تو وفا یاد رہے

دیوان سے

ہم پہ سو بار جفا ہوتو رکھو ایک نہ یاد

بھول کر بھی کبھی ہووے تو وفا یاد رہے

باقی شعروں کا مسودہ جو ابتدائی معلوم ہوتا ہے ، پشت سے نقل کیا جاتا ہے ۔ کاغذ کا کچھ حصہ چوہوں نے کتر لیا ہے جس کی وجہ سے کئی مصرعوں کا آخری حصہ ضائع ہو گیا ہے ۔ میں نے اپنی نقل میں کترے ہوئے حصے پر نقطے ڈال دیے ہیں ۔

اصل سے

کشتۂ زلف کے مرقد پہ تو اے لی............

بید مجنوں ہی لگانا کہ پتا یاد............

دیوان سے

کشتۂ زلف کے مرقد پہ تو اے لیلی وش

بید مجنوں ہی لگانا کہ پتا یاد رہے

اصل سے

خاکساوی ہے عجب چیز کہ............

ہو صفا اور دل اہل صفا یاد ر............

ہو صفا اور دل اہل صفا یا............

دیوان سے

خاکساری ہے عجب وصف کہ جوں جوں ہو سوا

ہو صفا اور دل اہل صفا یاد رہے

اصل سے

مے کشو ذکر جلی ہوے کہ یاد خفی
مے کشو ہو بہ حرم یا کہ بہ صحن مسجد
مے کشو نو بتہ لبیک حرم یا............
ہو بہ لبیک حرم ۔ یا بہ اذا............
چاہیے قلقل مینا کی صدا یاد رہے
چاہیے قلقل مینا کی ص............

دیوان سے

ہو بہ لبیک حرم یا بہ اذان مسجد
مے کشو قلقل مینا کی صدا یاد رہے

اصل سے

خط بھی لکھتے ہیں تو......ہیر..........
دیکھیے کب تک انہیں میری خطا یاد رہے

دیوان سے

خط بھی لکھتے ہیں تو لیتے ہیں خطائی کاغذ
دیکھیے کب تک انہیں میری خطا یاد رہے

(صفحہ ۲۲۵)

اصل سے

ڈھونڈ تو
سوچ آپ اپنی حقیقت کہ ہو گم آپ اے ذوق
بھول جائے جو خودی کو تو خدا یاد رہے

دیوان سے

گر حقیقت میں ہے رہنا تو نرکھ خود بینی
بھولے بندہ جو خودی کو تو خدا یاد رہے

غزل پنجم

اس غزل کا مسودہ نرنجنداس مذکور کے مضمون 'تعلیم' کے تیسرے صفحے پر ہے۔ مولانا نے ایک ورق کے دو ورق بنا کر ان کی پشت پر دو غزلوں کا مسودہ تیار کیا ہے۔ پہلی غزل کو جو صفحۂ اول پر ہے نمبر پنجم لکھا ہے اور غزل ذیل کو جو چوتھے صفحے پر ہے نمبر ششم بتایا ہے۔ اشعار پر نمبر ڈال دیے ہیں۔ بعض شعروں کا ابتدائی مسودہ صفحات دوم و سوم پر بھی جزوی طور پر کیا ہے۔

اصل مسودہ ~

(۱) نہ کھینچو عاشق حیرت زدہ کے تیر پہلو سے
نکالے پر ہیں مثل ماہی تصویر پہلو سے

معلوم ہوتا ہے پریس کاپی میں خفیف سی تبدیلی کی گئی ہے۔ چنانچہ

دیوان ~

نہ کھینچو عاشق تشنہ جگر کے تیر پہلو سے
نکالے پر ہے مثل ماہی تصویر پہلو سے

اصل مسودہ ~

(۲) نہ لے اے ناوک افگن میرے دل کو چیر پہلو سے
~~کہ ہے ساتھ آہ کے وہ جا چکا جوں تیر پہلو سے~~
~~کہ وہ ساتھ آہ کے نکلا تھا مثل تیر پہلو سے~~
وہ کب کا جا چکا ساتھ آہ کے جوں تیر پہلو سے

دیوان ~

نہ لے اے ناوک افگن میرے دل کو چیر پہلو سے
کہ وہ تو جا چکا ساتھ آہ کے جوں تیر پہلو سے

اصل مسودہ ~

(۳) دل سیپارہ کو لے ٹانک تعویذوں میں ہیکل کے
نہ سرکا یہ حمائل اے بت ۔. ہیر پہلو سے

دیوان ؎

دل سیپارہ کو لے ٹانک تعویذوں میں ہیکل کے
نہ سرکا یہ حائل اے بت بے پیر پہلو سے

بشت ؎

وہ بسمل ہوں کہ ہائے یار تک پا یا
تڑپھ کر جا پڑا ظالم تہ شمشیر پہلو سے
وہ ہم بے دست و پا بسمل ہیں
~~وہ بسمل ہوں کہ پاؤں یار کو کر دور اے ہم دم~~
وہ ہیں بے دست و پا بسمل کہ
~~رسائی تیرے قدموں تک نہ پائیں~~ گر ترے بسمل
وہ بسمل ہیں رسائی گر نہ پائیں تیرے پانو تک
تڑپھ کر جا پڑیں ہم از تہ شمشیر پہلو سے
تڑپ کر جا پڑیں ہم از تہ شمشیر

اصل مسودہ ؎

میں جب پایا نہ
~~محبت اس کی تم دیکھو کہ ہے بے دست و پا بسمل~~
~~چلا پابوس قاتل کو~~ تہ شمشیر پہلو سے
(۳) وہ ہوں بے دست و پا بسمل رسائی جب [نہ] ہاتھ آئی
وہ ہوں بے دست و پا بسمل
~~تڑپھ کر جا پڑا قاتل تہ شمشیر~~
گیا تا پائے قاتل از تہ شمشیر

دیوان ؎

وہ ہوں بے دست و پا بسمل رسائی جب نہ ہاتھ آئی
گیا تا پائے قاتل از تہ شمشیر پہلو سے

بشت سے

اسیر زلف ہیں اے پاسبان ہشیار سویا کر
دبا کر شب کو ان کے پانو کی زنجیر پہلو سے

اصل سے

دیوانے ہیں دیکھ اے پاسباں سوتا
دبا کر شب کو ان کے پانو کی زنجیر پہلو سے

(٥) ~~اسیر زلف ہیں اے پاسباں ہشیار سویا کر~~
جانب چپ بالائی گوشے میں :
اسیر زلف ~~بیچاں ہیں ذرا اے~~ پاسباں سونا
اسیر زلف دیوانے ہیں دیکھ اے پاسباں سونا
بالائی کنارے ہر وسط میں :
~~اسیر اس زلف کے لشکر میں دیوانوں کا~~
~~یہ دیوانوں کا لشکر ہے نہ چھوڑو تم انھیں~~
~~نہ ٹھہرے گا کبھی زنداں میں سویا کر~~
~~اسیر زلف خم در خم تو دیوانوں کا لشکر ہے~~
اسیر زلف
~~دبا رکھا کر ان کے پانو کی زنجیر پہلو سے~~
~~دبا کر شب کو ان کے پانو کی زنجیر پہلو سے~~

دیوان سے

اسیر زلف دیوانے ہیں دیکھ اے پاسباں شب کو
دبا کر بیٹھ ان کے پانو کی زنجیر پہلو سے

بالائی گوشے میں بائیں طرف :

وہ ہوں لب تشنہ تیغ یار کا ہے رات بھر
ہے دل لب تشنہ آب تیغ کا ہے رات بھر

اصل مسودہ سے

(٦) یہ دل لب تشنہ تیغ یار کا ہے رات بھر دبتا

~~یہ پیاسا آب خنجر کا ہے دل ہے رات بھر دبتا~~

~~میں ہوں وہ تشنۂ خنجر~~

~~وہ تشنہ آب خنجر کا ہوں جو ہے رات بھر دیتا~~

صدائے العطش جوں نالۂ شبگیر پہلو سے

دیوان سے

یہ دل لب تشنہ تیغ یار کا ہے رات بھر کرتا

صدائے العطش جوں نالۂ شبگیر پہلو سے

پشت سے

مصور لیلیٰ و مجنوں کی ناکامی پہ حیراں

~~کہ مل سکتا نہیں ہے پہلوئے تصویر پہلو سے~~

کبھی بیٹھا نہ

~~نہیں کھنچتا ہے~~ مل کر پہلوئے تصویر پہلو سے

اصل سے

(٧) مصور لیلیٰ و مجنوں کی ناکامی پہ حیران ہیں

کبھی بیٹھا نہ مل کر پہلوئے تصویر پہلو سے

دیوان سے

مصور لیلیٰ و مجنوں کی ناکامی پہ حیراں ہیں

کبھی بیٹھا نہ مل کر پہلوئے تصویر پہلو سے

پشت سے

جنوں کے دشت میں حیراں کھڑا کہتا ہے یہ مجنوں

~~یہ مجنوں وادیٔ وحشت~~

یہ کہتا وادی آوارگی میں ہے کھڑا مجنوں

کہے ہے وادی آوارگی میں یہ کھڑا مجنوں

یہ مجنوں کہہ رہا ہے دشت وحشت میں بصد حسرت
~~عجب حسرت سے مجنوں کہہ رہا ہے دشت وحشت میں~~
غضب حسرت سے تھی
عجب حسرت سے مجنوں نے کہا صحرائے وحشت میں
عجب حسرت کا عالم تھا جو کہ کہتا تھا پیہم

اصل سے

(۸) عجب حسرت کا عالم تھا کہ مجنوں کہتا تھا پیہم
چھٹے پہلو مرے محمل کا یا تقدیر پہلو سے

دیوان

عجب حسرت کا عالم تھا کہ مجنوں کہتا تھا پیہم
چھٹے پہلو مرے محمل کا یا تقدیر پہلو سے

پشت سے

نکہنا استخوان لاغری ہمدم ہمدم یہ بخیہ ہے
دکھاتا ہے مرا زخم دل دلگیر پہلو سے

اصل مسودہ سے

نکہنا استخوان لاغری ہمدم ہم دم یہ بخیہ ہے
دکھاتا ہے مرا زخم دل دلگیر پہلو سے

دیوان

نکہنا استخوان ان کو یہ عالم لاغری کا ہے
کہ ہے دکھلا رہا میرا دل دلگیر پہلو سے

اصل مسودہ سے

نہیں دل بھولتا اک دم
(۱۰) خیال-ابروے جانا[1] ~~ہے دل اک دم یہ غافل~~
سپاہی ہے جدا کرتا نہیں شمشیر پہلو سے

---

۱ - 'جاناں' مسودۂ ہذا میں بالعموم بلاغنہ لکھا گیا ہے بلکہ اس کا اثر دیوان میں بھی دیکھا جاتا ہے۔

دیوان سے

خیال ابروئے جاناں نہیں دل بھولتا اک دم
سپاہی ہے جدا کرتا نہیں شمشیر پہلو سے

پشت سے

تمام اہل سخن ~~لے ذوق~~ بزم سخن میں ذوق حیران ہیں
ظالم
کہ جو مضمون لکھا ~~تو نے~~ کیا تحریر پہلو سے

اصل سے

(۱/۱) تمام اہل سخن بزم سخن میں ذوق حیران ہیں
~~کہ جو مضمون لکھا ظالم کیا تحر~~
ملا جو قافیہ تو نے کیا تحریر پہلو سے

دیوان سے

تمام اہل سخن بزم سخن میں ذوق حیران ہیں
ملا جو قافیہ تو نے کیا تحریر پہلو سے

(صفحہ ۱۳۰)

میں اس قسط میں بہ خوف طوالت صرف ان پانچ غزلوں پر قناعت کرتا ہوں ۔ ان کی نقل لینے میں کافی احتیاط سے کام لیا ہے ۔ الفاظ اور فقرے جس طرح اوپر نیچے سیدھے الٹے کاٹے یا بدلے گئے ، میں نے بھی انہیں اسی طرح سے لکھا اور کاٹا ہے ۔ حتی الامکان اصل کے مطابق نقل لینے کی کوشش کی ہے ، تاہم ایسے موقعے بھی بہت ہیں جہاں میں ہو بہو نقل لینے میں ناکام رہا ہوں ۔ بعض مقامات پر قرأت مشکوک ہے ۔ اس کا کوئی علاج نہیں ۔

مولانا کا سرسبز تخیل اور ان کی حاضر طبیعت قابل ستائش ہیں ۔ جب ہم متفرق فقروں اور مصرعوں کی متعدد قطاریں ان مسودوں میں دیکھتے ہیں ۔ وہ اپنے زور دماغ اور قوت فکر کے ذریعے سے ایک ادنٰی خیال کو اعلٰی پیرایۂ بیان عطا کر دیتے ہیں ۔ یہ غزلیں اگرچہ ذوق

کی غزلوں کی روانی اور صفائی کو نہیں پہنچتیں[1] ؛ نہ ان میں وہ زور اور چستی ہے جو ذوق کے ہاں موجود ہے ، تاہم ان کی پختگی اور متانت میں کوئی شبہ نہیں ۔ حضرت مولانا نے پوری پوری دماغ سوزی اور جگرکاوی سے انھیں تیار کیا ہے ۔ بہت کم اساتذہ ان کی طبیعت کی تیزی اور ذہن کی براق کو پہنچ سکتے ہیں ۔

یہ کہنا کہ دیوان ہذا میں ان چودہ غزلوں کے علاوہ اور کس قدر تعداد غزلیات مولانا کی کاوش طبع کی ممنون ہے ، بہت دشوار ہے ۔ البتہ اس قدر یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ایسی تمام غزلیں ، جو ذوق کے رنگ میں نہیں ، نہ حافظ ویران کے ہاں موجود ہیں اور جن کو مولانا استاد کے کلام سے یاد کرتے ہیں ، شک و شبہ کی مرکز ہیں ۔ مثلاً گزشتہ بالا چودہ غزلوں کے بعد کی چار غزلیں جو صفحات نمبر ۲۳۹ و ۲۳۸ کے مابین ہیں ، محل اشتباہ ہیں ۔ اسی طرح ردیف

۱ - ''ممکن ہے کہ ہم لوگ دیوان ذوق کے سلسلے میں آزاد کی دراز دستیوں کو کبھی معاف کر دیں لیکن یقین ہے کہ عالم بالا میں ذوق نے ہرگز انھیں معاف نہ کیا ہو گا ۔ آزاد کی اصلاحوں اور اضافوں سے ذوق کے کلام کو قرار واقعی نقصان پہنچا ہے اور اس کی حیثیت مشتبہ ہوگئی ہے ۔ کسی شاعر کے ساتھ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ بے جا اصلاحوں سے اس کی خوبیوں پر پانی پھیر دیا جائے اور بے محل اضافوں سے اس کی حیثیت مشتبہ کر دی جائے ۔ اگر آزاد دیوان ذوق مرتب نہ کرتے تو یقیناً وہ ذوق کے ساتھ بڑا احسان کرتے لیکن انھوں نے انتہائی نیک نیتی اور خلوص سے کام لے کر اپنے لیے رسوائی کا سامان فراہم کر لیا ۔ دنیا کے ادب میں ایسی جدت کی مثال اور کہیں نہیں ملتی.... بحیثیت مجموعی دیوان ذوق مرقع آزاد کی بد ترین تصویر ہے ۔ آزاد نے اس کی تخلیق میں اپنی فن کاری کا پورا زور صرف کیا ہے ۔ انتہائی خوش نما اور جاذب نظر رنگ استعمال کیے ہیں لیکن تصویر بے جان بھی ہے اور حقیقت سے دور بھی ۔ ذوق آزاد کی فن کاری کے محتاج نہیں تھے ۔ آزاد کی فن کاری نے ان کے خط و خال کو بری طرح مسخ کر دیا ہے ۔'' (محمد حسین آزاد ، از ڈاکٹر اسلم فرخی ، صفحہ ۵۸۹) ۔ مرتب

''الف'' کی متعدد غزلیں۔ لیکن بہترین معیار ذوق کا اپنا خاص رنگ۱ ہے۔ یہی رنگ کلام ذوق و غیر ذوق میں تمیز کے واسطے صحیح رہ نما کا کام دیتا ہے۔ کلام غیر ذوق کی پوری غزل پڑھ جائیے، ایک شعر بھی ایسا نظر نہیں آتا جو ہماری توجہ کھینچے یا ہمارے دل میں تاثیر پیدا کرے۔ کیوں کہ ان میں ذوق کی شاعری موجود نہیں ہے۔

۱۔ ظفر کے ساتھ آزاد کی زیادتیوں کے جواز میں مسعود حسن رضوی صاحب عجیب طرز استدلال اختیار کرتے ہیں۔ اپنی کتاب ''آب حیات کا تنقیدی مطالعہ'' میں رقم طراز ہیں:

''حقیقت تو یہ ہے کہ ذوق کا کوئی مخصوص رنگ نہیں ہے۔ وہ مختلف رنگ اختیار کرتے رہے اور بہ قول آزاد ''ان کی غزل اخیر کو ایک گل دستہ گلہائے رنگا رنگ کا ہوتی تھی، دو تین شعر بلند خیالی کے، ایک دو تصوف کے، دو تین معاملے کے۔''

اس میں شک نہیں کہ معنوی اور فکری اعتبار سے غزل کے اشعار میں رنگا رنگی ہو سکتی ہے بلکہ ہوا کرتی ہے اور یہ کچھ ذوق ہی سے مخصوص نہیں۔ لیکن مختلف شاعروں کے کلام کو ایک دوسرے سے میز کرنے کے لیے معنوی انداز کے علاوہ بھی متعدد راہیں ہیں۔ آزاد کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے شان الحق حقی اپنے انتخاب ظفر میں فرماتے ہیں: ''یہ نکتہ لائق غور ہے کہ ایک طرف تو مولانا دونوں شاعروں کے انداز سخن کے فرق کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں کہ ذوق کو ہر رنگ پر قدرت حاصل تھی گویا ظفر کے کلام کی انفرادی خصوصیات اور دونوں کے انداز کلام کے فرق کا فائدہ ذوق کو پہنچا اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ ذوق اپنا ہی کلام بجنسہ بادشاہ کی نذر کر دیتے تھے اور تمام جوش طبع ظفر کے ٹیگ لگ جاتا تھا۔ ظاہر ہے اس طرح دونوں کلاموں کا امتیاز کیا باقی رہ سکتا تھا۔ برخلاف اس کے ذوق و ظفر کے کلام میں بہت کچھ امتیاز موجود ہے جس کے قائل آزاد بھی نظر آتے ہیں بلکہ انھوں نے ذوق کے رنگ کو سب سے الگ بتایا ہے'' (صفحہ ۹۷)۔ مرتب

حافظ ویران کا ایڈیشن میرے نزدیک زیادہ قابلِ اعتبار ہے۔ ایک تو اس لیے کہ ذوق کی وفات سے آٹھ سال کے بعد طبع ہو چکا تھا۔ دوسرے اس میں کوئی مشتبہ عنصر نظر نہیں آتا۔ اگرچہ اس کے متعلق بھی لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں شاہ نصیر وغیرہم کے مطلعے مل گئے ہیں۔ 'خمخانۂ جاوید' سے یہ اطلاع میرے محترم قاضی عبدالودود صاحب بیرسٹر ایٹ لا، پٹنہ نے بہم پہنچائی ہے کہ "متفرق مطلعوں میں کئی مطلعے شاہ نصیر اور کئی مطلعے معروف و غیر وغیرہم کے لکھے گئے ہیں۔"

(صفحہ ۸، جلد دوم، 'خم خانۂ جاوید'، از لالہ سری رام)

اس غلطی کا پرتو مولانا کے مرتبہ دیوان ذوق پر بھی پڑنا چاہیے۔ علاوہ بریں مولانا نے بعض اشعار دیگر شعرا کے اتفاقیہ لے لیے ہیں۔ مثلاً سکندر کی رباعی اور جہاں دار کا شعر مولانا نے بقول قاضی صاحب ممدوح الذکر ذوق کے حوالے کر دیے ہیں۔ جہاں دار کا شعر ہے: ؎

آخر گل اپنی صرف در مے کدہ ہوئی
پہنچی وہاں ہی خاک جہاں کا خمیر ہو

(صفحہ ۸۱، 'گلشن بے خار' از نواب مصطفیٰ خان شیفتہ، طبع دہلی اردو اخبار بریس ۱۲۵۹ھ مطابق ۱۸۴۳ع)

مولانا کے ہاں یہی شعر بہ تبدیل ردیف و دیگر فرق یوں آتا ہے:

آخر گل اپنی خاک در مے کدہ ہوئی
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

('دیوان ذوق'، مرتبۂ آزاد، مطبع رفاہ عام لاہور، ۱۹۲۲ع)

سکندر کی رباعی مصحفی نے اپنے تذکرے میں یوں دی ہے:

اے زاہدو! تم سے کیا جھگڑ کر لوں میں
ناحق میں دل اپنے کو کروں کیوں خوں میں
مے خوار و صنم پرست کہتے ہو مجھے
ہوں میں ہوں میں جو کچھ کہ ہوں میں ہوں میں

(صفحہ ۱۱۷، 'تذکرۂ ہندی' از مصحفی۔ طبع انجمن ترقی اردو)

اور قاسم نے یوں دی ہے :

(رباعی)

اے زاہدو ! تم سے کیا جھگڑ کر لوں میں
ناحق کو دل اپنا یہ کروں کیوں خوں میں
میخوارہ و بت پرست کہتے ہو مجھے
ہوں میں ہوں میں جو کچھ کہ ہوں میں ہوں میں

(صفحہ ۳۰۰ جلد اول 'مجموعۂ نغز' از میر قدرت اللہ قاسم ، طبع پنجاب یونیورسٹی)

مولانا نے یہی رباعی ذوق کے نام پر دے دی ہے ۔ چنانچہ :

(رباعی)

اے زاہدو ! تم سے کیا جھگڑ کر لوں میں
غصہ سے کروں کس لیے دل کو خوں میں
مےخوار و صنم پرست کہتے ہو مجھے
تم ہو تم ہو جو کچھ کہ ہوں میں ہوں میں

(صفحہ ۲۵۵ ، دیوان ذوق ، مرتبہ آزاد)

میرزا غالب کا کلام اردو و فارسی

[مضمون ہذا رسالۂ غالب ، امرتسر کے جون ۲۲ء ، ۱۹۱۹ع کے شمارے میں چھپا تھا اور اپنے انداز تحریر کے لحاظ سے حافظ صاحب کے تمام مضامین میں انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ اپنے تحقیقی اور تنقیدی مضامین نہایت سادہ و سلیس نثر میں لکھا کرتے تھے لیکن یہ مضمون نثر رنگین میں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ 'غالب' کے مدیر کے تقاضوں کے تحت کیے گئے وعدے سے عہدہ برا ہونے کے لیے لکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں گیرائی ہے ، گہرائی نہیں۔ اسی مضمون میں ایک جگہ ذریعۂ تعلیم کے متعلق اپنی رائے کا اظہار بدیں الفاظ کیا ہے :

''راقم اس گروہ سے تعلق رکھتا ہے جس کا اعتقاد ہے کہ انسان کے لیے اپنے اظہار خیالات کا سب سے بہتر ذریعہ صرف اس کی اپنی مادری زبان ہو سکتی ہے۔ نیز یہ کہ اکتسابی زبان میں خواہ وہ کتنا ہی کمال کیوں نہ حاصل کر لے ، وہ بے تکلفی اور لطافت پیدا نہیں کر سکتا جو اپنی زبان میں کر سکتا ہے۔'' (مرتب)]

یادش بخیر میرزا غالب ! جب یہ مغنی آتش نفس ، غزل سرا ہو کر اپنے ترانوں سے بزم تماشا کو درہم برہم کرتا ہے ، اس کے موسیقار سے دو قسم کے نغمے نکل کر ناخن زن دل و جگر ہوتے ہیں۔

پہلا مرحوم کا فارسی کلام جس نے آتش کدے کے زیر سایہ پرورش پائی ہے - دوسرا اردو جو بت خانے کی بہار آفریں آب و ہوا میں ہوش سنبھالتا ہے - اس لحاظ سے جہاں ایک طرف میرزا بت کدے میں جا کر پرستاران سومنات کو سرود برہمنی سناتے رہے ، دوسری طرف مغوں کے حلقے میں داخل ہو کر قبلۂ زردشت کے سامنے جبین سائی کرتے رہے - کمر میں زنار باندھی ، گلے میں بت پہنا اور لباس برہمن میں کیش زردشتی کو تازہ فرماتے رہے !

میرزا کا یہ میکدۂ بے خروش ، یعنی ان کی بید خوانی و ژندخوانی، اگر دیکھا جائے تو حقیقت میں 'جنت نگاہ و فردوس گوش' ہے ، کیوں کہ جو نالہ ان کے شور نفس نے موزوں کیا ، آرائش چاک گریباں کی دعوت دیتا ہے اور جو نغمہ ان کے پردۂ ساز سے نکلا ، چشم مشتاق تماشا کے لیے 'دامان باغبان و کف گل فروش' ہے - ان کے ہم نوا معاصرین نے جب کہ ان کے زردشتی زمزموں کے آگے سر تسلیم خم کیا ، ان کے ریختہ کو وقف تاراج بے التفاتی چھوڑا بلکہ بعض حریفوں نے تو صاف صاف کہہ دیا : ع

مگر ان کا لکھا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

خود میرزا کی روش اپنے ریختہ کے ساتھ بے مہرانہ ہے - فرماتے ہیں

نیست نقصان یک دو جزو است از سواد ریختہ
کان دژم برگی ز نخلستان فرہنگ منست
فارسی بین تا بہ بینی نقش ھای رنگ رنگ
بگذر از مجموعۂ اردو[۱] کہ بیرنگ منست

---

۱ - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ غالب کے اردو کلام سے ان کے ہم وطنوں کی بے التفاتی کا رد عمل ہے ، ورنہ درحقیقت اپنے اردو کلام کے متعلق ان کی رائے بڑی بلند ہے :

کوئی کہے کہ ریختہ کیوں کر ہو رشک فارسی
گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کر اسے سنا کہ یوں

(مرتب)

لیکن فی زمانتا ان کی شہرت کو بال پرواز دینے والا ان کا یہی اردو کلام ہے - اس کا مطالعہ ایک فیشن بن گیا ہے - ملک کے بہترین دماغ اس کی تشریح میں سرگرم کار ہیں - آئے دن رسالوں میں اس پر تبصرے ہوتے رہتے ہیں - شرحیں لکھی جاتی ہیں اور ہر سال ایک نہ ایک جدید شرح اضافہ ہوتی رہتی ہے - اگر یہی حالت رہی تو وہ دن دور نہیں جب 'غالبیات' ہمارے ادب کی ایک اہم اور گراں قدر شاخ بن جائے گی -

آخر یہی اردو دیوان جو خود مصنف کی رائے میں متاع قابل عرض نہ تھا اور ان کے 'نخلستان فرہنگ' کا ایک 'دژم برگ' تھا ، آج ہماری نگاہ میں کیوں سرمہ بخش چشم قبول ہوا - اس کے جواب تو بہت سے ہیں لیکن میں اپنے مضمون کے مختصر ظرف کو مد نظر رکھ کر صرف ایک جواب پر اکتفا کرتا ہوں - وہ یہ ہے کہ ہم میں قدرتاً شوق دریافت کا مادہ موجود ہے اور غالب نے میرزا بیدل کی طرز کو اردو کے قالب میں منتقل کر دینے سے ہماری اشتیاق انگیزی کی رگ کو جنبش دے کر ہمیں اپنا مسخر کر لیا ہے - یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ میرزا ہر میدان میں اپنی شان یک رنگی کو برقرار رکھنا چاہتے تھے - ان کی دلی خواہش تھی کہ میرا رنگ کسی سے نہ ملے اور میں سب سے مختلف نظر آؤں - ان ایام میں جو روش خاص اردو میں چمن طراز داماں قبول تھی ، ان کو ایک آنکھ منظور نہ تھی - طبیعت تھی دشوار پسند ، اس کی مناسبت سے میرزا بیدل کی طرز کو رواج دیا اور بزم رنگ و بو میں انداز نو بر روئے کار لائے - فارسی زبان میں یہ استعداد موجود ہے کہ جب ایک مدعا ایک لفظ کے ذریعے سے منتقل نہیں ہو سکتا دو لفظوں کے ترکیب دینے سے آسانی کے ساتھ ادا کیا جا سکتا ہے اور ترکیبوں کے ذریعے مختلف مقاصد اور جدید خیالات بلا کسی دقت کے ظاہر کیے جا سکتے ہیں - بایں ہمہ دیکھا جاتا ہے کہ بیدل کے بادۂ تند و تلخ کے لیے فارسی زبان کا ظرف ایک شیشۂ شکستہ سے زیادہ درخور وقعت نہیں اور ان کے کاوش جگر کی مخلوق یعنی اصنام خیالی ، شہر بند الفاظ کے زندانی بننا نہیں چاہتے ـــــ! شمیم گل جس طرح ریاحین کے ساغر

تنگ ظرف سے ابل پڑتی ہے ، یہی حالت اردو کے میدان میں مرزا غالب کے ساتھ گزری ہے ؛ انھیں اپنے خیالات کو الفاظ کا جامہ پہنانے وقت مجبوراً زیادہ تر فارسی تراکیب کا منت کش ہونا پڑا ہے۔ تاہم ہماری زبان اپنی تہی مائیگی کی وجہ سے ان کے عالی خیالات کا چربہ اتارنے سے قاصر رہی ہے ۔ معانی اور الفاظ میں تصادم نظر آتا ہے ۔ کہنا کچھ چاہتے ہیں اور کہا کچھ ہے ۔ 'دو اور دو' کہہ دیے اور فرض کر لیے کہ مستمع سمجھ لے گا ، چار ہوئے ۔ ادراک اپنا 'دام شنیدن' خواہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ بچھائے لیکن ان کے 'عالم تقریر' کا مرغ زیرک بعنی مدعا ، رشتہ برپا ہونے سے گریز کرتا ہے ۔

قصہ مختصر الفاظ و معانی کی اس کشمکش و کشاکش نے ایک ایسی ابتری و درہمی کا عالم پیدا کر دیا ہے کہ جلد باز اذہان نے جو کاوش و تلاش کے خوگر نہیں اور سہل نظری کے رفیق طریق ہیں ، فتویٰ لگا دیا ہے کہ میرزا کا کلام مہمل ہے ۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ یہی نقائص ان کی شاعری کے سب سے زیادہ دلکش خط و خال ہیں ۔ یہ انداز شاعری در حقیقت ساحری ہے اور میرزا غالب کی کامیابی کا راز یہی ہے کہ وہ ہماری حیرت کو حرکت دیتے ہیں اور ان نامعلوم اسرار کی دریافت کے لیے، جو ان کے الفاظ کے ایوان کے در میں مقفل ہیں ہمارے اشتیاق کو گدگداتے ہیں ۔ اسی بنا پر دشوار پسند طبائع ، جو ذوق سعی سے لذت یاب ہیں ان کے کلام کے گرد پروانہ وار جمع ہو کر اپنے شوق جگر کاوی اور دماغ سوزی کی رہبری میں آشنائے مقصود ہوے رہیں گے۔ ان کے فارسی کلام میں اس قسم کا عنصر قریب قریب غیر حاضر ہے اور غالباً اسی لیے وہ اس قدر ہمارا عنان گیر توجہ نہیں ہے ۔

اس خامی کے باوجود جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے ، جب میرزا کے دونوں کلاموں کو رو در رو رکھ کر مطالعہ کیا جاتا ہے تو کوئی ایسا نمایاں فرق دامن گیر نظر نہیں ہوتا ۔ میرزا کا فارسی کے لیے اس قدر توغل اور اردو سے صرف نظر کوئی قابل ذکر ممتاز نتیجہ پیدا نہیں کرتے ۔ ہمیں یہی محسوس ہوتا ہے کہ وہی بادۂ سرجوش ہے جو ایک ہی خم سے نکالا گیا ہے ۔ جس کی تندی و تلخی میں کوئی فرق

نہیں - ہاں البتہ ساقی نے اس کو دو مختلف رنگین پیمانوں میں بھر دیا ہے -

بادہ صاف است مپندار کہ رنگین شدہ است
ایں ز ہمرنگی جام است کہ شد سرخ و کبود

لیکن یہ یاد رہے کہ راقم اس گروہ سے تعلق رکھتا ہے جس کا اعتقاد ہے کہ انسان کے لیے اپنے اظہار خیالات کا سب سے بہتر ذریعہ صرف اس کی اپنی مادری زبان ہو سکتی ہے - نیز یہ کہ اکتسابی زبان میں خواہ وہ کتنا ہی کمال کیوں نہ حاصل کر لے، وہ بے تکلفی اور لطافت پیدا نہیں کر سکتا جو اپنی زبان میں کر سکتا ہے - ایرانیوں نے ہماری فارسی کو باوجود آٹھ سو سال کے انتھک اور مزاولت کے فارسی نہیں مانا - ہماری انگریزی دانی کی قابلیت کا راز کسی قدر ان قصوں سے منکشف ہو سکتا ہے جو وقتاً فوقتاً انگریزی جرائد میں انگریزوں کی خوش وقتی اور تفریح کا سامان مہیا کرنے کے لیے نقل کیے جاتے ہیں - ہماری عمر کا نصف بہتر حصہ ضائع کرنے کے بعد ہمارے معیار تحصیل کو 'بابو انگلش' کے ناقابل رشک خطاب سے یاد کیا جاتا ہے - اگر غیر قوموں کے اس خیال میں راستی کا عنصر موجود ہے اور اس کو اہل زبان کی گزاف تسلیم نہ کی جائے ، تو میں اس کی روشنی میں یہ عقیدہ ظاہر کروں گا کہ میرزا غالب اگر اس التفات کا نصف حصہ بھی ردو پر صرف کرتے جو انھوں نے فارسی کے لیے مخصوص کیا تھا ، تو ان کی اردو ان کی فارسی سے بلا شبہ گوے سبقت لے جاتی - تاہم میں اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میرے قلب پر جو وجدانی کیفیت ان کے اردو کلام سے طاری ہوتی ہے وہی لذت ان کے میخانے کی شراب شیراز سے حاصل نہیں ہوتی - یہ عقیدہ ممکن ہے کہ ملحدانہ مانا جائے اور بہ نظر امعان بے بنیاد ثابت ہو لیکن میں جانتا ہوں ذوق و وجدان کے معاملات میں بحث کرنا ایک بے سود فعل ہے - اس لیے اس سے اجتناب کرکے میرزا کے ایسے فارسی اور اردو اشعار جو قریب المعنی اور ہم آہنگ ہیں اور سرسری نظر میں مجھ کو بغیر دقت تلاش دستیاب ہوسکے ، ذیل میں حوالۂ قلم کرتا ہوں :

(۱) هر حجابی که دهد روی به هنگامهٔ شوق
پردهٔ ساز بود زمزمه سنجان ترا

محرم نہیں ہے تو ہی نواہاے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

---

(۲) عهد و وفا ز سوی تو نا استوار بود
بشکستی و ترا بشکستن گزند نیست

تیری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا
کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا

---

(۳) پیش ما دوزخ جاوید بهشت است بهشت
باد آباد دیاری که وفا خیزد ازو

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بتخانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

---

(۴) اختلاط شبنم و خورشید تابان دیده ام
جرأتی باید که عرض شوق دیدارش کنم

پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

---

(۵) تا چند نشنوی تو و ما حسب حال خویش
افسانه های غیر مکرر کنیم طرح

بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرمائیں گے کیا

---

(۶) ایمان اگر بخوف و رجا کردم استوار
اخلاص در نمود وفایم دو رو گرفت

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

---

(۷) حق شناس صحبت بے تابی پروانہ ایم
گرچہ مشق نالہ با مرغ غزلخوان کردہ ایم

کعبہ میں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں
بھولا ہوں حق صحبت اہل کنشت کو

---

(۸) دھد بمجلسیان بادہ و بہ نوبت من
بمن نماید و در انجمن فرو ریزد

مجھ تک کب اس کی بزم میں آتا تھا دور جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

---

(۹) کف خاکیم از ما بر نخیزد جز غبار آنجا
فزون ازصرصری نبود قیامت خاکسار انرا

بجز پرواز شوق ناز کیا باقی رہا ہوگا
قیامت اک ہوائے تند ہے خاک شہیداں پر

---

(۱۰) در آغوش تغافل عرض یکرنگی توان دادن
تہی تا میکنی پہلو بما بنمودۂ جارا

تغافل دوست ہوں میرا دماغ عجز عالی ہے
اگر پہلوتہی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے

---

(۱۱) بنازم سادگی طفل است و خونریزی نمی‌داند
به گلچیدن ، همان ذوق شمار کشتگان دارد

ہوائے سیر گل ، آئینہ بے مہری قاتل
کہ انداز بخوں غلطیدن بسمل پسند آیا

---

(۱۲) بسکہ لبریز است ز اندوہ تو سر تا پای من
نالہ میروید چو خار ماهی از اعضای من

پر ہوں میں شکوہ سے یوں راگ سے جیسے باجہ
اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

---

(۱۳) تا حسن بہ بے پردگیٔ جلوہ صلا زد
دیدیم کہ تاری ز نقابست نظر ہم

نظارہ نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی

---

(۱۴) مدتی ضبط شرر کردم بپاس غم ولی
خون چکیدن دارد اکنون از رگ خارای من

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا

---

(۱۵) تا خود از بہر نثار کیست می میرم ز رشک
خضر و چندین کوشش و عمر دراز آوردنش

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناس خلق اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمر جاوداں کے لیے

---

(۱۶) ننگ فرہادم بہ فرسنگ از وفا دور افگند
عشق کافر شعل جاندادن بمزدور افگند

عشق و مزدوری عشرتگہ خسرو کیا خوب
ہم کو تسلیم نکو نامیٔ فرہاد نہیں

---

(۱۷) در آئینہ ما کہ نا ساز بختیم
خط عکس طوطی بزنگار ماند

کیا بدگماں ہے مجھ سے کہ آئینہ میں مرے
طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھ کر

---

(۱۸) فغان کہ وہم بد آموز یار شد غالب
روا نداشت کہ بر من ستم روا دارد

نہ مارا جان کر بے جرم قاتل تیری گردن پر
رہا مانند خون بے گنہ حق آشنائی کا

---

(۱۹) با تغافل بر نیاید طاقتم لیک از ہوس
در تمنای نگاہ بی محابایم ہنوز

نگاہ بے محابا چاہتا ہوں
تغافل ہائے تمکیں آزما کیا

---

(۲۰) بنای خانہ ام ذوق خرابی داشت پنداری
کز آمد آمد سیلاب در رقص است دیوارش

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولا برق خرمن کا ہے خون گرم دہقاں کا

---

(۲۱) ہر کہ نوبت ساغر نمی رسد ساقی
خراب گردش چشمیست میتوان گردن

نفس موج محیط بے خودی ہے
تغافل ہائے ساقی کا گلہ کیا

---

(۲۲) تو داری دین و ایمانی بترس از دیو ونیرنگش
چو نبود توشۂ راهی چه باک از رهزنم باشد

نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

---

(۲۳) جنت نکند چارۂ افسردگی دل
تعمیر باندازۂ ویرانی ما نیست

دیتے ہیں جنت حیات دہر کے بدلے
نشہ باندازۂ خمار نہیں ہے

---

(۲۴) ۱ - گفتنی نیست کہ بر غالب ناکام چه رفت
میتوان گفت کہ این بنده خداوند نداشت

زندگی اپنی جب اس رنگ سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

---

۱ - مضمون کے شائع ہونے کے بعد نمبر ۲۴ کے اشعار حافظ صاحب مرحوم نے حاشیے پر اپنے قلم سے لکھے ہیں - (مرتب)

حالی اور مسدس حالی

جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے ، پیش نظر مضمون میں مولانا حالی کے مختصر حالات بیان کیے گئے ہیں اور ان کے شاہکار مسدس پر ایک اجمالی نظر ڈالی گئی ہے ۔ (مرتب)

پانی پت میں کچھ کم سات سو برس سے قوم انصار کی ایک شاخ آباد چلی آتی ہے ۔ غیاث‌الدین بلبن کے عہد میں اس شاخ کے ایک بزرگ خواجہ ملک علی نامی ہرات سے ہندوستان وارد ہوئے ۔ بلبن نے چند سیرحاصل دیہات بطور مدد معاش عطا کرکے پرگنے کا قاضی مقرر کر دیا ۔ پانی پت کے انصار اسی بزرگ کی اولاد ہیں ۔ مولانا حالی اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ۔ ولادت کے بعد ہی ان کی والدہ کا دماغ مختل ہو گیا ۔ نو سال کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا ۔ بھائی بہنوں کے سوا کوئی سرپرست نہیں رہا ۔ قرآن شریف ختم کرنے کے بعد سید جعفر علی سے فارسی کی چند ابتدائی کتابیں پڑھیں ۔ یہ بزرگ میر ممنون دہلوی کے داماد اور بھتیجے تھے ۔ فارسی سے آشنائی حاصل کرنے کے بعد مولوی حاجی ابراہیم حسین انصاری سے ، جو شیعوں میں ایک جید عالم مانے جاتے ہیں ، عربی صرف و نحو شروع کی ۔ سترہ سال کی عمر میں شادی ہو گئی ۔ بیوی کے میکے والے چوں کہ آسودہ حال تھے اس لیے تلاش معاش کو بالفعل بے سود اور غیر ضروری سمجھ کر، جس کے لیے ان کے اقارب ان کو مجبور کر رہے تھے ، شوق علم میں گھر سے روپوش ہو کر دہلی جا پہنچے ۔ یہاں صرف و نحو اور منطق کی کتابیں مولوی نوازش علی مرحوم کے درس میں پڑھیں ۔ یہ ایک مشہور واعظ اور مدرس تھے ۔

قیام دہلی کے زمانے میں مرزا اسد اللہ خاں غالب مرحوم کے ہاں آنا جانا شروع کیا تو شاعری کا شوق بھی پیدا ہو گیا ۔

۱۸۵۵ع میں رشتہ داروں کے مجبور کرنے پر واپس پانی پت گئے اور ڈیڑھ برس تک بطور خود عربی دیکھتے رہے ۔ ۱۸۵۶ع میں ایک قلیل تنخواہ کی اسامی ضلع حصار کے کلکٹر کے دفتر میں مل گئی لیکن غدر ۱۸۵۷ع میں انگریزی حکومت برطرف ہوئی ۔ مولانا پانی پت چلے آئے ۔ اس کے بعد وہ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ کے مصاحب ہو گئے ۔ جب تک نواب مرحوم زندہ رہے ، مولانا ان کے جلیس رہے ۔ شیفتہ کے اثر میں ان کی شاعری نے فروغ حاصل کیا اور ان ہی کی صحبت نے ان کو نیچرل شاعری کی طرف متوجہ کیا ۔ نواب مرحوم غیر ضروری مبالغے کو ناپسند کرتے تھے ۔ واقعیت اور حقیقت آپ کی طبیعت پر غالب تھی ۔ شیفتہ کی وفات کے بعد پنجاب گورنمنٹ کے بکڈپو میں ان کی تقرری عمل میں آئی ۔ اس دفتر میں ان کا کام انگریزی سے اردو تراجم کی اصلاح تھی ۔ اس سلسلے میں وہ چار سال تک لاہور رہے ۔ اسی زمانےمیں انھوں نے مولانا آزاد کے مشاعرے کے لیے اپنی مثنویات 'نشاط اُمید' 'برکھا رت' وغیرہ لکھیں ۔ بعد ازاں لاہور سے اینگلو عربک اسکول دہلی کے مدرس مقرر ہو کر دہلی تشریف لے گئے ۔ ۱۳۰۵ھ میں جب سر آسمان علی جاہ علی گڑھ تشریف لائے ، مولانا حالی بھی وہیں موجود تھے ۔ سر آسمان جاہ نے گورنمنٹ نظام کی طرف سے مولانا کا وظیفہ مقرر کر دیا اور مولانا نے ملازمت غیر ضروری سمجھ کر اینگلو عربک اسکول دہلی سے اپنا تعلق منقطع کر لیا ۔

اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے کہ مولانا کی شعر و شاعری نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کی صحبت میں چمکی ۔ اس سے پیشتر قیام دہلی کے زمانے میں اگرچہ مرزا غالب سے ان کے تعلقات قائم ہو گئے تھے اور مرزا نے ان کو اپنے چند قصیدے بھی پڑھائے تھے اور مشکل اور دقیق اشعار کے معانی کا حل بھی کرتے رہے تھے ، تاہم ان ایام میں مولانا نے باقاعدہ شعرگوئی نہیں شروع کی تھی ۔ اصل یہ ہے کہ شیفتہ نے ان کی شاعری کے خوابیدہ ذوق کو بیدار کیا ۔ نواب مرحوم مبالغہ دل

سے ناپسند کرتے تھے - حقائق اور واقعات کے بیان میں لطف پیدا کرنے اور سچی باتوں کو محض حسن بیان سے دلفریب بنانے کو منتہائے کمال شاعری سمجھتے تھے - چھچھورے اور ادنیٰ خیالات کے اظہار کو مرزا اور نواب دونوں معیوب جانتے تھے - نواب موصوف کی مصاحبت اور اس طرف لاہور میں انگریزی خیالات سے اردو تراجم کی بدولت آشنائی حاصل کرنے سے مولانا میں اس خاص مذاق نے نشو و نما پائی ، جس کے اثر سے آنھوں نے بعد میں جدید شاعری کی بنیاد ڈالی -

۱۸۹۳ء میں آنھوں نے اپنا اردو دیوان چھپوا کر شائع کیا جس میں آن کی جدید اور قدیم رنگ کی نظمیں شامل ہیں - تمہید میں ایک زبردست مقدمہ شاعری پر لکھا ہے جس سے شاعری کے متعلق ان کے صحیح مذاق ، تعمق نظر اور وسعت معلومات کا پتا چلتا ہے -

تصنیفات

سب سے پہلے مولانا نے ایک کتاب 'تریاق مسموم' ۱۸٦۷ء میں پادری عمادالدین کی کتاب 'ہدایت‌المسلمین' کے جواب میں لکھی- اسی پادری کی 'تاریخ محمدی' کا ایک تبصرہ مولانا نے ایک رسالے کی شکل میں لکھا جس میں مسٹر پول اور غیرمتعصب یورپین مصنفین کی آں حضرت صلعم کے متعلق آراء کا مقابلہ نہایت خوبی سے کیا ہے -

لاہور میں ایک عربی کتاب جو 'طبقات‌الارض' پر فرانسیسی زبان سے ترجمہ ہوئی تھی ، اردو قالب میں شائع کی - اس ترجمے کا کاپی رائیٹ بغیر کسی معاوضے کے پنجاب یونیورسٹی کو دے دیا اور ڈاکٹر لائٹنر نے اسی زمانے میں یونیورسٹی کی طرف سے چھپو کر شائع کیا - قیام لاہور کے زمانے میں انھوں نے مستورات کی تعلیم کے لیے ایک کتاب قصے کے پیرائے میں دو جلدوں میں لکھی - اس کتاب پر کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر سر رشتۂ تعلیم پنجاب نے بمقام دہلی ایک ایجوکیشنل دربار میں لارڈ نارتھ بروک کے ہاتھ سے چار سو روپے کا انعام دلوایا تھا - یہ کتاب ایک مدت تک اودھ اور پنجاب کے مدارس میں جاری رہی - مثنوی 'کلمۃالحق' ۱۸۷۲ء میں اور 'مسدس حالی' یا 'مد و جزر اسلام'

۱۸۷۹ع میں شائع ہوئی - یہ کتاب سید احمد خان کے ایما سے لکھی گئی تھی - فرماتے ہیں :

''قوم کے ایک سچے خیر خواہ نے ، جو اپنی قوم کے سوا تمام ملک میں اسی نام سے پکارا جاتا ہے ، اور جس طرح خود اپنے ہیر اور ہاتھ اور قوی بازو سے بھائیوں کی خدمت کر رہا ہے ، اسی طرح ہر اپاہج اور نکمے کو اسی کام میں لگانا چاہتا ہے ، آکر ملامت کی اور غیرت دلائی کہ حیوان ناطق ہونے کا دعویٰ ہے اور خدا کی دی ہوئی زبان سے کچھ کام نہ لینا بڑے شرم کی بات ہے -

رو چو انسان لب بجنبان در دهن
در جمادی لاف انسانی مزن

قوم کی حالت تباہ ہے ، عزیز ذلیل ہوگئے ہیں ، شریف خاک میں مل گئے ہیں ، علم کا خاتمہ ہو چکا ہے ، دین کا صرف نام باقی ہے ، افلاس کی گھر گھر پکار ہے ، پیٹ کی چاروں طرف دوہائی ہے - اخلاق بالکل بگڑ گئے ہیں اور بگڑتے جاتے ہیں - تعصب کی گھنگھور گھٹا تمام قوم پر چھائی ہوئی ہے - رسم و رواج کی بیڑی ایک ایک کے پاؤں میں پڑی ہے - جہالت اور تقلید سب کے اوپر سوار ہے - امرا جو قوم کو بہت کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں ، غافل اور بے پرواہ ہیں - علما جن کو قوم کی اصلاح میں بڑا دخل ہے ، زمانے کی ضرورتوں اور مصلحتوں سے ناواقف ہیں - ایسے وقت میں جس سے جو کچھ بن آئے سو بہتر ہے ، ورنہ ہم سب ایک ہی ناؤ میں سوار ہیں اور ساری ناؤ کی سلامتی میں ہماری سلامتی ہے - ہر چند لوگ بہت کچھ لکھ چکے ہیں اور لکھ رہے ہیں مگر نظم جو کہ انسان کو بالطبع مرغوب ہے اور خاص کر عرب کا ترکہ اور مسلمانوں کا موروثی حصہ ہے ، قوم کے بیدار کرنے کے لیے اب تک کسی نے نہیں لکھی - اگرچہ ظاہر ہے کہ اور تدبیروں سے کیا ہوا جو اس تدبیر سے ہو گا ، مگر ایسی تنگ حالتوں میں انسان کے دل پر ہمیشہ دو طرح کے خیالات گزرتے ہیں -

ایک یہ کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے ۔

دوسرے یہ کہ ہم کو کچھ کرنا چاہیے ۔

پہلے خیال کا نتیجہ ہمیشہ یہ ہوا کہ کچھ نہ ہوا اور دوسرے خیال سے دنیا میں بڑے بڑے عجائبات ظاہر ہوئے ؎

در فیض است منشین از کشائش ناامید این جا
برنگ دانہ میروید ز ہر قفلی کلید این جا''

مولانا فرماتے ہیں :

''ناصح کی جادو بھری تقریر دل میں گھر کر گئی ۔ دل ہی سے نکلی تھی ، دل ہی میں جا کر ٹھہری ۔''

آخر مولانا نے اس مسدس کی بنیاد ڈالی ۔ اگرچہ دنیا کے مکروہات اور بیماریوں کے ہجوم سے اطمینان کبھی نصیب نہیں ہوا لیکن یہ عالی حوصلہ اپنی دھن کا پکا نکلا اور یہ مسدس ۱۸۷۹ء میں شائع ہوگیا ۔ مسدس کیا تھا ، وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی، ایک آواز میں سارے سوتے ہوؤں کو جگا دیا ۔

یہ ایک نہایت سادہ اور سلیس نظم ہے جس میں نہ حسن و عشق کے معرکے ہیں اور نہ شاعرانہ و سخن ورانہ موشگافیاں پائی جاتی ہیں ۔ تشبیہ اور استعارہ سے بالکل معرا ہے ۔ تمہید کے چند بندوں کے بعد شاعر نے عرب الجاہلیۃ کی حالت کا نقشہ بہ سبیل اجمال دکھا کر آفتاب اسلام کے طلوع ہونے کا منظر پیش کیا ہے ۔ نبی آخر زمان کی تعلیم و تلقین سے ریگستان عرب دفعۃً ایک سدا بہار باغ بن جاتا ہے ۔ مسلمان تمام اقوام عالم پر دینی و دنیاوی ترقیات میں سبقت لے جاتے ہیں ۔ علوم و فنون اور دیگر اصناف تمدن میں بازی لے جاتے ہیں ۔ عروج کے بعد ان کے زوال کے حالات بیان کرتے ہوئے شاعر نے مسلمانان ہند کی موجودہ تصویر دکھائی ہے ، جس میں ان کے تنزل اور پستی سے بحث کی گئی ہے ۔ اصحاب ثروت اور امرا کے ذلیل مشغلے اور بے کار مصروفیت کا اچھا خاصا سین کھینچ کر دکھایا ہے ۔ علما کے تعصب ، غصے اور کج خلقی ، ان کی شرک پرستی باایں ہمہ دعوائے توحید کے

خد و خال علیحدہ کھینچے گئے ہیں - شرفا کی اولاد کی بد اطواری اور بے سلیقگی ، علوم و فنون میں ان کی بد شوقی ، رذیل صحبتوں میں ان کا بیٹھنا اور انھیں کے ڈھنگ اختیار کر لینا ، پڑھے لکھے لوگوں سے ان کا تنفر ، جوان ہو کر ان کا عشق بازی میں انہاک ، ان کی بدچلنی ، ماں باپ سے بے مہری وغیرہ وغیرہ کے واقعات کسی قدر تفصیل سے درج ہیں - ہماری موجودہ شاعری جوگیسوے رسا اور آہ نارسا ، گل و بلبل ، شمع و پروانہ ، حسن و عشق ، وصال و فراق ، شراب و میخانہ ، ساقی و پیمانہ ، خد و خال جاناں ، نالۂ سحری ، گریۂ نیم شبی ، تجلی طور اور گیسوے حور ، افسانۂ مجنوں و لیلی ، شیریں و فرہاد ، بے بصر صنائع ، بے جا مبالغے ، بے معنی تشبیہات و استعارات کی بھول بھلیاں میں پھنس کر دین و دنیا کے مصرف کے لیے بے کار ہو گئی ہے - شاعر نے ہر مغز الفاظ میں اس کی بے لاگ تنقید کرکے عرب کی شاعری سے مقابلہ کیا ہے جس نے ملکی اور قومی ترقی میں عملی حصہ لیا ہے - عرب شاعروں اور خطیبوں نے اخلاق اور عادات کی تہذیب اور اصلاح میں بہت امداد دی ہے -

آخر میں بے درد تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے قوم کی عام غفلت کا نقشہ کھینچا ہے - اس سلسے میں فرماتے ہیں ؎

جہاز ایک گرداب میں پھنس رہا ہے
پڑا جی سے جو کھوں میں چھوٹا بڑا ہے

نکلنے کا رستہ نہ بچنے کی جا ہے
کوئی ان میں سوتا کوئی جاگتا ہے

جو سوتے ہیں وہ مست خواب گراں ہیں
جو بیدار ہیں ان پہ خندہ زناں ہیں

اس کے بعد مولانا حالی اس قدیم فلسفیانہ مقولے کو بیان کرتے ہیں جس کی رو سے انسان کو دنیا میں اپنی موجودگی ضروری ثابت کرنے کے لیے صفات ذیل میں سے کسی ایک کی ضرورت ہے - یعنی

عقل ، علم و ہنر ، دولت ۔ مولانا اپنے انداز میں اس کو یوں لکھتے ہیں ــه

کسی نے یہ اک مرد دانا سے پوچھا
کہ نعمت ہے دنیا میں سب سے بڑی کیا
کہا عقل جس سے مسلّے دین و دنیا
کہا گر نہ ہو اس سے انسان کو بہرا
کہا پھر اہم سب سے علم و ہنر ہے
کہ جو باعث افتخار بشر ہے
کہا گر نہ ہو یہ بھی اس کو میسر
کہا مال و دولت ہے پھر سب سے بڑھ کر
کہا در ہو یہ بھی اگر بند اس پر
کہا اس پہ بجلی کا گرنا ہے بہتر
وہ ننگ بشر تا کہ ذلت سے چھوٹے
خلائق سب اس کی نحوست سے چھوٹے

ان اشعار کے ماخذ کی تلاش میں ہم جامی کے ان اشعار سے دو چار ہوتے ہیں ــه

جامی آید درین سرای سپنج دولت مرد عقل مادر زاد
وگر آن نیست شیوهٔ ادبی کرده حاصل زخدمت استاد
وگر آن نیز نیست ، سیم و زری که شود پرده پوش شر و فساد
وگر آن نیز نیست ، حادثهٔ که کند نقل عمرش از بنیاد

لیکن ذیل کے اشعار سے ظاہر ہے کہ جامی نے اپنا چراغ فردوسی کی شمع فیضان سے جلایا ہے ۔ چنانچہ ــه

بپرسید پس موبدی تیز مغز که اندر جہان چیست انبار نغز
کجا مرد را روشنائی دهد ز رنج زمانه رهائی دهد
چنین داد پاسخ که هر کو خرد بیابد ز هر دو جہان بر خورد

بدو گفت اگر انیستش بخردی　خرد خلعت روشن است ایزدی
چنین داد پاسخ کہ دانش بہ است　چو دانا شود بر مہان برمہ است
بد و گفت اگر آب دانش بجست　بدین آب ہرگز روان را نشست
چنین داد پاسخ کہ بامرد گرد　تن خویش را خوار باید چمرد
اگر ناؤ دارد ہزار نبرد　سر بد سگال اندر آرد بگرد
گرامی شود بر دل بادشا　بود جاودان شاد فرمان روا
بدو گفت اگر نیستش بہرہ زین　نہ دانش بژ و ہد نہ آئین نہ دین
چنیں داد پاسخ کہ آں بہ کہ مرگ　نہد بر سر او یکی تیرہ ترگ

مولانا حالی اپنے نتیجے میں ایک مایوسی بخش لہجے میں فرماتے ہیں ؎

امیروں کی تم سن چکے داستاں سب
چلن ہو چکے عالموں کے بیاں سب
شریفوں کی حالت ہے تم پر عیاں سب
بگڑنے کو تیار بیٹھے ہیں یاں سب
یہ بوسیدہ گھر اب گرا کا گرا ہے
ستون مرکز ثقل سے ہٹ چکا ہے

یہ جو کچھ ہوا، ایک شمہ ہے اس کا
کہ جو وقت یاروں پہ ہے آنے والا
زمانے نے اونچے سے جس کو گرایا
وہ آخر کو مٹی میں مل کر رہے گا
نہیں گرچہ کچھ قوم میں حال باقی
ابھی اور ہونا ہے پامال باقی

یہاں ہر ترقی کی غایت یہی ہے　سر انجام ہر قوم و ملت یہی ہے
سدا سے زمانے کی حالت یہی ہے　طلسم جہاں کی حقیقت یہی ہے
بہت یاں ہوئے خشک چشمے ابل کر
بہت باغ چھانٹے گئے پھول پھل کر

الغرض یہ ایک مختصر سی نظم تھی جو زبان دانی کی طلسم بندیوں اور الفاظ کی آب و تاب سے بالکل معرا تھی لیکن اس نے شائع ہوتے ہی مسلمانوں میں ایک آگ سی لگا دی ۔ گھر گھر اس کا چرچا ہو گیا ۔ اس نے سوتوں کو جگا دیا اور جاگتے ہوؤں کو مصروف عمل کر دیا ۔

اشاریه

اشخاص

(الف)

آباد آزاد - ۴۴ -
آبرو، شاہ مبارک - ۲۳، ۴۲، ۷۰،
۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲ -
آتش - ۴۱، ۱۵۰ -
آرزو، سراج الدین علی خان - ۲۳،
۳۲، ۴۲، ۴۴، ۴۹، ۶۴،
۷۹، ۱۸۷ -
آزاد بلگرامی، مولانا غلام علی -
۸۰، ۸۴، ۸۵، ۸۶ -
آزاد، محمد حسین - ۱۳، ۲۱، ۲۲،
۲۴، ۲۵، ۲۷—۳۰، ۳۲،
۳۳، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۴۰،
۴۱، ۴۲، ۴۶، ۴۷، ۴۹،
۵۳، ۵۴، ۵۷، ۵۸، ۶۰، ۶۴،
۶۶—۸۰، ۸۲، ۸۸، ۸۹،
۹۲، ۹۳، ۹۵، ۹۷، ۹۸،
۹۹، ۱۰۴—۱۲۲، ۱۲۴—
۱۳۹، ۱۴۱—۱۴۵، ۱۴۷،
۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۵، ۱۵۷،
۱۵۹، ۱۶۱، ۱۶۳—۱۶۶،
۱۷۱، ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۷۸،
۱۷۹، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۵،
۱۸۶، ۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۱،
۱۹۳—۲۰۷، ۲۱۰—۲۵۶،
۲۵۷، ۲۵۹—۲۶۴، ۲۶۶
—۲۶۹، ۲۸۰، ۲۸۷، ۲۹۷،
۳۰۲، ۳۰۳—۳۰۶، ۳۱۸ -
آسمان علی جاہ، سر - ۳۱۸ -
آشفتہ، عظیم الدین خان عرف
بھورے خان - ۱۷، ۱۲۹،
۱۳۰ -
آشفتہ، مرزا رضا قلی بیگ - ۱۷ -
آصف الدولہ - ۵۸، ۹۷، ۱۰۰
—۱۰۹ -
آغا کلب عابد خان - ۲۹ -
آغا محمد باقر - ۲۷، ۲۶۲، ۲۶۳ -
آفاق، میر فرید الدین - ۹ -
آہی سبزواری - ۱۵۹، ۱۶۰،
۱۶۱ -
ابراہیم حسین انصاری حاجی -
۳۱۷ -
ابراہیم علی خان - ۲۹ -
ابن حسین مرزا - ۱۶۰ -

ابن ملجم - ۱۰۸ ، ۱۰۹ -
ابوالحسن - ۱۷۶ -
ابوالفضل - ۲۷ ، ۴۹ ، ۶۵ -
ابوبکر ، حضرت - ۱۵۳ -
ابونصر فراہی - ۶۰ -
اثل، میر عبدالجلیل بلگرامی - ۱۶ -
احسان ، عبدالرحمٰن خاں - ۱۲۵ ، ۱۴۰ -
احسن ، احسن اللہ - ۹ ، ۴۲ ، ۲۶۶ ، ۲۶۷ -
احسن اللہ خاں ، حکیم - ۱۶۲ -
احسن ، محمد احسن - ۷۱ -
احمد ابا حسن ، سید - ۳ -
احمد بخش خاں ، نواب - ۳۵ ، ۳۷ ، ۳۸ ، ۳۹ ، ۱۳۰ ، ۱۳۱ ، ۱۳۲ -
احمد بیگ خاں - ۱۴۱ -
احمد حسین لاہوری - ۲۵۶ -
احمد خاں خواجہ - ۵ -
احمد شاہ ابدالی - ۵ ، ۱۵ ، ۷۵ ، ۷۶ ، ۸۶ ، ۹۸ -
احمد شاہ بہادر - ۵ -
احمد شاہ درانی - ۷۴ ، ۷۵ ، ۷۶ -
احمد علی سندیلوی - ۸۱ ، ۸۲ -
احمد یسوی ، خواجہ - ۳۵ ، ۳۸ -
احمر ، سید - ۲۹ -
اختر لونی - ۱۸۱ -
اخفش - ۱۷۵ -
ازرق - ۵۷ -
اسپرنگر - ۱۳ ، ۱۴۳ ، ۱۶۰ ، ۲۷۳ -
اسد اللہ ، میر - ۸۶ -
اسد بیگ - ۶۵ -
اسفندیار - ۲۹ -
اسلم فرخی ، ڈاکٹر - ۳۲ ، ۴۳ ، ۷۷ ، ۱۱۰ ، ۱۱۱ ، ۱۱۴ ، ۱۱۹ ، ۱۲۴ ، ۱۲۵ ، ۱۴۳ ، ۲۵۴ ، ۲۵۵ ، ۳۰۳ -
اسماعیل غورنڈی ، سید - ۱ -
اسماعیل ، مولوی - ۵۹ ، ۱۸۲ ، ۱۸۳ -
اسماعیل ، خلیفہ - ۱۴۲ -
اسمتھ ، جنرل - ۹۶ -
اشتیاق ، شاہ ولی اللہ - ۶۷ -
اشرف ، غلام اشرف - ۱۰ ، ۱۶۲ -
اصغر علی خاں ، نواب - ۲۰۷ -
اصلح الدین ، حکیم - ۹۹ ، ۱۰۶ ، ۱۰۸ -
اعتضاد الدولہ ارشاد خاں بہادر - ۸۵ -
افراسیاب - ۹۲ -
افسوس ، غفور بیگ - ۱۰ -
افضل ، حاجی محمد - ۸۷ -

اقبال ، ڈاکٹر شیخ محمد - ۱۵۹ ،
۱۶۷ -
اکبر - ۶۲ ، ۶۶ ، ۶۵ ، ۱۶۶ -
اکبر شاہ ثانی - ۹ ، ۵۶ ، ۱۲۵ ،
۱۲۶ ، ۱۳۷ -
امن ، میر - ۲۷ ، ۴۹ -
امو جان ، مرزا - ۱۱۸ -
اسپرسٹ ، لارڈ - ۱۸۱ -
اُمید ، قزلباش خان - ۲۷ ، ۴۷ -
امیر خان ، نواب - ۱۶۹ ، ۱۸۰ ،
۱۸۱ ، ۱۸۲ ، ۱۸۳ -
امیر مینائی - ۲۴ -
امین الدین خان ، نواب - ۳۵ ،
۳۹ -
انشا ، انشاء اللہ خان - ۷ ، ۱۷ ،
۱۸ ، ۲۰ ، ۲۶ ، ۳۲ ، ۸۲ -
انور ، امراؤ مرزا - ۱۱۸ ، ۱۴۳ -
انوری - ۲۱ ، ۱۸۹ -
انیس ، حمید الرحمٰن عرف میاں
جان - ۱۷ -
انیس ، میر - ۳۲ ، ۱۱۱ -
اولاد محمد خان بلگرامی - ۹۸ -
ایرج - ۴۷ -

(ب)

بابر - ۱۶۰ -
باجن ، شیخ - ۴۸ ، ۴۹ -
باقر علی خان - ۳۶ ، ۳۷ -
باقر ، مولانا محمد - ۱۲۰ ، ۱۶۱ -
بانکہ ، محمد عطا - ۱۶ -
باون - ۵۲ -
بایسنغر مرزا - ۱۶۰ -
بختاور خان - ۱ -
بختاور سنگھ - ۳۹ ، ۱۳۱ -
بدھ ، گوتم - ۲۸ -
بدیعی ، مولانا - ۶۱ -
بڈھن ، شیخ - ۵۱ -
برج لال ، لالہ - ۸۵ -
برسبت - ۵۲ -
برہادر - ۵۲ -
برہما - ۴۳ -
بسمل ، مولوی مہدی - ۵ -
بسنت خان - ۹۷ ، ۹۸ -
بقا ، بقاء اللہ - ۲۳ -
بلاق ، مرزا - ۱۸۵ -
بلبن ، غیاث الدین - ۳۱۷ -
بلوخمن - ۲۶۲ -
بلوم ہارٹ - ۵۹ -
بنگش ، نواب احمد خان - ۵ ، ۹۸ ،
۹۹ -
بو علی قلندر ، حضرت - ۱۵۲ ،
۱۵۳ -
بہادر سنگھ ، راجا - ۸۶ -
بھگوان داس ، رائے - ۷۷ -

بیان ، خواجہ احسن اللہ خان - ۱۰ -
بیدل ، مرزا - ۹۵ ، ۱۲۱ ، ۱۲۷ ، ۱۲۵ ، ۳۰۹ -
بیقرار ، میر کاظم حسین - ۱۳۲ -
بیمز - ۳۶ -
بیور ، ڈاکٹر - ۳۶ -

(پ)

پرتاپ سنگھ ابن حکومت رائے - ۵۳ -
پول ، مسٹر - ۳۱۹ -
پلیٹ - ۵۶ -

(ت)

تاباں - ۲۹ -
تاثیر ، محسن - ۱۳۶ -
تپاں ، ہادی بیگ خان - ۱۳۱ -
تپش، غلام محمد خان - ۱۱۳، ۱۱۳ -
تحسین ، میر محمد عطا حسین خان - ۵۸ ، ۵۹ -
ترقی ، مرزا محمد تقی - ۱۷ ، ۲۶ -
تسکین - ۳۶ ، ۳۷ -
تلسی داس - ۳۵ -
تمنا ، اسد علی خان - ۱۶۵ -
تنویر احمد علوی ، ڈاکٹر - ۳۳، ۱۴۴ ، ۲۰۱ ، ۲۵۳ ، ۲۵۵ ، ۲۵۶ ، ۲۵۸ ، ۲۵۹ ، ۲۶۰ ، ۲۶۳ ، ۲۶۵ -
تنہا - ۱۰ -

تیمور - ۷۵ ، ۷۶ ، ۸۶ ، ۱۵۱ -

(ٹ)

ٹاڈ - ۳۶ -
ٹیپو ، سلطان - ۱۵۳ -

(ث)

ثناء اللہ پانی پتی ، قاضی - ۸۳ -
ثناء اللہ سنبھلی ، مولوی - ۸۶ -

(ج)

جاماسپ - ۲۱ -
جامی ، مولانا - ۱۶۰ ، ۱۲۷ ، ۱۷۵ ، ۱۸۶ ، ۳۲۳ -
جاندا - ۵۲ -
جان مالکم ، سر - ۳۸ -
جان میرزا - ۸۰ ، ۸۷ -
جائسی ، ملک محمد - ۳۵ ، ۵۰ ، ۵۱ -
جرأت - ۱۷ ، ۱۸ ، ۲۶ ، ۱۵۰ ، ۱۹۱ -
جعفر - ۵۳ -
جعفر علی ، سید - ۳۱۷ -
جلال بن جلال الشاہی رضوی - ۱۸۸ -
جالی ، مولانا - ۵۳ ، ۵۵ -
جمیل تھار - ۵۳ -
جونز ، سر ولیم - ۳۳ -
جہان دار - ۳۰۵ -
جہانگیر - ۶۲ ، ۱۶۶ ، ۱۸۸ -

جیان جی آلاد - ۴۴ -
جی فرام آباد آزاد - ۴۴ -
جیمز مارٹن - ۵۹ -

(چ)

چاند ، شیخ - ۳۱ ، ۹۲ ، ۹۳ ، ۱۰۵ -
چرنجی لال ، منشی - ۳۰ -
چمو - ٦۴ -
چند کوی - ۳۵ -

(ح)

حاتم ، شیخ ظہور الدین - ۱۴ -
حاجی ، خواجہ - ۳٦ ، ۳۸ -
حافظ ، خواجہ - ۲۴ ، ٦۹ ، ۱۷۷ ، ۱۷۹ ، ۱۸۸ -
حالی ، مولانا الطاف حسین - ۳۲ ، ۱۴۳ ، ۱۴۸ ، ۱۴۹ ، ۳۱۷ ، ۳۱۸ ، ۳۱۹ ، ۳۲۱-۳۲۴ -
حامد علی خاں ، نواب - ۱۳۹ -
حبیب الرحمٰن خاں شروانی - ۳۱ ، ۱۱۳ -
حسن مثنی ، مولوی - ٦۸ -
حسین بخش ، بخشی - ۱۵ -
حسین علی خاں - ۳٦ ، ۳۷ -
حسین مرزا ، سلطان - ۱٦۰ -
حفیظ ، حافظ ، محمد حفیظ - ۱۰ -
حقی ، شان الحق - ۱۴۸ ، ۱۵۷ ، ۳۰۴ -
حیا ، مرزا راجد شنکر ناتھ - ۱۷ -
حیدر علی شاہ جہاں آبادی ، میر - ۱۸ -

(خ)

خان اعظم - ٦۵ -
خان خاناں - ۸۳ -
خدمتگار خاں ، حافظ - ۷۷ -
خسرو ، حضرت امیر - ۴۹ ، ۵۲ ، ۵۳ ، ۵۵ ، ۵۹ ، ٦۰ ، ٦۱ ، ٦۳ ، ۱۵۳ ، ۱۷۲ ، ۱۷۳ ، ۱۷۴ ، ۱۸۸ -
خلیق ، میر مستحسن - ۱۱۱ -
خلیل - ۱۷۵ -
خوب چند ذکا - ۱۲ ، ۱۳ -

(د)

دارا - ۱۷۷ ، ۱۷۹ -
داغ - ۳۲ ، ۲۵٦ -
دبیر - ۳۲ -
درد ، میر - ۱۴ ، ۳۲ ، ۵۰ ، ۱۰۹ -
دقیق - ۸۹ -
دلیر سنگھ - ۸٦ -
دولت شاہ - ۱٦۱ -
دوندے خاں - ۸۲ ، ۸۳ -
دھرم نرائن - ۳۲ ، ۳۳ ، ۱۸۷ -
دین دیال - ۳۲ ، ۳۳ ، ۱۸۷ -
دیوانہ ، سرب سنگھ - ۱۸ -

دیوہان - ۵۲ -

(ذ)

ذوالفقار الدولہ بہادر - ۹۰ -
ذوق، شیخ ابراہیم - ۹، ۳۲، ۱۱۱،
۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲،
۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۷—۱۳۹،
۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۱
—۱۶۶، ۱۶۸—۱۷۲، ۱۷۵،
۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۹—۱۸۲،
۱۸۳، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۹۱،
۱۹۳، ۱۹۷، ۲۰۰، ۲۰۱،
۲۰۲، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷،
۲۱۰—۲۱۵، ۲۱۹، ۲۲۰،
۲۲۴، ۲۳۲، ۲۳۵، ۲۳۹،
۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۶، ۲۵۲—
۲۵۶، ۲۵۸—۲۶۸، ۲۸۰،
۲۸۳، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۹۲،
۲۹۶، ۳۰۲—۳۰۵، ۳۰۶ -

(ر)

راقم ، غلام محمد ہفت قلم - ۱۰ -
رام چندر ، پنڈت - ۴۶ -
راون - ۷۵ -
راؤ جھیتم - ۵۲ -
راؤ روپ چندر سولان - ۵۲ -
رائے بہادر ، پنڈت - ۴۶ -
رائے پتھورا - ۴۵ -
رجب علی شاہ ، سید - ۳۶ -
رحمت اللہ ، مولوی - ۱۶۲ -
رحمت خاں ، حافظ - ۸۲، ۸۳،
۸۵، ۱۰۶، ۱۰۷ -
ر ، ر ، ہلدر - ۴۶ -
رشک ، میر علی حسن - ۲۹ -
رشیدی سمرقندی - ۱۷۸، ۱۷۹ -
رضا، حضرت امام، علیہ السلام - ۱ -
رضی ، سید - ۱۴۰ -
رغمی ، محمد عظیم اللہ - ۲۹، ۳۰ -
رفیق ، مرزا اسد بیگ - ۱۷ -
رمضان ، شیخ محمد - ۱۲۱ -
رند ، مہربان خاں - ۹۶ -
رنگین ، سعادت یار خاں - ۱۷،
۱۸، ۳۴، ۳۶ -
رودکی - ۵۳ - ۱۷۴ -
روم ، مولانا - ۸۰ -

(ز)

زار ، برہان الدین خاں - ۱۲۵ -
زاہد سہارنپوری - ۱۰۸، ۱۱۵،
۱۱۶ -
زٹلی ، میر جعفر - ۱۲، ۹۴، ۹۵ -
زرتشت - ۲۸، ۲۹ -
زردست - ۵۷، ۳۰۸ -
زور ، ڈاکٹر - ۹۰ -
زیب النسا بیگم - ۱۵۸ -
زینت محل بیگم ، نواب - ۱۴۱،
۲۰۲ -

(س)

ساجد مولوی - ۱۱۲ -
سالک ، مرزا - ۳۵ -
سالم ، محمود بیگ - ۱۷۸ -
سجاد اکبر آبادی ، میر - ۱۷ ، ۱۹۰ -
سجزی ، امیر حسن - ۱۷۳ -
سراج اورنگ آبادی - ۵۵، ۱۶۳ -
سرجن - ۵۲ -
سرور ، اعظم الدولہ میر محمد خان - ۱۲ ، ۱۳ ، ۲۵ ، ۱۳۹ ، ۱۳۰ ، ۱۳۱ ، ۱۸۸ -
سرور ، میر فیض علی - ۱۰ ، ۱۱ -
سری رام لالہ - ۲۵۶ -
سری لال - ۳۰۵ -
سعادت علی خان نواب - ۹۹ ، ۱۰۰ ، ۱۰۱ ، ۱۰۳ ، ۱۰۶ ، ۱۰۸ -
سعد اللہ ، حافظ - ۸۷ -
سعد اللہ ، گلشن ، شاہ - ۶۸ -
سعدی دکنی - ۶۶ -
سعدی ، شیخ - ۱۹ ، ۲۳ ، ۶۶ ، ۱۸۸ -
سقا - ۵۵ -
سکندر - ۲۸ ، ۱۷۷ ، ۱۷۹ ، ۳۰۵ -
سکندر شکوہ ، مرزا - ۵۶ -
سلطان علی مشہدی - ۱۸۳ -
سلیم - ۸۰ ، ۱۸۳ -
سلیمان شکوہ ، مرزا - ۱۷ -
سنائی ، حکیم - ۱۷۳ -
سودا - ۱۳ ، ۱۶ ، ۱۸ ، ۲۲ ، ۲۳ ، ۳۱ ، ۳۲ ، ۵۰ ، ۵۵ ، ۶۶ ، ۷۷ ، ۷۹ ، ۹۲—۱۰۹ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳ ، ۱۱۴ ، ۱۲۵ ، ۱۶۸ ، ۱۸۲ ، ۱۸۳ ، ۲۵۸ -
سور داس - ۴۵ -
سوز ، میر - ۱۳ ، ۳۲ -
سیام سندر داس - ۳۶ -
سیتا جی - ۷۵ -
سید ابراہیم - ۱۰۰ -
سید احمد خان ، سر - ۹ ، ۴۹ ، ۱۲۱ ، ۱۶۲ ، ۱۶۳ ، ۱۸۷ ، ۳۲۰ -
سید احمد شہید - ۱۸۲ -
سیف الدولہ احمد علی خان - ۹۸ ، ۹۹ -

(ش)

شاہ جہان - ۴۷ ، ۴۹ ، ۵۳ ، ۶۱ ، ۱۰۶ ، ۱۶۶ ، ۱۷۸ -
شاہ حاتم - ۲۲ ، ۳۲ ، ۶۸ -
شاہ رخ ، مرزا - ۱۸۶ -
شاہ عالم - ۳۵ ، ۳۹ ، ۷۵ ، ۹۰ ، ۹۲ ، ۹۵ ، ۹۶ ، ۹۷ ، ۱۰۶ ، ۱۲۶ -

شاہ عالم ثانی - ۸ ، ۹ ، ۱۴ ، ۱۶ ، ۱۵۸ -
شاہ عبدالعزیز - ۱۱ ، ۱۳۵ ، ۱۳۶ ، ۱۷۱ ، ۱۷۲ ، ۱۷۳ ، ۱۷۵ -
شاہ عبدالقادر - ۵۹ -
شاہ علی جیو گام دھنی - ۵۴ ، ۱۶۸ -
شاہ غریب - ۲۰ ، ۱۶۰ -
شاہ غلام علی - ۸۴ -
شاہ مراد - ۱۶۷ -
شاہ نصیر - ۲۰ ، ۲۱ ، ۲۲ ، ۴۰ ، ۱۲۴ ، ۱۲۵ ، ۱۳۴ ، ۱۳۵ ، ۱۳۶ ، ۱۴۰ ، ۱۴۲ ، ۱۴۳ ، ۱۴۵ ، ۱۶۳ ، ۱۸۲ ، ۱۸۳ ، ۲۶۲ ، ۲۸۳ ، ۳۰۵ -
شاہ ولی اللہ - ۸۴ ، ۸۵ -
شاہی سبزواری - ۱۶۰ -
شائق ، محمد ہاشم - ۱۶ -
شائق کلیوبن جی آباد - ۴۴ -
شائق مہجول - ۴۴ -
شتاب رائے ، راجا - ۷۴ ، ۷۵ -
شجاع الدولہ - ۱۷ ، ۵۸ ، ۷۳ ، ۷۴ ، ۹۷ ، ۹۹ ، ۱۰۶ ، ۱۰۷ -
شرف الدین - ۶۹ -
شرف ، میر مہدی - ۶ ، ۱۷ -
شریف حسین خاں - ۲۹ -
شفیع مرزا - ۹۲ -
شفیق اورنگ آبادی - ۸۱ ، ۹۸ ، ۱۶۵ -
شفیق ، لچھمی نرائن - ۲۵ ، ۶۷ ، ۶۹ ، ۷۴ -
شفیق ، مظہر علی خاں - ۱۰ ، ۱۳ -
شکیبا ، میاں - ۱۲۵ -
شگفتہ ، امر سنگھ - ۱۵ -
شمس الدین خاں ، نواب ، ۳۹ -
شمس الدین ، سید - ۱۰ -
شوق ، حافظ غلام رسول - ۱۲۲ ، ۱۲۳ ، ۱۲۴ ، ۱۴۶ -
شہاب الدین غوری - ۴۵ -
شہوت ، صاحبقران - ۱۶ -
شیدا ، خواجہ ہینگا - ۱۵ -
شیرانی ، حافظ محمود - ۱ ، ۲۷ ، ۳۲ ، ۴۱ ، ۴۳ ، ۶۱ ، ۶۲ ، ۱۱۰ ، ۱۱۷ ، ۲۵۷ ، ۲۶۴ ، ۲۶۵ ، ۳۰۷ ، ۳۱۶ -
شیر شاہ - ۵۰ ، ۵۱ -
شیفتہ - ۲۹ ، ۷۷ ، ۱۲۰ ، ۱۲۳ ، ۱۲۶ ، ۱۲۸ ، ۱۳۱ ، ۱۳۷ ، ۱۴۱ ، ۳۰۵ ، ۳۱۸ ، ۳۱۹ -
شیو پرشاد ، بابو - ۴۵ -

(ص)

صابر ، میرزا قادر بخش - ۱۳۴ ، ۱۳۵ -

صاحب محل - ۷۶ -
صادق ، ڈاکٹر - ۳۳ ، ۱۱۵ ، ۲۵۷ ، ۲۶۴ ، ۲۶۵ ، ۲۶۶ -
صادق ، میر صادق علی - ۱۵ -
صائب - ۱۸۴ ، ۱۹۰ -
صدر الدین ، شیخ ، بن بدر الدین - ۶۰ -
صدر یار جنگ بہادر ، نواب - ۱۱ -
صفیر بلگرامی - - ۴ -
صفدر جنگ ، نواب - ۴ -
صفدر میرزا پوری - ۱۰۸ ، ۱۰۹ ، ۱۱۵ -
صلابت خاں ، بخشی - ۹۸ -
صلائی - ۱۸۶ -
صہبائی - شہید ، امام بخش - ۳۲ ، ۳۳ ، ۴۴ ، ۱۳۵ ، ۱۸۷ ، ۱۸۸ -

(ض)

ضابطہ خاں - ۸۵ ، ۹۲ -
ضاحک ، میر ، ۳۳ ، ۳۶ ، ۴۲ ، ۱۰۹ ، ۱۱۰ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳ ، ۱۱۴ ، ۱۱۵ -
ضیاء الدین خاں ، نواب (نیر و رخشاں) - ۲۹ ، ۳۴ ، ۳۶ ، ۳۸ ، ۳۹ ، ۴۰ ، ۱۳۲ ، ۱۳۴ ، ۲۶۲ -
ضیاء الدین خسرو شاہ - ۶۲ -

(ط)

طالب ، سعید الدین احمد خاں میرزا - ۱۳۲ ، ۱۳۴ -
طالب ، میرزا ابو طالب - ۹۳ -
طوسی ، محقق - ۱۷۲ ، ۱۷۳ ، ۱۷۴ ، ۱۷۶ -

(ظ)

ظفر، سراج الدین بہادر شاہ بادشاہ - ۹ ، ۹۳ ، ۱۲۱ ، ۱۲۵ ، ۱۲۶ ، ۱۳۸ ، ۱۳۹ ، ۱۴۱ —۱۴۶ ، ۱۵۰—۱۵۸ ، ۱۶۱ ، ۱۶۳ ، ۱۸۵ ، ۱۸۶ ، ۲۰۶ ، ۲۶۷ ، ۲۶۸ ، ۲۷۲ ، ۲۷۳ ، ۳۰۷ -
ظفر علی خاں - ۸۵ -
ظہوری - ۲۷ -
ظہیر الدین ، سید - ۱۱۸ ، ۱۴۳
ظہیر فاریابی - ۱۷۸ -

(ع)

عابد ، شیخ محمد - ۸۷ -
عابد ، عابد علی - ۱۴۴ -
عاجز ، عارف الدین خاں - ۱۶۵ -
عارف جان - ۳۵ ، ۳۸ -
عارف ، زین العابدین - ۳۵ ، ۳۶ ، ۳۷ ، ۳۹ -
عارف لاہوری - ۱۷۸ -

عاشق ، مہدی علی خاں - ۱۷ ، ۱۴۰ -
عالم بیگ خاں - ۳۸ -
عالم جان - ۳۵ -
عالم گیر اورنگ زیب - ٦۸ ، ۷۰، ۹۷ ، ۱۵۸ ۱٦۲ -
عالم گیر ثانی - ۵ ، ۷۵ ، ۷٦ ، ۸۳ ، ۹٦ -
عالی ، میر محب علی - ۱۸ -
عبدالحی ، مولوی - ۴۱ ، ٦۸ ، ۱۴۰ -
عبدالحئی ، حکیم - ۴۱ ، ٦۷ ، ٦۹ ، ۷۸ -
عبدالرحمٰن - ۱۰۸ -
عبدالرحمٰن ، خواجہ - ۳۵ ، ۳۸ -
عبدالرسول ، قاری - ۸۷ -
عبدالقادر جیلانی ، حضرت شیخ - ۲ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۵۲ -
عبدالودود ، قاضی - ۲۵٦، ۳۰۵ -
عبدالوہاب ، مولوی - ۸ -
عبداللہ ، مولوی - ۱٦۲ -
عثمان ، حضرت - ۱۵۳ -
عراق - ۱۸۷ ، ۱۸۸ -
عرشی ، میر عبداللہ مشکیں قلم - ۱۷۸ -
عزلت ، عبدالولی - ۵-۱ -
عزیز اللہ ، میر - ۱۱۳ -
عزیز ، شنبھو ناتھ - ۱۵ -
عشق ، عزت اللہ خاں - ۹ ، ۱۰ ، ۱۲۵ ، ۱۴۵ ، ۱۴۷ -
عصمت اللہ بخاری ، خواجہ - ۵۳ ، ۱۷۴ -
عضدالدولہ ، حکیم غلام نجف خاں - ۱٦۲ -
عظیم ، عظیم بیگ - ۷ ، ۱۹ ، ۲٦ ، ۱۲۵ -
علاء الدین حسین شاہ - ۵۱ -
علاء الدین خاں ، نواب - ۲۹ ، ۳۰ ، ۳۵ ، ۳۹ -
علی بخش خاں - ۱۷۲ -
علی ، حضرت - ۲۲ ، ۲۳ ، ۸۸ ، ۸۹ ، ۱۰۸ ، ۱۰۹ ، ۱۵۳ ، ۱۵۴ ، ۲٦۹ ، ۲۷۳ -
علی محمد خاں - ۴ ، ۱۷ -
عماد الدین پادری - ۳۱۹ -
عماد الملک ، نواب عازی الدین خاں - ۸ ، ۷٦ ، ۸۳ ، ۸۵ ، ۹٦ ، ۹۷ ، ۹۸ -
عمر ، حضرت - ۱۵۳ -
عنایت اللہ عرف کلو حجام - ۱٦ -
عیسیٰ ، حضرت - ۲۰۰ ، ۲۰۱ ، ۲۴۱ -

(غ)

عازی الدین خاں - ۴، ۵ ، ۱۷۹ -

غالب ، اسد الله خاں - ۳۰ ، ۳۴ ،
۳۶ ، ۳۷—۴۰ ، ۴۲ ، ۴۴ ،
۱۳۱ ، ۱۴۳ ، ۱۴۸ ، ۱۴۹ ،
۱۶۴ ، ۱۸۷ ، ۱۸۸ ، ۱۹۴ ،
۲۶۵ ، ۳۰۷—۳۱۱ ، ۳۱۵ ،
۳۱۶ ، ۳۱۸ ، ۳۱۹ -
غالب ، بہادر بیگ خاں - ۱۷ -
غالب علی خاں سید ، میر - ۱۲۵ -
غلام حسین خاں ، نواب - ۴۰ -
غلام قادر شاہ بٹالوی - ۱۶۷ -
غلام ناصر - ۱۶ -
غلام یحییٰ ، مولوی - ۸۴ -
غمگین ، سید علی خاں - ۱۲۶ -

(ف)

فاضل گجراتی ، سید - ۱ ، ۲ -
فانی ، ثناء الله - ۶۷ -
فتح علی خاں حسینی - ۲ ، ۳ ،
۲۵ -
فخر الدین فخر جہاں ، مولانا - ۳ ،
۴ ، ۵ ، ۱۶ ، ۱۵۳ -
فراغ ، میر مہدی حسن - ۲۹ ، ۱۱۵ -
فراق ، حکیم ثناء الله خاں - ۹ ، ۱۰ ،
۱۵ ، ۱۷ ، ۱۲۵ ، ۱۴۰ -
فراق ، کنور پریم کشور - ۸ -
فرحت الله بیگ ، مرزا - ۱۲۲ -
فرخ سیر شہید - ۷۵ ، ۷۶ -
فرخی - ۱۳۴ -
فردوسی - ۱۲۸ ، ۳۲۳ -
فرشتہ - ۴۸ -
فضل علی خاں ، نواب - ۱۳۹ -
فضلی - ۵۷ ، ۵۸ -
فغاں ، اشرف علی خاں - ۲۲ ، ۷۲ ،
۷۳ ، ۷۴ ، ۷۵ -
فقیر ، شمس الدین ، میر - ۱۷۲ ،
۱۷۳ -
فوق - ۴۱ -
فولاد خاں - ۸۸ -
فیروز شاہ - ۴۸ ، ۶۰ -

(ق)

قاسم جان - ۳۵ ، ۳۸ ، ۳۹ -
قاسم علی خاں ، نواب - ۸۵ -
قاسم ، میر قدرت الله خاں - ۱ ،
۲ ، ۴ ، ۵ ، ۶—۱۳ ، ۱۸—
۲۶ ، ۴۱ ، ۶۶—۷۰ ، ۷۴ ،
۸۸ ، ۸۹ ، ۱۲۰ ، ۱۲۳ ،
۱۲۵ ، ۱۲۶ ، ۱۲۷ ، ۱۲۸ ،
۱۳۸ ، ۱۴۰ ، ۱۴۵ ، ۱۴۶ ،
۱۹۱ ، ۳۰۶ -
قائم - ۹۲ ، ۹۳ ، ۹۸ -
قائم علی ، امیدوار - ۲۳ -
قتیل ، مرزا محمد حسن - ۵۶ -
قدر بلگرامی - ۱۷۶ -
قدرت ، قدرت الله - ۱۷ -
قدر خاں - ۱۷۸ -

قرین - ۱۶ -
قطب الدین - ۱۵۳ -
قطبن - ۵۱ -
قلندر بخش ، مولوی - ۸۵ -
قلی قطب شاہ ، محمد - ۵۴ -
قمر الدین خاں - ۳۹ ، ۸۳ -

(ک)

کبیر - ۴۵ ، ۵۴ -
کرنکا - ۲ -
کریم الدین ، مولوی - ۵ ، ۶۷ ، ۷۷ ، ۱۲۱ ، ۱۲۳ ، ۱۳۸ ، ۲۳۱ ، ۲۳۵ -
کلیم - ۸۰ -
کمترین ، میر خاں (پیر خان یا امیر خاں ؟) - ۲۳ ، ۲۵ ، ۶۹ ، ۷۰ -
کویراج شیامل داس جی - ۴۶ -
کھیلن - ۵۲ -
کیفی ، پنڈت - ۲۵۴ -
کیننگ ، لارڈ - ۵۹ -

(گ)

گارساں دتاسی - ۱۳ -
گردیزی - ۶۷ -
گردوز - ۴۶ -
گریرسن - ۴۶ -
گشتاسپ - ۲۹ -
گوری شنکر اوجھا - ۴۶ -

(ل)

لائٹنر ، ڈاکٹر - ۳۱۹ -
لطف اللہ شیرازی ، مولانا - ۱۱۳ -
لطف ، میرزا علی - ۲۵ ، ۷۷ -
لطیف ، میر لطیف علی - ۱۵ ، ۱۶ -
لورک - ۵۲ -
لیک ، لارڈ - ۳۸ ، ۳۹ ، ۱۳۱ -

(م)

ماشاء اللہ خاں ، میر - ۲۶ -
مائل شاہ مہدی - ۱۲۹ -
مبارک ابن ملک بیان - ۵۱ -
مبارک علی - ۱۱۹ ، ۱۲۱ -
محب ، محب علی - ۷ ، ۱۷ -
محبوب ، میاں - ۲۰۲ -
محشر - ۵۰ -
محمد امان نثار - ۱۵ ، ۲۶ -
محمد صلی اللہ علیہ و سلم ، حضرت - ۳۱۹ ، ۳۲۱ -
محمد شاہ - ۱۴ ، ۵۷ ، ۶۷ ، ۶۹ ، ۷۵ ، ۷۶ ، ۱۶۲ -
محمد شریف خاں ، حکیم - ۵ -
محمد شفیع ، مولوی - ۱۱ ، ۵۹ ۶۲ -
محمد عارف - ۱۶ -
محمد علی خاں - ۳۵ -
محمد عمر ، مولانا - ۴۴ -
محمد یار خاں بہادر نواب - ۱۷ -
محمود غزنوی - ۱۷۸ -

مختار - ۱۰۰ ، ۱۰۲ ، ۱۰۳ -
مخبر - ۳۰۵
مراد اللہ مراد آبادی - ۵۸ -
مرزا خانی - ۱۸۳ -
مسعود امیر - ۵۱ ، ۵۲ -
مسعود حسن رضوی - ۷۷، ۳۰۴ -
مسعود حسین خاں ، ڈاکٹر -۱۴۳ -
مسعود سعد سلمان - ۱۷۸ -
مسیلمۂ کذاب - ۷ -
مصحفی - ۶ ، ۱۷ ، ۱۸ ، ۳۲ ، ۵۰ ، ۶۷ ، ۶۸ ، ۶۹ ، ۷۲ ، ۷۳ ، ۷۴ ، ۷۷ ، ۸۱ ، ۸۲ ، ۹۰ ، ۹۱ ، ۹۲ ، ۱۰۴ ،۱۰۶ ، ۱۱۲ ، ۱۲۶ ، ۱۶۱ ، ۱۹۲ ، ۳۰۵ -
مضمون ، شرف الدین - ۲۲ ، ۳۲ ، ۱۹۲ ، ۱۹۴ -
مطہر کڑا - ۶۰ -
مظہر جانجاں ، مرزا - ۱۴ ، ۲۲ ، ۳۲ ، ۷۶ ، ۷۷ ، ۷۸ ، ۷۹ ، ۸۰ ، ۸۱—۸۶ ، ۸۸ ، ۸۹ ، ۹۰ ، ۹۲ ، ۱۸۳ -
معروف ، نواب الٰہی بخش خاں ۔ ۳۵ ، ۳۷ ، ۱۲۶—۱۳۵ ، ۳۰۵ -
معین الدین چشتی، حضرت - ۱۵۲ -
معین الملک عرف میر منو - ۳۹ -
مغل ، مغل علی - ۱۶ -
مفتون ، بدر الدین - ۱۶ -
مقتول ، امام بخش - ۱۸۶ ، ۱۸۷ -
مقصود - ۱۶ -
مکھن پاکباز - ۲۲ -
مکین ، مرزا فاخر - ۹۹ ، ۱۰۱ ، ۱۰۸ -
ملک شاہ سلجوق - ۱۷۸ -
ملک علی خواجہ - ۳۱۷ -
ملکہ زمانی - ۷۵ ، ۷۶ -
ممتاز ، نور احمد - ۸ -
ممنون ، میر نظام الدین - ۱۲۵ ، ۱۴۰ ، ۲۶۲ ، ۳۱۷ -
منت ، میر قمر الدین - ۸ ، ۱۲۵ ، ۱۲۷ -
منصور - ۱۹۲ -
منیر شاہ وجیہ الدین - ۱۲۴ ، ۱۲۵ -
منیر صیقل گر - ۱۵ -
موتی لال - ۱۲۰ -
موسیٰ ، حضرت - ۱۶۶ -
مومن محمد - ۱۷۸ -
مومن، مومن خاں - ۳۳ ، ۳۴، ۳۶، ۳۷ ، ۱۱۰ ، ۱۴۹ ، ۲۶۸ -
موہن لال وشنو لال پنڈیا - ۳۶ -
مہجور - ۱۵۰ -
مہرباں خاں - ۹۷ ، ۹۸ -

میڈھو ، مرزا - ۷ ، ۱۷ ، ۲۰ ، ۳۶ -
میراں محتسب ، فاضل ، سید - ۲ -
میٹکاف ، سر چارلس - ۱۸۱ -
میرزا محمد - ۱۶۵ -
میر حسن - ۱۳ ، ۲۵ ، ۲۶ ، ۹۴ ، ۹۵ ، ۱۱۰ ، ۱۱۲ — ۱۱۵ ، ۱۹۲ -
میر حسن رضوی - ۶۳ -
میر سلطان - ۸۵ -
میر ، میر تقی - ۱۴ ، ۱۵ ، ۱۸ ، ۲۲ ، ۲۳ ، ۲۴ ، ۲۵ ، ۳۱ ، ۴۲ ، ۵۰ ، ۵۵ ، ۶۸ ، ۶۹ ، ۷۲ ، ۷۷ ، ۷۹ ، ۸۰ ، ۸۱ ، ۸۲ ، ۹۷ ، ۱۰۹ -
میرن - ۳۹ -

(ن)

ناجی ، محمد شاکر - ۲۲ ، ۳۲ ، ۷۱ ، ۱۹۲ ، ۱۹۳ ، ۱۹۴ -
نادر شاہ - ۲۲ ، ۷۱ ، ۹۴ -
نارتھ بروک ، لارڈ - ۳۱۹ -
ناسخ ، امام بخش - ۳۰ ، ۳۱ ، ۳۲ ، ۱۵۰ -
ناصر الدین محمد شاہ - ۳۸ -
ناصر ، سعادت خان - ۷۷ -
ناصر علی - ۲۲ -
ناظر حسین مرزا - ۱۳۸ ، ۱۳۹ -
نبی بخش خان - ۳۵ -
نثار ، نثار علی - ۱۶۳ -
نجف خان - ۳۹ ، ۹۱ ، ۹۲ -
نجف علی خان ، مولانا - ۳۳ -
نجیب الدولہ ، امیرالامرا - ۳ ، ۵ ، ۶ ، ۸۵ ، ۸۶ -
نجیب خان - ۸۶ -
ندیم - ۷۲ ، ۷۳ -
نرگسی ، مولانا - ۱۶۰ -
نرنجن داس - ۲۶۸ ، ۲۷۳ ، ۲۹۷ -
نرنجن لال - ۱۸۱ -
نساخ - ۱۱۳ -
نصر اللہ خان ، میرزا - ۱۳۲ -
نصیر الدین - ۱۵۲ -
نصیر ، محمد نصیر الدین - ۱۲۳ ، ۱۳۸ -
نظامی - ۱۲۸ ، ۱۸۹ -
نظیر اکبر آبادی - ۱۶۶ ، ۱۶۷ -
نظیری نیشاپوری - ۶۶ -
نعیم اللہ بہڑائچی ، مولوی - ۸۴ ، ۹۱ -
نعیم خان ، میر محمد - ۴۷ -
نفیس ، سید خورشید علی - ۱۱۳ -
نقشبند خان ، حکیم ، غلام - ۱۶۳ -
نوازش علی - ۳۱۷ -
نور احمد ، مولوی - ۹ -
نور محمد بداؤنی - ۸۷ -
نیاز ، میاں نیاز احمد - ۱۰ -

(و)

وزیر ، خواجہ - ۱۳۹ -
ولی - ۲۲ ، ۲۵ ، ۲٦ ، ۵۵ ،
٦۷ ، ٦۸ ، ٦۹ ، ۸۲، ۱۵٦ -
ولیم بینٹنگ - ۱۸۱ -
ونسنٹ اسمتھ - ۳٦ -
ویران ، حافظ غلام رسول - ۱۱۸،
۱۲۰ ، ۱۳۲ ، ۱۳۴ ، ۱۹۴ ،
۱۹۵—۲۰۷ ، ۲۱۰ ، ۲۱۵
—۲۵۵ ، ۲۵۹، ۲٦۰، ۲٦۱،
۲٦۳ ، ۳۰۳ ، ۳۰۵ -

(ہ)

ہاشمی ، سید فرید آبادی - ٦۱ -
ہالرائڈ ، کرنل - ۳۱۹ -
ہدایت ، ہدایت اللہ خاں - ۵ ، ٦ ،
۷ ، ۱۰ ، ۱۵ -
ہدایت بخش سلطان - ۸ -
ہدایت ، رضا قلی خاں - ۴۴ -
ہرگوبند عرف عبدالباری - ۱ -
ہرنلے - ۳٦ -
ہمدم ، شاہ محمد تقی - ۱٦۵ -

(ی)

یاسان - ۴۴ -
یاسان آجام - ۴۴ -
یاقوت المستعصمی - ۱۸۸ -
یکرنگ - ۱٦ ، ۲۲ ، ۳۴ ، ۱۹۳،
۱۹۴ -

کتب

(الف)

آب حیات - ۱، ۱۳، ۲۱، ۲۲، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۹، ۳۰—۳۴، ۳۶، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۵، ۴۷، ۶۶، ۶۷، ۷۲، ۷۷، ۸۸، ۹۹، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۵، ۱۱۸—۱۲۱، ۱۳۰—۱۳۴، ۱۴۹، ۱۵۷، ۱۶۱، ۱۸۳، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۲۰۱، ۲۰۶—۲۱۰، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۶۲، ۲۶۳ -

آب حیات کا تنقیدی مطالعہ - ۷۷، ۳۰۴ -

آتش کدۂ آذر - ۱۶۰، ۱۷۹، ۱۸۹ -

آثارالصنادید - ۱۲۱، ۱۶۳، ۱۸۷، ۱۹۶، ۲۵۱ -

آداب الخط (رسالہ) - ۱۸۵ -

اجمل التواریخ - ۴۴ -

اختر تاباں (رسالہ) - ۴۴ -

اردوے معلیٰ - ۳۷ -

اژدر نامہ - ۱۵، ۲۶ -

اسرار الشہادۃ - ۱۱ -

المعجم - ۱۷۴ -

اللہ خدائی - ۶۱ -

انتخاب ذوق - ۲۵۴ -

انتخاب ظفر - ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۷، ۳۰۴

انجمن آرائے ناصری - ۴۴ -

اورنٹیل کالج میگزین - ۲۷، ۴۶، ۵۳، ۵۹، ۱۱۹، ۲۶۲ -

اوستا - ۴۴ -

(ب)

باغ و بہار - ۲۷ -

بدیع النصاب - ۶۰ -

بوستان خیال - ۱۷۷ -

بہارستان جامی - ۱۶۰ -

بہار عجم - ۱۸۴ -

بیاض آزاد - ۲۵۵ -

بید شاستر - ۲۸، ۳۰۸ -

(پ)

پدماوت - ۵۰ -

پدماوتی - ۱۷۰ -
پرتھی راج راسا - ۴۵، ۴۶، ۴۷ -
پرتھی راج وجے - ۴۶ -
پنج آہنگ - ۱۴۱، ۱۸۸ -
پنجاب میں اُردو - ۵۴ -

(ت)

تاریخ انجمن ترقی اُردو - ۶۱ -
تاریخ راجستان - ۴۶ -
تاریخ زبان اُردو - ۴۰ -
تاریخ شعرائے اُردو - ۵، ۱۳، ۶۷، ۷۱ -
تاریخ فرشتہ - ۴۸ -
تاریخ مبارک شاہی - ۴۸ -
تاریخ مہدی - ۳۱۹ -
تاریخ مظفری - ۷۰، ۹۸ -
تاریخ ہندوستان - ۴۴ -
تحفۂ سامی - ۱۶۰ -
تذکرۂ انشاء - ۸ -
تذکرۂ خوش نویسان - ۱۰ -
تذکرۂ ریختہ گویاں - ۱۲، ۲۵ -
تذکرۂ سودا - ۶۶ -
تذکرۂ شورش - ۱۲ -
تذکرۂ عشقی - ۱۲ -
تذکرۂ کریم الدین - ۵۷، ۶۷، ۷۷، ۱۱۴، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۳۸، ۲۳۱ -
تذکرۂ گردیزی - ۱۹۲ -
تذکرۂ گلزار ابراہیم - ۶۷، ۷۱، ۹۰، ۱۱۴ -
تذکرۂ گلشن ہند - ۱۲، ۲۵، ۶۷، ۷۷، ۸۹، ۹۰ -
تذکرۂ میرحسن - ۱۲، ۲۵، ۱۱۳ -
تذکرۂ ہندی - ۱۲، ۶۸، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۷، ۸۱، ۱۰۶، ۱۲۶، ۱۹۲، ۳۰۵ -
تریاق مسموم - ۳۱۹ -
تغلق نامہ خسرو - ۵۵ -
تفسیر مرادی - ۵۸ -
تفسیر مظہری - ۸۴ -
تنبیہ الغافلین - ۳۲ -
تنقید آب حیات - ۴۱ -
تنقید شعر العجم - ۱۸۹ -
توزک بابری - ۱۶۰ -

(ث)

ثمرات البدائع - ۵۶ -

(ج)

جامع الصنایع - ۱۷۳ -
جلوۂ خضر - ۴۰ -

(چ)

چمنستان شعرا - ۱۲، ۲۵، ۶۹، ۷۱، ۱۶۵ -
چہار درویش - ۵۸ -

(ح)

حاشیۂ میر - ۱۰ -
حدائق البلاغت - ۱۷۲ ، ۱۷۳ -
حسن خیال - ۱۰۸ ، ۱۰۹ ، ۱۱۵ -
حیات ذوق - ۲۵۶ -

(خ)

خالق باری - ۶۰ ، ۶۱ ، ۶۲ ، ۶۳ ، ۶۴ -
خطبات گارساں دتاسی - ۱۴۰ -
خلاصۃ الاشعار - ۱۶۰ -
خم خانۂ جاوید - ۲۵۶ ، ۳۰۵ -
خوش معرکۂ زیبا - ۷۷ -

(د)

دبدبۂ احمدی - ۱۷۲ -
دبستان المذاہب - ۴۳ -
دریاے لطافت - ۸۲ -
دری کشا - ۴۴ -
دساتیر - ۴۳ ، ۴۴ ، ۴۵ -
دہلی کی آخری شمع - ۱۲۲ -
دیوان آہی - ۱۶۰ -
ده مجلس - ۵۷ -
دیوان حالی - ۳۱۹ -
دیوان حسن سحزی - ۱۷۳ -
دیوان ذوق - ۱۱۷ ، ۱۱۹ ، ۱۲۰ ، ۱۲۱ ، ۱۲۹ ، ۱۳۲ ، ۱۳۴ ، ۱۴۲ ، ۱۴۳ ، ۱۴۹ ، ۱۶۳ ، ۱۸۸ ، ۱۹۱ ، ۱۹۴ ، ۱۹۵ ، ۲۰۶—۲۱۱ ، ۲۱۵ ، ۲۵۴—۲۵۷ ، ۲۵۹ ، ۲۶۰ ، ۲۶۱ ، ۲۶۴ ، ۲۶۵—۲۶۸—۲۷۶—۳۰۳ ، ۳۰۵ ، ۳۰۶ -
دیوان سودا - ۱۱۴ -
دیوان شاہ علی جیو گم دھنی - ۵۴ -
دیوان ظفر - ۱۳۹ ، ۱۴۱ ، ۱۴۲ ، ۱۴۵—۱۴۸ ، ۱۶۷ ، ۱۸۵ ، ۲۰۶ -
دیوان غالب - ۳۰۹ -
دیوان قاسم - ۱۱ -
دیوان مظہر جانجاں - ۸۷ ، ۹۱ -
دیوان معروف ۱۲۸ ، ۱۳۲ -
دیوان مومن - ۳۷ -
دیوان ولی - ۶۷ ، ۶۸ ، ۶۹ -

(ذ)

ذکر میر - ۴۱ -
ذوق - ۱۴۳ ، ۱۴۴ -

(ز)

زدارۂ خود (؟) در باب افلاک - ۵۷ -
زلیخا - ۱۷۷ -
زنداستا - ۲۹ -

(ژ)

ژند و پاژند - ۲۹ ، ۳۰۸ -

(س)

سخندان فارس - ۱۷۱ ، ۱۷۳ -
سخن شعرا (تذکرۂ نساخ) - ۱۱۳ -
سرو آزاد - ۸۰ ، ۸۴ ، ۸۵ ، ۸۶ -
سفرنگ دساتیر - ۴۴ -
سفینۂ خوش گو - ۱۶۰ -
سفینۂ ہندی (بھگوان داس) - ۷۷ -
سکندر نامہ - ۱۲۸ ، ۱۷۷ -
سودا (شیخ چاند) - ۹۳ ، ۱۰۵ -
سیرالمتاخرین - ۷۶ ، ۹۸ -

(ش)

شاہ نامہ - ۱۱ ، ۱۲۸ -
شرح شمسیہ - ۱۰ -
شرح عقائد نسفی - ۵ -
شرح گلستان - ۱۶۳ -
شعرالعجم - ۱۸۹ -
شعرالہند - ۴۱ -

(ص)

صدق نامہ - ۱ -
صحیفہ (رسالہ) - ۳۳ -

(ع)

عقد ثریا - ۷۷ ، ۸۲ ، ۹۲ -
عمدۂ منتخبہ - ۱۲ ، ۲۵ ، ۱۴۰ -
عیارالشعرا - ۱۲ ، ۱۳ -

(غ)

غالب (رسالہ) - ۳۰۷ -
غرائب اللغات - ۶۴ -

(ق)

قران السعدین - ۶۳ -
قرآن حکیم - ۷ ، ۵۹ ، ۳۱۷ -
قنیۃ الفتیان - ۲۰ -
قواعد العروض - ۱۷۶ -
قول فیصل - ۳۲ ، ۱۸۷ ، ۱۸۸ -

(ک)

کرامات پیران پیر - ۱ ، ۲ ، ۱۱ -
کربل کتھا - ۵۷ -
کلیات طیبات - ۸۲ ، ۸۶ -
کلمۃ الحق (مثنوی) - ۳۱۹ -
کلیات بیدل - ۱۷۱ -
کلیات سودا - ۹۸ ، ۹۹ ، ۱۰۲ ، ۱۰۴ ، ۱۰۶ ، ۱۰۷ ، ۱۱۵ -
کلیات صہبائی - ۳۳ ، ۱۸۷ -
کلیات ظفر - ۱۲۱ ، ۱۴۳ ، ۱۴۹ ، ۱۵۷ ، ۱۶۲ ، ۲۶۸ -
کلیات قلی قطب شاہ - ۵۴ -
کلیات ممنون - ۱۴۰ -
کلیات ولی - ۱۵۶ -

(گ)

گل رعنا (شفیق) - ۹۸ -
گل رعنا (عبدالحیٔ) - ۲۴ ، ۴۱ ، ۶۹ ، ۷۲ ، ۷۵ ، ۷۸ ، ۷۹ -
گلزار ابراہیم - ۱۲ ، ۷۲ ، ۷۳ ، ۸۹ ، ۱۱۲ -

گل عجائب - ۱۶۵ -
گلستان بوستان - ۱۷۹ -
گلستان سخن - ۶، ۱۲۱ -
گلستان سعدی - ۱۸۸ -
گلشن بے خار - ۷۷، ۱۲۰، ۱۲۶، ۱۳۷، ۱۶۱، ۲۲۴، ۲۶۶، ۲۳۰، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۵۱، ۳۰۵ -

(ل)

لطائف نامۂ فخری - ۱۶۰ -
لیلاوتی - ۱۷۰ -

(م)

مثنوی معنوی - ۸۰ -
مجالس رنگین - ۱۸ -
مجمع الفصحا - ۱۶۰ -
مجموعۂ نغز - ۱، ۱۰، ۱۲، ۱۳، ۲۲، ۲۳، ۲۵، ۲۶، ۴۱، ۶۶، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۴، ۸۹، ۱۲۰، ۱۲۳، ۱۲۵—۱۲۸، ۱۳۸، ۱۴۰، ۱۴۵، ۱۴۷، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۲۶۴، ۳۰۶ -
محمد حسین آزاد - ۳۲، ۴۳، ۷۸، ۱۱۹، ۱۲۴، ۱۳۴، ۲۵۴، ۲۵۵، ۳۰۳ -
مختصر معانی - ۵ -
مختصر وقایہ - ۵ -
مخزن اسرار - ۱۸۹ -
مخزن الغرائب - ۸۱، ۸۳، ۱۷۸ -
مخزن نکات - ۱۲، ۶۷، ۷۱، ۹۳ -
مرآۃ العالم - ۱ -
مرگاوتی - ۵۱ -
مسدس حالی - ۳۱۷، ۳۱۹، ۳۳۱ -
مطبوع الصبیان - ۶۴ -
مطول - ۵ -
معراج نامہ - ۱۱ -
معمولات مظہری - ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۸۴، ۹۱، ۹۲ -
معیار الاشعار - ۱۷۲، ۱۷۴ -
مقامات مظہری - ۷۷، ۸۶، ۹۱، ۹۲ -
مقدمۂ شعر و شاعری - ۳۱۹ -
منتخب النفائس - ۷۹ -
موضح القران - ۵۹ -
موید الفضلا - ۶۲، ۶۳ -
مہر و وفا (رشیدی سمرقندی) - ۱۷۸ -
مہر و وفا (سالم محمود بیگ) - ۱۷۸ -
مہر و وفا (ظہیر فاریابی؟) - ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹ -
مہر و وفا (عارف لاہوری) - ۱۷۸ -
مہر و وفا (محمد مومن) - ۱۷۸ -

(ن)

ناگری پرچارنی پتر - ۴۶ -
نصاب الاخوان - ٦١ -
نصاب الصبیان - ٦٠ -
نصاب بدیعی - ٦١ -
نصاب مثلث - ٦١ -
نصیب اخوان - ٦٠ -
نکات الشعرا - ۱۲، ۲۳، ۲۵، ۳۱، ۶۹—۷۲، ۸۱، ۱٦۴، ۱٦۵، ۱۹۰، ۱۹۲ -
نکات بیدل - ۱۷۱ -
نگار (رسالہ) - ۳۱، ۲۵٦ -
نگارستان فارس - ۱۷۸ -
نوادر الالفاظ - ۴۹، ٦۳ -
نو طرز مرصع - ۵۸ -
نیرنگ خیال - ۲۵۴ -

(و)

وحدت وجود و وحدت شہود (رسالہ) - ۸۳ -
وقائع اسد بیگ - ٦۵ -

(ہ)

ہدایت المسلمین - ۳۱۹ -
ہندوستانی - ۱۱۷ -
ہوبسن جوبسن - ۵٦ -

(ی)

یادگار غالب - ۱۳۸ -
یوکرو نولو جیکو - ۵٦ -

مقامات

(الف)

آگرہ - ۱۶۶ -
اجڑاڑہ - ۱۱ -
اجمیر - ۳۶، ۱۵۲، ۱۸۱ -
احمد آباد - ۶۶، ۶۷ -
احمد نگر - ۱۷ -
اکوڑہ - ۱۸۲ -
الور - ۳۹، ۱۳۱ -
الہ آباد - ۹۶، ۱۰۶، ۱۱۷ -
امروہہ - ۸۳، ۸۴ -
اندور - ۳۲ -
اورنگ آباد - ۹۳ -

(ب)

بخارا - ۳۵ - ۳۸ -
بدر - ۱۱ -
بغداد - ۲ -
بکسر - ۹۶ -
بلخ - ۳۸، ۴۶ -
بلنڈہ - ۹۳ -
بمبئی - ۳۸، ۶۸، ۲۶۲ -
بندرا بن - ۸ -
بہاول پور - ۵۰، ۱۵۹ -
بھوپال - ۱۸۷ -
بیجا پور - ۶۵ -

(پ)

پانی پت - ۵، ۳۱۷، ۳۱۸ -
پٹنہ - ۲۵۶، ۳۰۵ -
پشاور - ۸۶ -
پنجند - ۱۵۹ -
پونا - ۴۸ -

(ت)

تھانیسر - ۸۵ -

(ٹ)

ٹونک - ۱۱۷، ۱۸۲ -

(ج)

جے پور - ۱۸۱ -

(چ)

چنبہ - ۱۵۹ -
چندرگیری - ۵۱ -

(ح)

حبیب گنج - ۱۲ -
حصار - ۳۱۸ -

حیدر آباد - ۱۷ ، ۱۳۲ -

(خ)

خان بالغ - (پیکن) ۱۸۵ -

(د)

دہلی - ۴ ، ۷ ، ۶ ، ۱۰ ، ۱۵ ، ۱۷ ، ۲۰ ، ۲۵ ، ۳۲ ، ۳۵ ، ۳۹ ، ۴۷ ، ۴۸ ، ۵۰ ، ۵۱ ، ۵۹ ، ۶۸ ، ۶۹ ، ۷۱ ، ۷۴ ، ۷۶ ، ۸۲ ، ۸۳ ، ۸۴ ، ۸۸ ، ۸۹ ، ۹۲ ، ۹۳ ، ۹۴ ، ۹۶ ، ۹۷ ، ۹۹ ، ۱۰۲ ، ۱۱۵ ، ۱۱۸ ، ۱۲۰ ، ۱۲۳ ، ۱۲۶ ، ۱۳۲ ، ۱۳۳ ، ۱۳۴ ، ۱۳۸ ، ۱۴۱ ، ۱۴۵ ، ۱۵۹ ، ۱۶۱ ، ۱۶۶ ، ۱۷۹ ، ۱۸۰ ، ۱۸۱ ، ۱۸۲ ، ۱۸۳ ، ۲۰۶ ، ۲۲۴ ، ۲۵۴ ، ۲۶۲ ، ۳۰۵ ، ۳۱۷ ، ۳۱۸ ، ۳۱۹ -

(ر)

رام پور - ۱۷ -
رسوان - ۱۸۱ -
ریواڑی - ۳۰ -

(س)

سانگانیر - ۱۸۱ -
سمرقند - ۳۵ -
سنبھل - ۸۳ ، ۸۴ -
سیالکوٹ - ۲۶۸ ، ۲۷۳ -

(ش)

شاہ جہان پور - ۸۳ ، ۸۴ ، ۱۶۳ -

(ع)

عظیم آباد - ۱۷ ، ۳۷ ، ۷۴ -

(غ)

غازی پور زمینہ - ۳۰ -

(ف)

فرخ آباد - ۵ ، ۱۷ ، ۹۶ ، ۹۷ ، ۹۸ ، ۹۹ -
فیروز پور جھرکہ - ۳۹ ، ۱۳۱ ، ۱۳۲ ، ۱۳۳ -
فیض آباد - ۱۷ ، ۵۸ ، ۹۶ ، ۹۹ ، ۱۰۶ ، ۱۰۷ ، ۱۱۴ -

(ق)

قندھار - ۵ ، ۷۶ -

(ک)

کان پور - ۱۸۷ -
کراچی - ۴۳ -
کلکتہ - ۱۳۸ ، ۱۴۱ ، ۲۶۲ -
کنچن نگر - ۵۱ -

(گ)

گجرات - ۱ -
گورداس پور - ۱۵۹ -

(ل)

لاہور - ۳۰ ، ۳۱ ، ۴۴ ، ۷۶ ، ۱۲۱ ، ۱۵۹ ، ۱۹۵ ، ۲۵۴ ،

۲۶۲ ، ۳۰۵ ، ۳۱۸ ، ۳۱۹ -
لکھنئو - ۸ ، ۱۰ ، ۱۷ ، ۱۹ ،
۳۰ ، ۳۱ ، ۷۳ ، ۷۵ ، ۹۷ ،
۹۸ ، ۱۰۷ ، ۱۱۳ -
لندن - ۵۹ -
لوہارو - ۲۹ ، ۳۰ ، ۳۵ ، ۳۹ ،
۱۳۲ -
لہوسہ - ۳۵ -

(م)

مادھو پور - ۱۵۹ -
مالوہ - ۳۲ ، ۱۸۷ -
متھرا - ۸۳ -
مٹھن کوٹ - ۱۵۹ -
مراد آباد - ۸۳ -
مرشد آباد - ۱۷ ، ۷۳ -
ملتان - ۸۶ ، ۱۵۹ -
مہ آباد - ۳۳ ، ۳۳ -
میرٹھ - ۸۳ -

(ن)

نوح - ۳۵ -
نیشا پور - ۱۱۵ ، ۱۱۶ -
نیا پیڑے - ۱۸۱ -

(ہ)

ہرات - ۳۱۷ -

متفرقات

(الف)

آتش نفس - ۳۰۷ -
ابتدا - ۱۷۶ -
اختراع - ۵۹ -
اختلال ذہنی - ۲۵۴ -
ادراک - ۳۱۰ -
ارادت - ۸۷ ، ۱۳۳ -
اُردو - ۴۷ ، ۴۹ -
اسپار - ۴۴ -
استغنا - ۸۰ -
اصلاح - ۷۲ ، ۹۵ ، ۲۰۲ ، ۲۰۴
۲۰۵ ، ۲۰۶ ، ۲۱۰ — ۲۱۴ ،
۲۱۶ — ۲۵۳ ، ۲۵۵ ، ۲۵۷ ،
۲۶۰ ، ۲۶۸ ، ۲۷۳ ، ۳۱۸ ،
۳۲۰ ، ۳۲۲ -
اصنام خیالی - ۳۰۹ -
انابت - ۸۵ -
انتقاد - ۱۴۴ -
اہل اُردو - ۴۹ ، ۵۰ ، ۷۹ -
اہل حرفہ - ۴۷ -
اہل صنعت - ۹۲ -
اہل سنت و جماعت - ۹۰ -
اہل سیف - ۴۷ -
اہل شہرہا - ۵۰ -
اہل قلم - ۴۷ -
ایہام - ۸۱ -
ایہام گوئی - ۷۷ -

(ب)

بازار لشکر - ۴۷ ، ۴۶ -
بدلہ گو - ۱۱۲ -
برجستگی - ۲۰۵ ، ۲۵۴ -
برجستہ - ۲۵۴ -
بلاغت - ۸۲ -
بلند خیالی - ۳۰۴ -
بلندی معنی - ۲۵۵ -
بلیغ - ۸۲ -

(پ)

پرگو - ۱۱ -
پیش داری - ۴۳ ، ۴۴ -

(ت)

تال - ۵۵ -
تجوید - ۸۷ -
ترفیل - ۱۷۵ ، ۱۷۶ -
ترک - ۱۲۷ -
ترک دنیا - ۸۰ -

ترکیب - ۲۰۵ -
تسبیغ - ۱۶۵ -
تسنن - ۳۴ -
تشیع - ۳۴ ، ۹۰ -
تصرف - ۳۴ ، ۱۳۲ ، ۱۹۱ ،
۲۵۳ ، ۲۵۶ -
تصرف بے جا - ۱۹۴ -
تصوف - ۷۷ ، ۱۹۸ ، ۳۰۴ -
تعلی - ۲۲ ، ۱۳۷ ، ۱۵۰ -
تغزل - ۱۵۰ ، ۱۵۶ -
تغلیب - ۱۳۶ -
تقریظ - ۱۳۲ -
تقطیع - ۱۶۸ ، ۱۷۷ -
تقلید - ۲۷ ، ۶۳ ، ۳۲۰ -
تکرار - ۲۰۶ -
تکملہ - ۱۶ -
تلامذہ - ۴۴ -
تلامیذ - ۸۰ -
تلمذ - ۱۶ - ۱۶۳ -
تلمیح ، ۷ ، ۸۶ ، ۱۷۹ -
تلمیذ - ۵ ، ۱۰ -
تلمیذ رحمانی - ۱۲۴ -
توارد - ۱۲۴ -
توبہ - ۸۵ -
توحید - ۲۸ ، ۳۲۱ -
توغل - ۳۱۰ -
توکل - ۸۰ -

(ٹ)
ٹکسالی - ۱۹۴ -
ٹھٹھول - ۱۹ -
ٹوٹکا - ۱۸۳ -

(ج)
جدت - ۲۰۵ -
جگت استاد - ۱۴۹ -
جنون - ۱۸۳ -
جوہر - ۱۴ ، ۲۸ ، ۲۱۲ -
جہاد - ۱۸۲ -
جیان - ۴۴ -

(چ)
چستی - ۳۰۳ -
چشمک - ۱۸ -

(ح)
حسن پرستی - ۷۷ ، ۷۸ -
حسن پسندی - ۷۷ -
حسن طبع - ۱۷۱ -
حشو - ۲۸ ، ۱۰۱ ، ۱۷۶ ، ۲۰۳ ،
۲۱۱ ، ۲۱۳ -
حقیقت - ۳۱۸ -
حیوان ناطق - ۳۲۰ -

(خ)
خطا - ۱۸۴ -
خوش طبع - ۷۵ -

(د)
درستی ترکیب - ۲۵۵ -

دشت سخن - ۱۸ -

دوہرا - ۱۶۹ -

دہلوی - ۴۷ ، ۴۸ -

(ذ)

ذوق - ۳۱۰ ، ۳۱۱ ، ۳۱۸ -

(ر)

راگ - ۵۵ -

راوی - ۱۹۱ ، ۲۶۱ -

راجواڑہ - ۴۹ -

رکیک - ۷ ، ۱۹ ، ۲۵ -

روانی - ۲۰۵ ، ۲۵۲ ، ۲۵۴ ، ۳۰۳ -

روایت - ۶۴ ، ۷۴ ، ۹۰ ، ۹۷ ، ۱۱۵ ، ۱۱۶ ، ۱۲۷ ، ۱۳۱ ، ۱۳۲ ، ۱۴۸ ، ۱۴۹ ، ۱۶۱ ، ۱۷۲ ، ۱۷۴ ، ۱۹۱ ، ۲۵۶ -

روزمرہ - ۱۱ ، ۱۵۰ ، ۲۰۵ -

ریختہ - ۱۰ ، ۱۹ ، ۵۰ ، ۵۳ ، ۵۴ ، ۵۵ ، ۶۶ ، ۷۷ ، ۷۹ ، ۸۰ ، ۸۱ ، ۸۲ ، ۹۷ ، ۱۳۵ ، ۱۴۱ ، ۱۶۳ ، ۱۶۷ ، ۱۷۴ ، ۳۰۸ -

(ز)

زبان اُردو - ۴۹ ، ۵۰ -

زبان اُردوے معلیٰ - ۵۰ -

زبان شاہ جہان آباد - ۴۹ ، ۵۰ -

زٹل - ۱۱۴ -

زردشتی ، ۳۰۸ -

زلف سخن - ۷ -

زمین - ۲۵۸ ، ۲۶۴ ، ۲۶۵ -

زوائد - ۲۸ ، ۱۰۱ -

زود گوئی - ۱۴۸ -

زور کلام - ۲۱ -

(ژ)

ژرف نگاہی - ۶۲ -

(س)

سادگی بیان - ۲۱۱ -

سبب - ۱۶۸ -

سبب ثقیل - ۱۶۸ -

سبب خفیف - ۱۶۸ ، ۱۷۰ ، ۱۷۱ ، ۱۷۶ -

ستیزہ کاری ، ۱۹ -

سقم - ۲۰۵ -

سلام - ۴۴ -

سنت - ۳۴ -

سنت جماعت - ۲۳ ، ۸۸ -

سنی - ۲۲ ، ۲۳ ، ۳۴ ، ۸۸ ، ۸۹ -

سہو - ۲۰ ، ۶۸ ، ۱۳۷ ، ۲۰۵ -

سہادت - ۱۱۶ -

(ش)

شانزدہگانی - ۱۶۴ - ۱۶۸ ، ۱۷۷ -

شائی - ۴۴ -

شرک - ۳۲۱ -

شریف الطرفین - ۱۱۵ -

شکر رنجی - ۷۵ -
شمار - ۴۴ -
شیعہ - ۲۳ ، ۸۸ ، ۸۹ ، ۹۲ -
شیعی - ۹۱ -
شیعیت - ۹۲ -

(ص)

صاحب نصاب - ۶۰ -
صباحت - ۷۸ -
صبیح - ۷۸ -
صدر - ۱۷۶ -
صفائی - ۷۹ ، ۲۵۲ ، ۳۰۳ -

(ض)

ضرب - ۱۷۶ -

(ط)

طبع آزمائی - ۲۵۸ -
طراری - ۷۹ -
طریق شطاریہ - ۱۱ -
طلب الٰہی - ۸۰ -

(ظ)

ظریف - ۷۵ -

(ع)

عاشق مزاجی - ۷۷ -
عجز - ۱۶۵ -
عرف اُردو - ۵۰ -
عزا پرستی - ۱۱۴ -
قا - ۴۱ -

(غ)

غالبیات - ۳۰۹ -
غیر دہلوی ، ۴۷ -

(ف)

فتویٰ - ۳۱۰ -
فصاحت - ۸۲ -
فصیح - ۸۲ ، ۲۰۴ -
فضیلت - ۸۰ -
فقر - ۸۰ ، ۱۲۷ -
فنا - ۸۰ -
فی البدیہہ - ۱۰۵ ، ۱۰۶ -

(ق)

قطع - ۱۷۵ ، ۱۷۶ -
قنوطیت - ۱۵۸ -
قول - ۵۰ -

(ک)

کافر کشہ - ۱۶ -
کاوش - ۱۲۸ -
کتب نصاب - ۶۰ -
کرامت - ۸۰ -
کلام اللہ - ۲۰ ، ۸۷ -
کھرا کھری - ۴۸ -

(گ)

گل شائی - ۴۴ -

(ل)

لشکر - ۴۹ -

(م)

ماترا - ۱۷۰ -
مادہ - ۵۹ -
مادۂ تاریخ - ۵۷ -
مبالغہ - ۱۳۸ ، ۱۴۹ ، ۲۰۴ ، ۳۱۸ -
مبتدی - ۶ -
متبعین - ۴۳ -
متروک - ۹۷ ، ۱۹۴ ، ۱۹۸ -
متوکل - ۱۱۲ -
مجعول - ۴۴ -
مجعولیت - ۴۴ ، ۴۶ -
مداح - ۸۰ -
مدح - ۲۲ ، ۶۰ ، ۷۸ ، ۸۸ ، ۱۳۵ -
مدعی - ۳۸ ، ۷۸ ، ۱۶۶ ، ۲۰۴ -
مرادف - ۶۳ -
مرجز - ۱۳ -
مرصع - ۲۵۷ -
مساوات - ۱۶۸ ، ۱۶۹ -
مشیت - ۱۰۷ -
مضاعف - ۱۶۴ -
معقول - ۸۷ -
مقفیٰ - ۱۳ -
مقلد - ۶۷ -
ملاحت - ۷۸ -
ملک الشعرائی - ۹۶ ، ۹۷ -
ملمع - ۵۵ -
ملیح - ۷۸ -
ممدوح - ۹۷ ، ۱۳۲ ، ۱۷۸ ، ۲۰۷ ، ۳۰۵ -
منتخب روزگار - ۸۵ -
منقول - ۸۷ -
موجودات - ۲۱۳ -
موجد - ۲۸ -
موزونیٔ طبع - ۲۱ -
موسیقار - ۳۰۷ -
مہ آبادی - ۳۴ ، ۴۵ -
مہمل - ۳۱۰ -
مہملات - ۱۱۳ -

(ن)

نازک خیالی - ۲۱۲ -
نثر سادہ - ۱۳ -
نثر عاری - ۱۳ -
نجابت - ۱۱۶ -
نجیب الطرفین - ۱۱۵ -
ندرت - ۱۶۴ -
نسیان - ۲۰ -
نصاب - ۶۰ ، ۶۱ ، ۶۲ -
نکتہ سنج - ۱۱۲ -
نمک - ۷۹ -

(و)

واقعیت - ۳۱۸ -
وتد مجموع - ۱۷۰ ، ۱۷۱ ، ۱۷۶ -

وجدان - ۳۱۱ -
وقفه - ۱۷۰ ، ۱۷۱ -

(ه)

هجو - ۷ ، ۲۳ ، ۲۵ ، ۲۶ ، ۷۹ -
۱۰۵ ، ۱۰۶ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳ ،
۱۱۴ ، ۱۱۵ ، ۱۳۰ -
هجو ملیح - ۷۷ ، ۱۸۱ -
هزل - ۱۱۲ ، ۱۱۳ -

(ی)

یاسانی - ۴۴ -
یاسیت - ۱۵۸ -
یاوه گوئی - ۱۱۴ -
یزدان پرستی - ۴۴ -
یک رنگی - ۳۰۹ -